خواتین اور دوشیزاؤں کے لیے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

SEPTEMBER
2016

عید الاضحیٰ مبارک

ماڈل: صائمہ انصار

میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

کرن ڈائجسٹ

چیف ایڈیٹر

صائمہ محمود

ایڈیٹرز

سعدی محمود جعفری ۔ بلال جعفری

نمائندہ امریکہ ۔ فراز جعفری

E-Mail : frazjafri@aol.com

نمائندہ UAE ۔ عمیر علی جعفری

E-Mail : sogrehil@emirates.net.ae

نمائندہ لندن ۔ شبانہ آصف خان

آرٹسٹ : جنید انصار

خط وکتابت کا پتہ

کرن ڈائجسٹ



مستقل سلسلے



گوشہ [illegible] صالحہ محمود ۶

انٹرویو

سلسلے وار ناول



ناولٹ

افسانے

www.facebook.com/rida.digest

ستمبر 2016ء

جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 9

قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ [illegible]

720 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک ۔2۔ پی۔ای۔سی۔ایچ۔ سوسائٹی، کراچی

صالحہ محمود

ردائے سنت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:
اللہ تعالیٰ کے لیے ہی نماز ادا کرو اور قربانی کرو۔

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے کچھ اس طرح فرمایا: آپ کہہ دیجیے یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت اور جینا مرنا یہ سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔

تیسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا: اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دے رکھے ہیں، سمجھ لو کہ تم سب کا معبود والہ برحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔

سورہ کوثر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجیے۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کا حکم بڑے واضح انداز میں دیا۔ ہجرت کے بعد دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا اور ہر سال قربانی فرماتے رہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا تو سو اونٹوں کی قربانی کی جن میں سے ترسٹھ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے نحر فرمائے باقی اونٹوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ (صحیح مسلم)

قربانی ایک اہم مالی عبادت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ قربانی کی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قربانی کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہیں قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن جانوروں کے بدن پر اون ہے تو اس اون کا کیا حکم ہے، اس پر بھی کچھ ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اون کے ہر بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے (سنن ابن ماجہ) غور کیجیے اس سے بڑھ کر اور کیا ثواب ہوگا کہ ایک قربانی کرنے سے ہزاروں لاکھوں نیکیاں مل جائیں، بھیڑ اور دنبے کے بدن پر لاتعداد بال ہوتے ہیں اگر کوئی صبح سے شام تک گننا چاہے تو بھی نہیں گن سکے گا۔ صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قربانی کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے ہر بال کے عوض میں ایک نیکی ہے۔



قارئین! اگست کے شمارے کی جس طرح آپ لوگوں نے پذیرائی کی الحمدللہ! مزید ہمت توانا اور رفتار تیز ہو گئی۔ خاص طور پر آپ لوگوں نے 14 اگست کو جس طرح سے مجھے مبارک باد دی وہ قابل ستائش ہے۔فون کالز کرنے والوں کے نام یوں تو بے شمار ہیں مگر پہلی کال شاہ کنول اللہ دتہ کی صبح صبح جب آئی تو ایک خوشی اور مسرت کے ساتھ میں جاگ گئی۔آپ سب کا بے حد شکریہ کہ آپ نے مجھے 14 اگست کو یاد رکھا۔

ابھی خوشیوں اور محبتوں بھرا 14 اگست گزرا تھا کہ ستمبر یوم دفاع آن پہنچا۔یوم دفاع کو اگر یوم تشکر کہا جائے تو کچھ بے جا نہیں۔ ہر قوم اپنی تاریخی روایت کی روشنی میں اپنے ایک دن کا تعین کرتی ہے۔ یہ ہمارے لیے قابل فخر یوم دفاع 6 ستمبر ہے۔ جب بھارت کا خواب چور چور ہو گیا اور ہمارے فوجیوں نے ان کے ٹینک اور توپیں اتنی خاموش کیں کہ دنیا کی تاریخ میں ٹینکوں کی پہلی جنگ پاکستان نے فتح کی اور بھارت منہ چھپا کر بھاگ گیا۔

اور اب ایک اور مذہبی تہوار عید قربان تہذیبی، تاریخی، مذہبی روایت کی روشنی میں آن پہنچا۔ یہ ایک عظیم قربانی کا دن ہے جس میں ہمارے پیغمبر حضرت ابراہیمؑ نے ایک بے مثال قربانی کی مثال پیش کی اور آج بہ حیثیت قوم ہمیں اپنے تمام اختلافات بھلا کر ایسے ہی جذبے کی ضرورت ہے ہم آپس میں تمام جھگڑے تعصب اور نفرتوں کو بھول جائیں اور متحد رہیں تاکہ دشمن کے مذموم ارادوں کو ناکام بنایا جا سکے۔

سو اب ہم چلتے ہیں ردا کی جانب کہ ستمبر کا شمارہ بہت خاص نمبر ہے۔اس میں وہ افسانے بھی شامل ہیں جو عید پر شامل نہ ہو سکے تھے سو اس بار شامل اشاعت ہیں۔قارئین! اشازیہ مصطفیٰ کے ناول کی اس بار بھی قسط شامل نہیں ہے ان کی طبیعت ناساز ہے۔اگلے ماہ وہ شامل اشاعت ہوں گی۔

لیکن ایک بہت بڑی خوش خبری ہے کہ اس بار آپ لوگ قمر دش کا سلسلے وار ناول پڑھ سکیں گے۔ یہ ہمارے ادارے کی بہت پیاری مصنفہ ہیں ان کا ساتھ ردا کے ابتدائی دنوں سے رہا ہے۔ان کا ''تیرے پیار کی خوشبو'' قارئین میں بے حد مقبول ہوا ہے اور وہ بہت جلد کتابی شکل میں آجائے گا۔پہلی قسط پڑھیے اور سندیسہ ضرور لکھیے نہ صرف میرے لیے بلکہ یہ ایک مصنفہ کے لیے بھی بہت اہم ہوتا ہے۔

نئے لکھنے والے ردا کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں۔

آپی



ملاقات

زاہد احمد

علشبہ نور

چینلز کی بھر مار میں اپنی الگ شناخت بنانا اب اتنا آسان نہیں رہا۔ پہلے ایک چینل ہوتا تھا اور پرائم ٹائم کے ڈرامے کے لیے لوگ کریزی ہوتے تھے ایسے میں شناخت اور پہچان راتوں رات کچھ لوگوں کا مقدر بن جاتی تھی۔ اب الیکٹرانک میڈیا کی ترقی چینلز کی بھر مار میں آرٹسٹ کے لیے اپنی شناخت بنانا اتنا آسان نہیں رہا مگر کچھ اداکار ایسے ہوتے ہیں جو کم وقت میں اپنا نام اور مقام بنا لیتے ہیں ایسے ہی ایک باصلاحیت اداکار سے آج میں آپ کی ملاقات کروا رہی ہوں۔

❀ ریئل نیم؟

☆ زاہد افتخار احمد۔

❀ تاریخ پیدائش؟

☆ 20 ستمبر 1984ء، راولپنڈی۔

❀ نک نیم؟

☆ جانی فیملی نک نیم ہے زاہد سے جانی، جانی ہوتا چلا گیا۔

❀ کھانے کا شوق ہے؟

☆ جی بہت زیادہ اور خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر گوشت چڑھتا نہیں، جتنا مرضی کھالوں۔

❀ میری فیملی؟

☆ جی میری فیملی میں میری وائف اور میرا بیٹا زادیار احمد شامل ہے۔

❀ مادری زبان؟

☆ میری مادری زبان پنجابی ہے اور ویسے مجھے انگلش اور اردو پر بھی مکمل عبور حاصل ہے۔

❀ آپ کو اداکاری کا شوق کیسے ہوا؟

☆ دیکھیں جی مجھے تو لگتا ہے کہ ہر انسان اپنے

حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ قربانی بہت بڑا عمل ہے اور قربانی کے ایام میں اللہ تعالیٰ کو قربانی کرنے سے زیادہ کوئی عمل پسند نہیں ہے۔

قربانی کرتے وقت خون کا جو پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے تو گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہو جاتا ہے۔ قربانی واجب ہوتے ہوئے اور مالی وسعت ہوتے ہوئے قربانی کا نہ کرنا بہت بڑی بدنصیبی اور نیکی سے محرومی کا اور جان کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہے۔ قربانی کی فضیلت میں اور بہت سی روایات آئی ہیں، ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے جانور کے کھر، بال اور سینگ قیامت کے دن نامہ اعمال میں نیکیوں میں شامل ہوں گے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ احادیث میں یہ بھی ہے کہ قربانی کا جانور قیامت کے دن سواری کے لیے لایا جائے گا، اور یہ پل صراط کی سواری ہوگی۔

دیگر عبادت کا عمل کرنے کے بعد ثواب ملتا ہے اور قربانی کا ثواب ابھی عمل بھی پورا نہیں ہوتا، بلکہ ادھر عمل شروع ہوا کہ ادھر ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور ہر بال کے بدلے نیکی ہے کہ دنبے یا بھیڑ کے جسم پر جتنی بالوں کی شکل میں اون ہوتی ہے، ہر بال کے حساب سے ثواب ملتا ہے۔

جس طرح قربانی دینے والے کو زیادہ ثواب ملتا ہے اس طرح اگر کوئی صاحب نصاب ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو اس کا گناہ ہوتا ہے کیونکہ قربانی واجب ہے اور ترک واجب گناہ کبیرہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو سخت وعید سنائی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے پاس قربانی کرنے کی گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔ حدیث شریف میں قربانی نہ کرنے والوں کیلئے یہ بہت بڑی وعید ہے کیونکہ عیدگاہ کو عید کی نماز پڑھنے کیلئے مسلمان جاتے ہیں اور جو مسلمان نہیں وہ عیدگاہ سے دور رہتے ہیں، یہ بہت سخت وعید ہے کہ مسلمان ہو اور گنجائش بھی ہو اور قربانی نہ دے، یہ نہایت بدبختی ہے جس طرح عید کی نماز ہر مسلمان مرد عاقل و بالغ پر واجب ہے اسی طرح ہر صاحب نصاب مسلمان مرد و عورت پر قربانی واجب ہے۔

صحیح بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سیاہ و سفید مینڈھوں کی قربانی دی انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور (ذبح کرتے ہوئے) بسم اللہ اللہ اکبر کہا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف میں دس برس قیام کیا اور ہر برس قربانی کیا کرتے تھے۔

جس نے بھی نماز (عید) کے بعد (قربانی کا جانور) ذبح کیا تو اس کی قربانی ہوگئی، اور اس نے مسلمانوں کی سنت پر عمل کر لیا۔

(صحیح بخاری حدیث)

جو شخص قربانی کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اس کے لیے قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے، لہٰذا انسان اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جانب سے قربانی کرے۔

......☆......

بارے میں بہتر جانتا ہے کہ وہ کون سا کام زیادہ بہتر کر سکتا ہے مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ میں اداکاری کے لیے بنا ہوں مگر کیونکہ ہماری فیملی میں ایکٹنگ سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں تھی تو والد صاحب کا کہنا تھا کہ پہلے اپنی تعلیم کمپلیٹ کرو اور ہم ٹھہرے فرمانبردار قسم تو پہلے اپنی تعلیم مکمل کی اور پھر اس طرف آئے۔

☆ آپ نے تھیٹر بھی کیا ہے؟

☆ جی ہاں! میں نے تھیٹر بھی کیا اور تھیٹر میرے خون میں شامل ہے کہ وہاں پبلک کا فوراً رسپانس پتا چل جاتا ہے تو آئی لو ٹو ورک آن تھیٹر۔

☆ آپ کو جب قائداعظم کے کردار کو پرفارم کرنے کا موقع ملا تو کیا فیلنگز تھیں؟

☆ مجھے جب قائداعظم کے کردار کی آفر ہوئی تو میں بہت خوش ہوا کہ یہ میرے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات تھی اور میں آپ کو بتاؤں کہ قائد کے کردار کو پرفارم کرنے کے لیے میں نے اپنا ویٹ 22 کلوگرام کیا تھا وہ بھی دو مہینے کے اندر تا کہ میری شخصیت میں قائد کی جھلک بھرپور واضح ہو۔

☆ آپ نے اب تک مختلف نوعیت کے کردار کیے اس کی کوئی خاص وجہ؟

☆ میں اپنے آپ کو صرف مخصوص کرداروں تک محدود نہیں کرنا چاہتا میں خود کو ورسٹائل اداکار کہلوانا چاہتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے جس کردار میں بھی پرفارمنس کا موقع ملتا ہے میں وہ کردار ادا کرتا ہوں پھر وہ ہیرو کا ہو ولن کا یا ینگ ٹو اولڈ۔ میں اپنے آپ کو کسی ایک کردار تک نہیں رکھنا چاہتا۔

☆ فلم میں کام کا ارادہ؟

☆ ارادہ تو بالکل ہے بس دیکھیں جب خدا کو منظور ہوا کوئی اچھا پروجیکٹ ملا تو ضرور کروں گا۔

☆ اس فیلڈ میں آکر پچھتاوا ہوا؟

☆ بالکل نہیں انفیکٹ میں تو بہت انجوائے کر رہا ہوں اپنے کام کو۔

☆ تقدیر پر یقین رکھتے ہیں یا تدبیر پر؟

☆ دونوں پر یقین رکھتا ہوں۔

☆ تہوار اہتمام سے مناتے ہیں؟

☆ تہوار بس گھر والوں کے ساتھ وقت گزار کر مناتا ہوں اور میرے خیال سے سبھی مرد حضرات میری طرح عید کی نماز پڑھ کر فیملی اور رشتے داروں وغیرہ سے ملتے ہوں گے اہتمام تو خواتین کرتی ہیں (ہنستے ہوئے)۔

☆ فیس بک سے دلچسپی؟

☆ بالکل ہے اور رکھنی بھی پڑتی ہے۔

☆ کیا جمع کرنے کا شوق ہے؟

☆ آپ کو سن کر شاید ہنسی آئے مگر مجھے کھلونے جمع کرنے کا شوق ہے وجہ اس کی بہت سادہ سی ہے کہ اپنے بچپن میں جن کھلونوں کو حسرت سے دیکھا کرتا تھا کہ مہنگے ہونے کی وجہ سے پہنچ سے دور تھے تب آج جب خریدنے کی استطاعت رکھتا ہوں تو میرے اندر کا وہ چھوٹا سا بچہ مچل جاتا ہے۔ ان کھلونوں کو دیکھ کر تو بس مجھے کریز ہے کھلونے جمع کرنے کا۔

☆ تھکن کے وقت کیا چیز سکون دیتی ہے؟

☆ چائے کا ایک کپ۔

☆ اچانک لائٹ چلی جائے تو آپ کا ردعمل؟

☆ ہنستے ہوئے [illegible]

☆ کھانا ٹیبل پر کھانا پسند ہے یا چٹائی پر؟

☆ ٹیبل پر۔

☆ اپنی کوئی اچھی عادت؟

☆ میں ہر ایک سے خلوص اور محبت سے ملتا ہوں۔

☆ چاند کو دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟

☆ میں کیونکہ کام کی وجہ سے کراچی ہوتا ہوں اور میری فیملی اسلام آباد میں تو اکثر چاند میں مجھے اپنی وائف اور اپنے بیٹے کا عکس نظر آتا ہے (ہنستے ہوئے)۔

☆ آپ مزاج کے کیسے ہیں؟

☆ مجھے غصہ بالکل نہیں آتا میں بہت دھیمے مزاج کا کول سا بندہ ہوں۔

☆ ردا کے قارئین کے لیے کوئی پیغام؟

☆ خوش رہیے اور دوسروں کو خوش رکھیے۔ ☆☆

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

بھرا اور ڈھیر سے ڈھیر ے پکار رہی تھیں۔

''غنویٰ......غنویٰ......کیا ہوا میری جان اٹھو آنکھیں کھولو''۔ غنویٰ نے اتنی سختی سے آنکھیں میچی ہوئی تھیں جیسے اب اگر کھلیں تو شاید قبر کا گہرا سناٹا گھمبیر خاموشی میں ہی کھلیں گی۔

''خدا کے لیے چندا آنکھیں کھولو''۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے چہرے سے پسینے کو اپنے دوپٹے سے خشک کر رہی تھیں۔ غنویٰ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بادلوں میں ہو اور کوئی اپنی نرم گرم آغوش میں لیے اسے ہولے ہولے تھپکی دے رہا ہو' مگر ان سب کے ساتھ اس نے ایک اور چیز بہت شدت سے محسوس کی تھی کہ بہت دور سے کہیں سے کوئی دیو ہیکل جیسا پرندہ اڑتا ہوا آتا ہے اور اس پر جھپٹ پڑتا ہے اور وہ بے بس ہو کر رہ جاتی ہے کچھ نہیں کر پاتی' صرف ایک ہی نام ایک ہی چیخ کی بار بار گردان ہوتی ہے۔

قسط نمبر 1



قمروش شہک

سلسلے وار ناول

صحراؤں کی کیکروں میں عشق

اس کی دل سوز چیختی ہوئی آواز پر سبرینہ اپنے بیڈروم سے بھاگی بھاگی آئی تھی وہ اپنا سر تکیہ پر بری طرح پٹخ رہی تھی سبرینہ اس کے بالکل پاس آکر بیٹھ گئی تھیں اور اس کا پسینے میں شرابور چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں



درد ہوجائے گا اور پھر یونہی بڑھتا جاتا ہے۔" سبرینہ نے اسے لٹاتے کمبل ان پر ڈال دیا تھا۔

"ساری سوچوں کو بھلا کر سکون کی نیند سو جائیں بس یہ سوچیں کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔" سبرینہ نے اس کی پیشانی پر شفقت بھرا بوسہ لیا تھا اور ہاتھ کی ہتھیلی سے اس کی پیشانی سہلائی۔ غنویٰ نے ایک گہرا سانس لیا تھا' مگر کچھ بولا نہیں بس آنکھیں موند لیں۔ سبرینہ کو جب تسلی ہوگئی کہ وہ سوگئی ہے تو وہ وہاں سے اٹھ گئیں' لائٹ آف کرکے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں' سبرینہ کے جانے کے بعد غنویٰ نے آنکھیں کھول لیں اور سائیڈ ٹیبل کا لیمپ آن کرکے گھٹنوں کے بل اس میں چہرہ چھپا کے بیٹھ گئی تھی۔ وہ خون آشام حادثہ روح نراں منظر بھلا اس کے ذہن کی اسکرین سے کیسے مٹ سکتا تھا' وہ اس وقت بھلے ہی آٹھ سال کی بچی تھی مگر آج بھی ایک ایک پل اس کے دل و دماغ میں زندہ تھا' جیسے وہ مرنے کے بعد بھی چاہے تو نہیں بھول سکتی' جو کچھ اس کے ساتھ ہوا اس کو بھول پانا اتنا آسان نہیں تھا۔

سبرینہ بیڈ روم میں داخل ہوئیں تو جو ہر روز دیکھتی تھیں آج بھی وہی دیکھ رہی تھیں' خاقان ترمذی چہرے پر پریشانی غم بے بسی لئے ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے سبرینہ ہارے ہوئے قدموں سی بیڈ تک آ گئیں۔

"سوگئی ہیں غنویٰ.....؟" ہر روز کا سوال پھر دہرایا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے وہ اتنی آسانی سے سو جائیں گی یا میرے کہنے بہلانے پر ساری کڑوی سوچوں کو بھول کر مجھے مطمئن کردیں گی' نہیں خاقان میں غنویٰ کی ماں ہوں اور میں جانتی ہوں وہ اس وقت کیا کررہی ہوں گی۔" ان کی آنکھوں سے چند موتی ٹوٹ کر خود کی بے بسی کا ماتم کرنا تھے خاقان نے چپ چاپ خاموشی سے سبرینہ کے بہتے بے بسی کے آنسو دیکھے تھے' کیا کرتے وہ کیسے انہیں مطمئن کرتے تسلی دیتے ایسے الفاظ بھی تو ہونے چاہئیں نا وہ تو خود ایک ہارے ہوئے باپ تھے' زندگی کی ہر شاہراہ پر کامیاب بزنس مین کامیاب انسان یہاں گھر میں ایک ہارا ہوا باپ تھا' اتنی دولت ہونے کے باوجود وہ اتنے مجبور تھے کہ اپنی آنکھ کے نور غنویٰ کے لیے سکون نہیں خرید سکتے تھے' وہ چلتے ہوئے سبرینہ کے پاس آ بیٹھے تھے۔

"سبرینہ......" سبرینہ نے بھیگی پلکیں اوپر اٹھائیں اور پھر بس اپنا سارا رہا سہا اعتماد کھو بیٹھیں خاقان ترمذی کے بازو پر سر رکھے بلک اٹھیں۔

"خاقان! میری ہمت ٹوٹ گئی ہے غنویٰ کا ذہن آج بھی آٹھ سال کی بچی کی طرف چلا جاتا ہے وہ اپنا بچپن نہیں بھول پارہی میری لاکھ کوششوں میری محنت کے باوجود کوئی حاصل وصول نہیں ہے وہ سانحہ وہ حادثہ نہیں بھول پارہی وہ قیامت نہیں بھول پارہی جو اس پر ٹوٹی ہے۔"

"ٹھیک ہوجائے گا سب انشاءاللہ' فکر مت کرو۔" خاقان ترمذی نے ان کا سر سہلایا۔

"اور آپ تو بہت ہمت والی ہیں پھر میری ہمت کیوں توڑ رہی ہیں۔"

"کیونکہ غنویٰ کو مزید بکھرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی میں میری اتنی پیاری معصوم سی بیٹی کے ساتھ کیوں ہو رہا ہے یہ سب۔"

"میں سوچ رہا تھا ہم اگر غنویٰ بیٹی کی شادی کردیں تو......"

"غنویٰ نہیں مانے گی وہ ابھی پڑھ رہی ہے۔" سبرینہ نے سر تھام لیا تھا اور اپنا بھیگا چہرہ خشک کیا تھا۔

"یہ کوئی ایشو نہیں ہے پڑھائی شادی کے بعد بھی مکمل کی جاسکتی ہے' آپ بتارہی تھیں کوئی رشتہ آیا ہوا ہے غنویٰ کے لیے کیسا ہے لڑکا؟"

''مما...... مما...... بچاؤ''۔

''غنوئی! میں آ گئی ہوں آپ کے پاس آپ آنکھیں کھولو کچھ نہیں ہوگا آپ کو''۔ اور پھر غنوئی نے دھیرے دھیرے آنکھیں وا کرنا شروع کیں، سامنے ہی نظروں کے اس کی ماں کا ملائم شفقت سے بھرپور چہرہ تھا' وہ تیزی سے اٹھی اور ان سے اس طرح گلے لگی جیسے آج بھی وہ وہی آٹھ سال کی بچی ہو اور وہ رات پیکے اس پہر وہی آٹھ سال کی بچی ہی تو تھی جسے ہر روز سبرینہ سنبھال لیتی تھیں' آج وہ تئیس چوبیس سال کی ہوگئی تھی مگر ہر رات اس کا دماغ اسی آٹھ سال کی بچی کا ذہن ہوتا تھا' بعض اوقات تو سبرینہ بہت تھکنے لگتی تھیں ذہنی طور پر مگر کیا کریں سامنے ان کی اکلوتی لخت جگر ان کی چہیتی بیٹی غنوئی تھی جس کے لئے اپنی ذہنی و جسمانی تھکن کو بھلا کر اسے سنبھالنا پڑتا تھا۔

''بس کرو غنوئی! مت روا تنا میں ہوں نا تمہارے پاس''۔ وہ اس کے بالوں کو سہلا رہی تھیں' تو کبھی اس کی پشت۔

''مما! میں تھک چکی ہوں اس ڈر سے خوف آتا ہے کہ جو کچھ ہوا اس کا سامنا پھر کبھی نہ ہو''۔ وہ تڑپ رہی تھی بلک بلک کر رو رہی تھی۔

''اللہ نہ کرے میری جان! ایسا نہیں سوچتے اور آپ تو میری بہت بہادر بیٹی ہو''۔ سبرینہ نے اسے خود سے الگ کر کے اس کے بھیگے معصوم سے چہرے کو دیکھا تھا۔

''بولو ہو ناں میری بہادر بیٹی''۔

''پتہ نہیں مما مگر......''

''اگر مگر کچھ نہیں بس اب آپ آگے کوئی بھی تکلیف دہ سوچوں کو نہیں سوچیں گی جس سے آپ کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی دکھ پہنچے''۔

''میں سوچوں پر تالا نہیں ڈال سکتی مما!'' غنوئی کی آنکھیں ایک بار پھر بھیگنے لگی تھیں۔

''اس طرح زندگی نہیں جی جاتی آپ جانتی ہیں نا آپ کے ڈیڈو کتنے پریشان ہیں اگر میں یہاں آپ کے پاس پریشان ہوں تو وہ وہاں کمرے میں بے چین ہیں اس دکھ کو اس تکلیف کو کسی کڑوے زہر کے گھونٹ کی طرح پی جائیں' کسی بھیانک خواب کی طرح بھول جائیں اپنی زندگی سے ان سیاہ اوراق کو پھاڑ پھینکیں اور یہ سب آپ کو کرنا ہے ہمارے لئے اپنے خود کے لئے' بولیں مانیں گی نا آپ میری بات''۔

''بہت مشکل ہے مما!'' غنوئی نے تڑپ کر سبرینہ کا ہاتھ تھاما تھا۔

''ہر کام بھلے ہی مشکل ہو مگر کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا' صاف کریں یہ آنسو''۔ انہوں نے ایک بار پھر غنوئی کا بھیگا چہرہ خشک کیا تھا۔

''آئی لو یو مما!'' غنوئی بے بسی سے سبرینہ کے گلے لگی تھی۔

''لو یو ٹو مائی چائلڈ اب رات بہت ہوگئی ہے سو جائیں''۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی ہے''۔

''پھر کیا کریں گی جاگتی رہیں گی اور سوچ سوچ کر رو رو کر خود کو ہلکان کرتی رہیں گی''۔

''نہیں میں کچھ پڑھ لوں گی''۔ کافی حد تک وہ نارمل ہوگئی تھی۔

''رات کے تین بج رہے ہیں کوئی ضرورت نہیں ہے کچھ پڑھنے کی سکون سے سو جائیں' ورنہ پھر صبح سر میں

ماری کہ ہزار چھوہڑا ابن دنیا ہے گئے ہوں گے جب اللہ نے اس کو دنیا میں بھیجا" بلقیس آراء پھر سے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگی تھیں۔

"کیا فائدہ اماں! ان سب باتوں کا سوائے خود کو اور مجھے تکلیف دیتی ہیں" ۔ اجیارہ حسن کا دل بھر آیا تھا' وہ سب دیکھ رہی تھی جانتی تھی مگر کیا کرتی مجبور تھی بے بس تھی۔

"بس جلدی سے تیری شادی ہو جائے مجھے سکون ملے بہت بڑی غلطی کر دی میں نے شہیر سے پہلے مجھے تیری شادی کرنی چاہیے تھی کم از کم تو ان لوگوں کی غلامی تو نہیں کرتی' جنہوں نے تجھے اپنا نوکر بنایا ہوا ہے خود تو آرام سے مہارانی صاحبہ بستر توڑتی نہیں تھکتی تھیں اور تجھ پر حکم تو ایسے چلاتی ہیں جیسے اماں باوا نے ہزاروں کی فیکٹریاں ہمارے نام کر دی ہیں" ۔ اجیارہ حسن کی ہنسی نکل گئی بلقیس آراء کے انداز پر۔

"اماں! تم بھی نا لاؤ مجھے دو یہ لوکی میں چھیل دوں" ۔ اس نے بلقیس آراء کے ہاتھ سے چھری اور لوکی لے لی تھی اور اسٹیل کا تسلہ اپنے آگے کر لیا اور ابھی وہ چھیلنے ہی لگی تھی کہ شہیر حسن کے بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور اندر سے دعا باہر آئی' اس نے سامنے اجیارہ حسن کو دیکھا۔

"اجیارہ! ناشتہ تیار کر دیا میرا آج تو تمہارے بھایا بھی گھر میں ہیں کچھ اسپیشل ہی ہونا چاہیے" ۔

"جی دعا بھابی! سب تیار ہے آپ اور شہیر بھایا ٹیبل پر آ جائیں میں ناشتہ لگا دیتی ہوں" ۔

"یہ تمہارا ٹائم ہے اٹھنے کا اور یہ اس وقت صبح ناشتے کا نہیں دوپہر کھانے کا ٹائم ہے" ۔ بلقیس نے طنزیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ اصل میں اماں رات میں اور شہیر انگلش مووی دیکھ رہے تھے تو رات تین بجے تک نیند آئی" ۔ اس نے بھی ڈھٹائی میں جھنڈے گاڑتے ہوئے تھے۔

"اماں باوا نے بہت اچھی سکھ دی ہے جو بڑی بے شرمی و بے حیائی سے مجھے اپنی رات کی کہانی سنا رہی ہو" ۔ بلقیس آراء تو آگ بگولا ہو گئیں اجیارہ حسن کے اشاروں کو بھی نہیں سمجھ رہی تھیں بلکہ یوں کہنا زیادہ آسان ہو گا کہ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھیں اور اس سے پہلے کہ یہ بحث طول پکڑے وہ فوراً بولی اور چھری چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"دیکھیے اماں! آپ مجھ تک ہی بات کریں میرے ماں باپ کو بیچ میں مت گھسیٹا کریں" ۔

"دعا بھابی! آپ شہیر بھایا کو اٹھائیں میں ناشتہ ٹیبل پر لگاتی ہوں" ۔

"بیٹھی رہو تم بلکہ یوں کیوں نہیں کرتی ہو کہ اپنے ہاتھ سے کھلا بھی دو ان دونوں کو" ۔ بلقیس آراء کو اجیارہ کی یہ خدمت گزاری ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔

"ہاں ہاں بیٹھو تم......" دعا تو صحیح معنوں میں بھنا کے رہ گئی تھی۔

"آرام کرو تم اگر ناشتہ نہیں دو گی تو ہم کوئی مر نہیں جائیں گے" ۔

"اللہ نہ کرے دعا بھابی! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ" ۔ اجیارہ حسن جھٹ سے بولی تھی۔

"کیا بات ہے کیسا شور ہے یہ اور دعا تم تو ناشتہ لینے آئی تھیں" ۔ شہیر حسن نے پہلے بلقیس آراء کو دیکھا پھر دعا کو اور سمجھ گیا کہ کچھ ہوا ضرور ہے یقیناً اماں نے کچھ ایسا کہہ دیا ہے کہ دعا بگڑ رہی ہے اس کے تیور سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ بہت غصے میں ہے۔

"ناشتہ ہی لینے آئی تھی ذرا سا اجیارہ سے کیا کہہ دیا اماں نے تو سو سو باتیں سنانا شروع کر دیں' یہاں تک

”اجراڑ میں رہتا ہے لڑکا رافع نام ہے وہاں اپنی کمپیوٹر لیپ ٹاپ کی اپنی شاپ ہے“۔

”کام تو برا نہیں ہے اور سب سے بڑی اور اچھی بات کہ اپنی شاپ ہے“۔

”عمر کیا ہے......؟“

”تیس سال“۔

”اور دکھنے میں“۔

”اچھا ہے قابل صورت ہے مگر خاقان! ان سب کے باوجود غنویٰ نہیں مانیں گی“۔

”آپ مجھے پہلے یہ بتایئے آپ کو کیسا لگا یہ رشتہ؟“ خاقان نے سوالیہ نظروں سے سبرینہ کو دیکھا۔

”برائی تو کہیں نہیں ہے مگر مسئلہ پھر غنویٰ کا آجاتا ہے“۔

”سبرینہ! اگر ہمیں غنویٰ کو بچپنے کے خول سے باہر نکالنا ہے تو شادی کے علاوہ اور کوئی حل نہیں ہے اس کا ہم چاہیں کسی بھی ماہر ڈاکٹرز سے گفتگو کر لیں کتنی ہی میڈیسن کھلا دیں مگر کوئی حل نہیں سوائے غنویٰ کی شادی کے“۔ انہوں نے سبرینہ کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا‘ وہ خاموشی سے خاقان ترمذی کو دیکھنے لگی تھیں۔

”کیا ہوا چپ کیوں ہو گئیں“۔

”میں سوچ رہی تھی آپ غلط نہیں کہہ رہے ہمیں اس بارے میں بھی سوچنا چاہیے کیا پتہ غنویٰ کو ان کی ازدواجی زندگی بدل دے ان کی سوچوں کو نیا رخ دے“۔

”تو ٹھیک ہے آپ کل ہی لڑکے والوں کو بلائیں“۔

”خاقان! کیا یہ اچھا نہیں ہم پہلے غنویٰ کو راضی کر لیں“۔

”وہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں فی الحال ہم بات ٹھہرا دیں گے میں غنویٰ کو کل اپنے ساتھ ڈنر پر لے جاؤں گا پھر ہم دونوں وہاں بات کرتے ہیں ان سے“۔ خاقان ترمذی کل کی پلاننگ کرنے لگے تھے۔

”اوکے“۔ سبرینہ کے دل کو بھی کچھ سکون سا میسر آیا تھا۔

☆☆☆☆

”دیکھ رہی ہو بارہ بج گئے ہیں مگر مہارانی ہیں کہ ابھی تک اٹھی نہیں ہیں“۔ بلقیس آراء تخت پر بیٹھیں لوکی چھیل رہی تھیں اور اجیارہ حسن ابھی ابھی دوپہر کی روٹیاں بنا کر تخت پر آ کر بیٹھی تھی آج گرمی بھی سوا نیزے پر تھی سورج بالکل آسمان کے بیچوں بیچ آگ اگل رہا تھا اور ابھی تو سارا دن باقی تھا‘ وہ اپنا گلا صاف کرنے لگی جو پسینے سے شرابور ہو رہا تھا‘ گلابی چہرہ مزید سرخ ہو گیا تھا‘ بلقیس آراء کی آواز پر اس نے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کیا اور ان کو دیکھنے کے بعد ڈری ڈری نظر شہیر حسن کے بیڈروم کے بند دروازے پر ڈالی تھی‘ اور پھر بلقیس آراء کو دیکھا۔

”اماں! مت بولو ابھی اگر وعا بھابھی نے سن لیا نا تو ایک ہنگامہ گھر میں کھڑا ہو جائے گا‘ اور آج تو شہیر بھایا بھی گھر میں ہیں بلاوجہ گھر میں ایک ہنگامہ ہو جائے گا آپ جانتی ہیں نا دعا بھابی کو پھر کیوں سوچتی ہیں“۔ وہ بلقیس آراء کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی اور چاہ رہی تھی کہ آج کوئی بات نہ ہو ایسے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

”ارے سوچوں گی نہیں کیا اس شہیر کو نو ماہ اپنی کوکھ میں رکھا اپنا خون پسینہ ایک کر کے اسے پڑھایا لکھایا اسے اس قابل بنایا کہ اچھی نوکری ملے اس کی شادی کی اور مجھے بدلے میں کیا ملا شادی کے بعد ایسا بیوی کو پیارا ہوا کہ آج بیوی کی پڑھائی میں میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھے غلط اور اپنی بیوی کو صحیح کہتا ہے اور بیوی بھی ایسی کمبخت

”نہیں اماں! بس نہیں کریں گی جانے ان کو کیا خوشی ملتی ہے دعا سے الجھ کر۔“

”شہیر بھایا! پلیز آپ بھی تھوڑا سا برداشت کرلیں اور اندر جائیں دعا بھابی کو دیکھیں میں آپ دونوں کا ناشتہ وہیں لے آتی ہوں“۔شہیر حسن نے ایک مایوس سی نظر بلقیس آراء پر ڈالی پھر ایک گہرا سانس لیتا ہوا اندر کی سمت بڑھ گیا۔

”تم نہیں جاؤ گی اندر ان دونوں کا ناشتہ لے کر ان کی نوکر نہیں ہو آئے وہ مہارانی اور لے کر جائے اپنا اور اپنے میاں کا ناشتہ لے کر“۔بلقیس آراء نے اجیارہ کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹکتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

”اماں! خواہ مخواہ کیوں ضد کرتی ہو چھوڑو نا“۔

”کیوں چھوڑ دوں دیکھا نہیں تم نے تمہاری شادی کا ذکر کرتی ہوں تو وہ کیسے خاموش ہو جاتا ہے جیسے وہ اور اس کی بیوی چاہتی ہی نہیں کہ تمہاری شادی ہو“۔

”کسی کے چاہنے نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جب وقت آئے گا تو شادی بھی ہو جائے گی مگر فی الحال اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ دعا بھابی کو کچھ مت کہا کریں بلاوجہ وہ آپ پر غصہ کرتی ہیں آپ سے بدتمیزی سے بات کرتی ہیں مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا“۔

”مجھے پتہ ہے وہ کیا چاہتی ہے وہ چاہتی ہے کہ شہیر کو لے کر اس گھر سے ہمیں چھوڑ کر چلی جائے جیسے یہاں ہل جوتنے پڑتے ہیں اسے کسی ایک کام کی نہیں ہے پھوہڑ کام چور“۔بلقیس آراء کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا تھا۔

”اچھا اماں! چپ ہو جائیں اگر دعا بھابی نے سن لیا تو پھر سے ایک نیا فسانہ لے کر بیٹھ جائیں گی ہوگا کچھ نہیں صرف اس کے کہ باہر آوازیں جائیں گی محلے والے باتیں بنائیں گے اچھا لگتا ہے کہ ہمارے گھر کی باتوں کو باہر والے ڈسکس کریں“۔بلقیس آراء نے کچھ نہیں کہا بس خاموشی سے سامنے رکھی چھری اور لوکی کا باؤل اٹھا لیا‘ اجیارہ حسن نے بغور بلقیس آراء کو دیکھا تھا‘ بہت دکھ ہوا تھا اسے اپنی ماں کو دیکھ کر مگر وہ بھی بے بس و مجبور تھی کچھ نہیں کر سکتی تھی‘ مگر شہیر حسن سے بھی ایسی بدلنے کی امید نہیں تھی شادی کر کے ایسی آنکھیں پھیری تھیں جیسے وہ کوئی سوتیلی ماں ہوں اجیارہ حسن ایک سرد سانس لیتی ہوئی کھڑی ہو گئی کچن میں آ کر ٹرے میں دونوں کا ناشتہ رکھا۔

☆☆☆☆

”دھڑ......دھڑ......دھڑ......“طلسم ناز جو گاڑی کے اندر میوزک کے ساتھ چپس سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھی اتنی تیز آواز پر بری طرح ڈر کر رہ گئی چپس کا فل سائز کا شاپر ہاتھ سے گود میں گر گیا اس نے شیشے کے اس پار دیکھا دو تین خواجہ سرا کھڑے اسے دیکھ کر اپنی پوری بتیسی نکال کر دیکھ رہے تھے۔

”ہائے آئے میڈم! تو تو ڈر ہی گئی“۔ایک خواجہ سرا نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجا کر اس کا مذاق اڑایا تھا۔

”یو باسٹرڈ......“طلسم ناز نے اس خواجہ سرا کو نہایت گھور کر دیکھا تھا جیسے ابھی اسے ثابت سالم ہی کچا نگل جائے گی۔

”آ......ہائے......سحر بانو یہ تو تجھے انگریزی میں گالی دے رہی ہے“۔دوسرے خواجہ سرا نے سحر بانو کے شانے پر ہاتھ مار کر طلسم ناز کو گھورا تھا۔

کہ میرے ای ابو تک پہنچ گئیں"۔ اس نے رونا شروع کر دیا تھا' شہیر فوراً دعا تک آیا۔
"اماں! یہ کیا حرکت ہے آپ کو دعا سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی"۔ اس نے فوراً دعا کی حمایت لی تھی' بلقیس آراء تو سرتا پا سلگ کے رہ گئیں۔
"کچھ شرم کرلو اپنی ماں سے مخاطب ہو اب مجھے تم سے سیکھنی پڑے گی کہ مجھے کیا کہنا چاہیے اور کیا نہیں اس گھر میں صبح دیر تک نحوست پھیلائی جارہی ہے وہ صحیح ہے"۔ ان کا اشارہ صبح دیر سے اٹھنے پر تھا۔
"اماں! چپ ہو جائیں نا"۔ اجیارہ حسن کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے ہر رز کا یہ لڑائی جھگڑا وہ اکتا چکی تھی۔
"ہاں اجیارہ! سمجھاؤ اماں کو ہر روز دعا کو کچھ نہ کچھ بولتی ہی رہتی ہیں وہ بیچاری خاموشی سے برداشت کرتی ہے کچھ نہیں کہتی"۔
"ہاں تمہاری بیوی بیچاری اور میں جلاد ہوں جو تمہاری بیوی پر ظلم کے پہاڑ توڑتی ہوں اتنی ہی تو معصوم ہے تمہاری بیوی کہ میں کچھ کہوں اور وہ خاموشی سے سن لے"۔ بلقیس آراء نہایت تیز نظروں سے اسے گھور رہی تھیں۔
مگر دعا اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ شہیر حسن کے سامنے بلقیس آراء سے زبان درازی کرکے وہ اپنا امیج شہیر حسن کے سامنے اس کی نظروں میں گرانا نہیں چاہتی تھی بس خاموشی سے شہیر حسن کے پہلو میں کھڑی رونے کی ایکٹنگ کررہی تھی اور اس کے آنسو دیکھ کر شہیر حسن کا دل پگھلا چلا جارہا تھا۔
"اماں! میں اس وقت کچھ نہیں کہوں گا' چلو دعا تم کمرے میں آج میں باہر سے ہی حلوہ پوری کا ناشتہ لے آتا ہوں"۔
"کیوں بازار سے کیوں لاؤ گے ایک سال ہوگیا ہے شادی کو مگر آج تک میں نے نہیں دیکھا کہ اس نے تمہارے لیے ناشتہ بنایا ہو یا تو تم بازار سے لے آتے ہو یا پھر اجیارہ بنا دیتی ہے"۔ اماں بولنے سے باز نہیں آئیں' انہیں برا لگنے کے ساتھ تکلیف اور افسوس بھی ہوا تھا کہ شہیر حسن اپنی بیوی کو سمجھانے کے بجائے بلقیس آراء کو قصوروار ٹھہرا رہا تھا۔
"اگر آپ کو یہ تکلیف ہے کہ اجیارہ میرا اپنے میاں کا ناشتہ بناتی ہے تو اجیارہ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کہ خدا کے لیے آج کے بعد ہمارے لیے کوئی تکلیف کوئی زحمت مت کیا کرو"۔ دعا نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے اجیارہ حسن کو دیکھا اور پھر وہاں رکی نہیں منہ پر دوپٹہ رکھے بلکتی ہوئی اپنے بیڈروم میں بھاگ گئی تھی۔
"بس سکون مل گیا آپ کو یہی چاہتی تھیں نا کر دیا ناراض؟" شہیر حسن نے بلقیس آراء کو دیکھا۔
"شاباش ہے بیٹا! بہت خوب آفرین ہے ایسی اولاد پر"۔
"تو کیا چاہتی ہیں آپ میں بھی دعا پر غصہ کروں اگر وہ ناشتہ نہیں بناتی تو کیا ہوا اس میں اتنا ایشو بنانے والی کیا بات ہے' اجیارہ بھی تو ہے گھر میں وہ بنا تو لیتی ہے"۔
"اجیارہ کسی کی نوکر نہیں ہے مجھے بھی اجیارہ کی شادی کرنی ہے' وہ کب تک تمہاری اور تمہاری بیوی کی خدمت گزاری کرتی رہے گی"۔
"اماں! کیا ہوگیا ہے آپ کو بس بھی کریں پلیز"۔ اجیارہ حسن' بلقیس آراء کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی اور ان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

نظر اب سحر بانو پر پڑی تھی۔

''تم......'' ابراش عسکری نے سحر بانو کو غصے بھری نظروں سے دیکھا تھا اور اسے کل کی بات یاد آ گئی' کل وہ نائلہ زیدی کے ساتھ الحاج ریسٹورنٹ میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

''کل جوڑی کی تیرے ساتھ تھی اس کا دوپٹہ نہیں تھا آج جوڑی کی تیرے ساتھ ہے وہ شاٹ ٹاپ اور ٹائس میں ہے اب ایسا نہ ہو کل جوڑی کی ہو وہ بکنی میں ہو''۔ سحر بانو نے نجم گل کے ہاتھ پر تالی ماری اور ایک آنکھ دبا کر ابراش عسکری کو دیکھا۔

''یہ کیا بکواس کر رہی ہو''۔ ابراش عسکری جھنجھلانے کے ساتھ ترچھی نظروں سے طلسم ناز کو دیکھ کر رہ گیا آیا اس نے سن تو نہیں لیا۔

''ہم تو جو کہتے ہیں سچ ہی کہتے ہیں چاہے کسی کو اچھا لگے یا برا''۔ سحر بانو نے اپنا ریڈ پرس جھلاتے ہوئے کہا۔

''تم لوگوں سے باتیں کرنا ہی فضول ہے''۔ ابراش عسکری ان تینوں کو گھورتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا تھا۔

''ارے جا کہاں رہا ہے کچھ دیتا تو جا''۔ نجم گل اور شہزادی دونوں نے اپنا آنچل اس کے آگے پھیلا دیا تھا۔

''دے دے نا تیرے خزانے میں کون سا فرق پڑ جائے گا اتنا ان تتلیوں پر لٹاتا ہے کچھ ہمیں بھی دے دے''۔ سحر بانو نے بھی ہٹ کسی تھی۔

ابراش عسکری نے کولڈ ڈرنک اندر طلسم ناز کو تھمائی اور پھر اپنی جینز سے والٹ نکال کر پانچ سو کے دو نوٹ ان دونوں کی جھولی میں ڈال دیے تھے اور سحر بانو کو ایک نظر دیکھا ہوا ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی' اور گاڑی کو فل اسپیڈ میں وہاں سے بھگا لے گیا۔

''ایک ہزار روپے لگ گیا ہے چل کچھ اچھا سا کھاتے ہیں سحر بانو''۔

''ہاں اب تو بھوک بھی بہت زوروں کی لگی ہے''۔ سحر بانو نے اپنے ریڈ دوپٹے کا پلو سا بیڈ میں کیا تھا۔

''ابراش! کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو......'' طلسم ناز نے اپنا چپس کا پیکٹ گود سے اٹھا کر تیزی سے کھانا شروع کر دیا اور ساتھ کولڈ ڈرنک کے سپ بھی لینے لگی تھی۔

''ہاں ایک دو بار اسی طرح سرسری سی ملاقات ہوئی ہے یہ لوگ پیسے مانگتے ہیں تو کچھ پیسے میں دے دیتا ہوں انہیں' بس اس سے زیادہ نہیں''۔ ابراش عسکری نے بھی کولڈ ڈرنک کے سپ لیتے ہوئے طلسم ناز کے چپس کا پیکٹ میں سے دو تین چپس کھائے۔

یقیناً طلسم ناز نے سحر بانو اور ابراش عسکری کی گفتگو سنی نہیں تھی ورنہ وہ اس وقت اتنے آرام سے نہیں بیٹھی ہوتی ایک ہنگامہ برپا کر دیتی۔

''اچھا یہ بتاؤ ابھی ہم کہاں چل رہے ہیں؟''

''کلب جا رہے ہیں''۔ اس کی نظر ونڈ اسکرین پر ہی جمی ہوئی تھی۔

''او کے''۔ طلسم ناز نے اپنی کولڈ ڈرنک ختم کر کے خالی بوتل باہر کھڑکی سے ہوا میں لہرا دی تھی اور اپنا ٹچ موبائل نکال کے نیٹ آن کر لیا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے آج کل نیٹ پر ایک نئی ویڈیو آن ہوئی ہے''۔

"اوہ میڈم! انگریزی تو ہمیں بھی آتی ہے۔" سحر بانو نے اپنے سرخ دوپٹے کو کان کے پیچھے اڑس کر کمر پر لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ رکھا تھا۔

"یہ ابھی سن ABCDEF" سحر بانو نے اے ٹو زیڈ ایک ہی سانس میں اتنی روانی سے سنائی کہ اس کے ساتھ کھڑے دونوں ساتھی منہ پر ہاتھ رکھے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے تھے جبکہ طلسم ناز اپنی دونوں آبرو سکیڑ کے تینوں کو گھور کر رہ گئی، بلکہ سحر بانو کو دیکھ کر تو اسے کراہیت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی بہت آرہا تھا، سرخ رنگ کا ٹائٹ سا ریشمی سوٹ پہنے دوپٹے پر چوڑا سا گوٹا لگا ہوا تھا کوئی نہایت ہی سستی سی گولڈن جیولری پہنے، ڈارک میک اپ، ریڈ رنگ کی لپ اسٹک بڑی بڑی آنکھوں میں خوب سارا کاجل بھرے وہ کھڑا اس کا مذاق ہی تو بنا رہا تھا۔

"تم لوگ یہاں سے جاتے ہو یا میں پولیس کو بلاؤں"۔ طلسم ناز سے وہ تینوں ایک سیکنڈ وہ تینوں خواجہ سرا برداشت نہیں ہو رہے تھے۔

"تو پولیس کو کیا بلائے گی ہمارا تو کام ہی اب شروع ہوتا ہے ہم تو رات کے راہی ہیں تو اپنی بتا اتنی رات کو یہاں اکیلی سڑک پر گاڑی میں تنہا بیٹھی کیا کر رہی ہے"۔ سحر بانو نے اپنی کاجل سے بھری بھر بھری آنکھوں کو مزید پھیلایا اور آئی بروز کا اشارہ دیا تھا۔

"ہاؤ ڈیئر یو تم ہوتے کون ہو مجھ سے یہ پوچھنے والے؟"

"سحر بانو! کہتا تو ٹھیک ہے یہ چھوری یہاں کیا کر رہی ہے" نجم گل نے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ چہرے کے نقوش کو بھی جنبش دی تھی۔

"یہ بڑے لوگ ہیں نجم گل اور ان بڑے لوگوں کے بڑے کام رات کے اندھیروں میں ہی ہوتے ہیں اور رات کے اندھیروں میں ہی یہ اپنے راز وغیرہ دفن کر دیتے ہیں"۔ سحر بانو نے اپنے اسٹائل میں بہت گہری بات کہی تھی اور طلسم ناز اتنی ناسمجھ نہیں تھی جو اس کی یہ بے ہودہ بات نہیں سمجھتی بلکہ وہ تو جیسے آگ بگولا ہی ہو گئی تھی۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے شرم آنی چاہیے تم لوگوں کو ایک تو یہاں کھڑے مجھ سے بحث کر رہے ہو اوپر سے اس قدر واہیات گفتگو پتہ نہیں گورنمنٹ تم لوگوں کا انتظام کیوں نہیں کرتی، تم جیسوں کو یوں کھلے عام چھوڑا ہوا ہے تم لوگوں کو پاگلوں کے اسپتال میں پاگلوں کے ساتھ ہی زنجیروں سے باندھ دینا چاہیے"۔ وہ ناک پھلا کر خوب سنا رہی تھی۔

"اوہ چھوری...... یہ پاگل کسے کہا ہے تو نے تو ذرا باہر تو نکل دروازے شیشے سب بند کر کے بیٹھی ہے تجھے تو ہم ابھی بتائیں"۔ نجم گل اور شہزادی دونوں نے گاڑی کو پورا ہلا ڈالا اب گھبرانے کی باری طلسم ناز کی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ ہٹو پیچھے"۔ طلسم ناز نے اندر سے ڈیش بورڈ کو سختی سے پکڑ لیا تھا اور دروازے کے لاک پر ہاتھ رکھا مبادا وہ کھل ہی نہ جائے۔

"کیا ہو رہا ہے یہ سب......؟" پیچھے سے ابراش عسکری تیزی سے آیا تھا، سحر بانو نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔

"ہٹو پیچھے"۔ اس نے شہزادی اور نجم گل کو پیچھے کیا گاڑی سے جبکہ اندر بیٹھی طلسم ناز کی جان میں جان آئی تھی ابراش عسکری کو دیکھ کر۔

"آئے ہائے تو تو ہے باؤ جی اس کا مالک، تیرے تو بڑے مزے ہیں باؤ جی ہر روز کوئی نئی حسینہ اپنے ساتھ لئے پھرتا ہے"۔ سحر بانو نے بلاخوف بڑے دھڑلے سے ابراش عسکری کے سامنے تالی بجائی تھی، ابراش عسکری کی

نہیں سکتا کہ کون ذکی ہے کون ٹام کروز جبھی تو ازابیلا نے اس کا نام ٹام کروز رکھا تھا۔

سونگ ختم ہو چکا تھا سب کا فسوں خیز سحر ٹوٹ چکا تھا ہر کوئی ازابیلا کی تعریف کر رہا تھا کتنے ہی بگڑے رئیس لڑکوں نے اس کی طرف فلائنگ کس اچھالی تھی جسے وہ اپنا حق سمجھتی اور ان کا جواب بھی ایسے ہی دیتی ذکی کی طرف مسکراتی ہوئی بڑھی تھی اس کا کھلا عریاں حسن ہر ایک کی آنکھ کو خیرہ کر رہا تھا وہ حسین نہیں بلکہ حسین ترین تھی۔

''سب میری تعریف اپنے اپنے انداز میں کر رہے ہیں ٹام کروز ایک تم ہی ہو جو میری تعریف کرنے میں اتنی کنجوسی کرتے ہو''۔ وہ اٹھلاتی ہوئی اس اکیلی ٹیبل پر آئی تھی جہاں ذکی بیٹھا ہاتھ میں ڈرنک لیے ہوئے تھا۔

''اتنے لوگ تمہاری تعریف کرتے ہیں میری تعریف سننا ضروری ہے کیا؟'' ذکی نے ڈرنک کا گلاس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''بالکل ضروری ہے اور بہت ضروری ہے''۔ ازابیلا نے مصنوعی تیکھے پن سے کہتے ہوئے ٹیبل پر ہلکا سا مکا مارا تھا کہ گلاس میں سے ڈرنک چھلکتی ہوئی ٹیبل پر گری تھی ذکی نے عجیب سی نظروں سے اپنا ڈرنک دیکھا تھا۔

''اوپس سوری''۔ ازابیلا نے اپنی کھڑی ناک اوپر چڑھاتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''زیادہ نہیں گری ہے تم پی سکتے ہو''۔ ازابیلا نے وہ کولڈ ڈرنک کا گلاس اٹھا کے اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''گر میں گری ہوئی شے پھر منہ نہیں لگاتا''۔ ذکی کے ہونٹوں کی تراش میں طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

''ہائے ٹام کروز تمہاری یہی ادائیں تو میرا سب کچھ لے گئیں''۔ ازابیلا نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا جھک کر کہا تھا۔

''جانتے ہو اتنے لڑکے میرے آگے پیچھے اپنا دل اپنا سب کچھ اپنی دولت لیے پھرتے ہیں یہاں تک کہ کچھ لڑکے تو میرے ساتھ صرف ایک رات گزارنے کو مجھ پر کروڑوں لٹانے کو تیار ہیں' اپنے ماں باپ کو چھوڑنے کو تیار ہیں میرے لیے میرا دہکتا حسن ہوشربا قیامت خیز خوبصورتی بڑے بڑے سورماؤں کو میرے قدموں میں ڈھیر کر دیتی ہے مگر ایک میرا دل ہے جو صرف تم پر آیا ہے تمہاری چاہ کر بیٹھا ہے تمہاری قربت' قرفت کی طلب چاہتا ہے' جسم کا رواں رواں تمہیں پانا چاہتا ہے ٹام کروز''۔ رومانوی لب و لہجے میں کہتی ہوئی وہ ذکی کے چہرے کے ایک ایک نقوش کو اپنی آنکھوں کے ذریعے اپنے اندر بسا رہی تھی۔

''تو ڈیئر ازابیلا! میں بھی تو ایسے ہی تم پر فدا نہیں ہوا کچھ دیکھا ہے تو تم پر اپنا دل ہارا ہے اور تمہارے لیے یہ تعریف کیا کم ہے کہ قدرت نے تمہیں بہت فرصت میں بنایا ہے''۔ گہرے آنکھوں کی روشنی میں ازابیلا کو اپنا آپ چمکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''چلو شکر تم نے تعریف تو کی کسی بہانے سے میری''۔ وہ اپنے شولڈر کٹ بالوں کو جھٹکتی ہوئی ذکی کو دیکھنے لگی تھی کہ اسی دوران ازابیلا کا فون بجنے لگا تھا ازابیلا نے فون دیکھا جہاں انیق واحدی کالنگ جگمگا رہا تھا' ازابیلا نے ترچھی نظروں سے ذکی کو دیکھا تھا' جو کلب میں موجود اور لوگوں کو دیکھ رہا تھا' یعنی کہ اس کا دھیان اس طرف نہیں تھا وہ ''ایکسکیوزی'' کرتی ہوئی کھڑی ہوئی تھی جاتی ہوئی ازابیلا کو ذکی نے بغور دیکھا تھا اور پھر وہاں سے ویٹر سے ایک سوفٹ ڈرنک منگوائی۔

''ہیلو'' ازابیلا نے فون ریسیو کر لیا تھا۔

''کہاں ہو تم؟''

''اچھا کیسی ہے......؟'' اس نے اسٹرائیگ گھمایا تھا۔
''نہایت ہی ہاٹ اینڈ سیکسی''۔ طلسم ناز نے فیس بک آن کر دیا۔
''اوہ ریئلی......دکھاؤ تو ذرا''۔ ابراش عسکری نے اس کا فون دیکھا تھا۔
''یہ دیکھو......'' طلسم ناز نے اپ لوڈ ہوئی ہاٹ ویڈیو اس کو دکھائی۔
''یار اس وقت تو میں گاڑی چلا رہا ہوں ایک کام کرو تم گاڑی ڈرائیو کرو میں ویڈیو دیکھتا ہوں''۔
''آل رائٹ نو پرابلم''۔ ابراش عسکری نے سائیڈ میں گاڑی روک دی تھی دونوں نے اپنی اپنی جگہیں بدل لی تھیں۔ ابراش عسکری نے پوری ویڈیو دیکھ لی تھی۔
''یہ ایسی ہاٹ اینڈ سیکسی ویڈیو اپ لوڈ کون کرتا ہے''۔ ابراش عسکری نے فون آف کر کے ڈیش بورڈ پر رکھ دیا تھا۔
''کوئی انیق واحدی ہیں''۔
''بڑا ہی جاندار بندہ ہے یہ تو''۔
''میں نے بھی دیکھا نہیں ہے مگر فیس بک پر اس کی اپنی الگ ویب سائٹ ہے''۔
''اچھا تو کیا فیس بک پر اپنی تصویر نہیں دی اس نے''۔
''نہیں نہ ہی تصویر دی ہے اور نہ ہی اپنا کوئی نمبر کسی کو دیتا ہے کوئی بہت اونچی شے ہے یہ''۔
''تمہیں کیسے پتہ چلا اس کے بارے میں اتنا کچھ''۔
''میری فرینڈ ہے ازابیلا اس نے بتایا ہے''۔
''خیر تم یہ سب چھوڑو ہم کلب جا رہے تھے وہاں باقی دوستوں کو بھی بلایا ہے نا''۔
''ہاں وہ لوگ وہاں پہنچ گئے ہیں اور ہمارا ویٹ کر رہے ہیں''۔ باقی راستہ ان لوگوں نے باتیں کرتے گزار دیا تھا۔

☆☆☆☆

خیالوں میں بھی ہے خوابوں میں بھی
کوئی آنے لگا ہے یادوں میں بھی
اے دل میرے محسوس کر ان آہٹوں کو
دھڑکن میں جو سیلیں ملیں ان کروٹوں کو
اے خدا اے خدا میں ہوئی مجھ سے جدا
دن میں بھی وہی سانس لینے لگا۔ راتوں میں بھی میرے وہی تو بسا ہے
پلکوں پر رہنے کی ڈھونڈتا ہے جگہ
خیالوں میں بھی

مائیک پکڑے اس کی سریلی اور خوبصورت آواز نے وہاں کلب میں بیٹھے سبھی کو اپنے سحر میں گرفتار کر لیا تھا' سب کی نظر ازابیلا پر تھی مگر ازابیلا کی نظر صرف ایک پر ہی تھی جو آج کل اس کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔
''ذکی'' جسے وہ ٹام کروز بلاتی تھی انگلش فلم کا ہیرو ٹام کروز بے حد خوبصورت سرخ و سفید رنگت کا مالک گرے بلیو کے اشتراک جیسی آنکھیں' گولڈن بال' ذکی اور ٹام کروز کو اگر ایک ساتھ بٹھا دیا جائے تو کوئی پہچان

"ہوں" بہت مصروف انداز میں بولی۔

"تم نے کرایا؟"

"ہاں بھئی آج ہی جمع کرایا ہے تمہیں پتہ ہے طلسم ناز مجھ سے میرے اسائمنٹ کے بارے میں پوچھ رہی تھی کہہ رہی تھی میرے بھی حل کردو"۔

"پھر تم نے کیا جواب دیا" ۔اس نے کچھ سرچ کیا تھا اب وہ اسے سیو کر رہی تھی۔

"میں نے تو صاف انکار کر دیا خود تو محترمہ اپنی پڑھائی کے لیے سیریس نہیں ہیں دوسرے پر فوکس کرتی ہیں اور آج کل تو ویسے بھی خوب ہواؤں میں اڑ رہی ہیں"۔

"ارے وہ کیوں بھئی" ۔غنویٰ نے موبائل کا نیٹ آف کر کے بیگ میں ڈالا تھا اور عائزہ کی طرف رخ موڑ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ہمارے سینئر ڈپارٹمنٹ کے ابراش عسکری کی گرل فرینڈ بنی ہوئی ہیں" ۔عائزہ نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

"تو تمہیں جیلسی فیل ہو رہی ہے کہ ابراش عسکری کی گرل فرینڈ کا عہدہ تمہیں کیوں نہیں ملا" ۔غنویٰ اسے چھیڑنے لگی۔

"دفع دور مجھے کیوں جیلسی فیل ہو گی اس نے اپنی شکل دیکھی ہے خرگوش کے منہ والا"۔ عائزہ تپ کر رہ گئی اس کے اس طرح تپ کر کہنے پر غنویٰ کی ہنسی نکل گئی۔

"اور اسی خرگوش کے منہ والے پر یونی کی ساری لڑکیاں فدا ہیں ذرا اس پر بھی غور فرمایئے گا"۔

"ویسے غنویٰ ایک بات تو سوچنے کی ہے اس ابراش عسکری کا دل نہیں اکتاتا ہر روز ایک نئی گرل فرینڈ کے ساتھ گھومتا پھرتا ہے" ۔اس نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

"اکتاتا ہو گا کیوں نہیں اکتاتا ہو گا مگر جب وہ تین دن سے زیادہ کسی لڑکی کو اپنی گرل فرینڈ بنائے" ۔غنویٰ نے نہایت سکون سے جواب دیا تھا۔

"مگر آج کل تو طلسم ناز ابراش عسکری کی باہوں میں باہنیں ڈالے پوری یونی میں اتراتی پھر رہی ہیں"۔

"اترانے دو ہمیں کیا جب طلسم ناز کے حسن کا نشہ اترے گا تو وہ بھی منہ کے بل زمین پر گرے گی"۔

"تمہاری کیا رائے ہے ابراش عسکری کے بارے میں؟" عائزہ نے ایک نیا سوال داغا تھا۔

"رائے ان کے لیے ہوتی ہے جنہیں ہم پسند ناپسند کریں" ۔اس کے ایک جملے میں غنویٰ نے بات ختم کر دی تھی۔

"ہاؤ ڈیئر یو تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی یہ پین توڑنے کی یہ مجھے ابراش نے دیا تھا"۔ دو لڑکیاں آپس میں بری طرح لڑ رہی تھیں غنویٰ اور عائزہ بھی اور اسٹوڈنٹس کی طرح وہاں مجمع میں کھڑی تماشہ دیکھ رہی تھیں۔

"اسی لیے توڑا کہ یہ تمہیں ابراش نے دیا ہے اور ہمت کی تم کیا بات کرتی ہو تم نے ابراش کے بارے میں کچھ سوچا بھی کیسے وہ صرف میرا ہے اس پر کسی کا حق نہیں ہے"۔

"یہ تمہاری بھول ہے یو" اسی لڑکی نے دوسری لڑکی کے منہ پر تھپڑ مارنے کے ساتھ ایک موٹی سی گالی بھی دی تھی۔

"یہ دیکھو یہاں ابراش عسکری کے لیے یہ دونوں لڑکیاں گتھم گتھا ہو رہی ہیں اور وہ جانے کہاں طلسم ناز کے ساتھ سیر سپاٹے کر رہا ہے" ۔غنویٰ کو ابراش عسکری سے زیادہ ان دونوں لڑکیوں پر غصہ آیا تھا جو ایک کلی کلی منڈلا

''تمہیں کیا لگتا ہے مجھے اس وقت کہاں ہونا چاہیے؟'' الٹا سوال داغا تھا۔
''آئی نو اینی ویز ایک گھنٹے میں مجھے ہوٹل میں ملو روم نمبر 203 میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں''۔
''او کے آتی ہوں''۔ ازابیلا نے لائن کٹ کر دی تھی اور پھر ذکی کی طرف بڑھ گئی۔
''کس کا فون تھا سب خیریت ہے نا؟'' ذکی کے لہجے میں فکر مندی کے رنگ تھے۔
''ہاں خیریت نہیں ہے میرے ایک ریلیٹو ہیں ان کی طبیعت بہت خراب ہے مجھے یاد کر رہے ہیں میں چلوں گی پھر ملاقات ہوتی ہے''۔ ازابیلا نے مسکراتے ہوئے ذکی کو دیکھا اور پھر وہاں رکی نہیں باہر ڈرائیور کھڑا تھا گاڑی لے کر وہ گاڑی میں آ بیٹھی۔
''ہوٹل چلو''۔
''جی میڈم''۔ ڈرائیور ادب سے کہتا ہوا زن سے گاڑی بھگا لے گیا۔
کچھ ہی دیر میں وہ اپنے مطلوبہ ہوٹل کے روم نمبر 203 میں موجود تھی جہاں پہلے ہی سے انیق واحدی کوئی فائل ہاتھ میں لیے اس کا ویٹ کر رہا تھا ازابیلا نے دروازہ لاکڈ کیا اس کے پاس آ بیٹھی بڑی بے تکلفی سے۔
''ہاں انیق! اب بولو کیا کام ہے بڑی ارجنٹلی بلوایا ہے''۔
''یہ لو'' انیق واحدی نے ہاتھ میں پکڑی فائل اس کو تھمائی۔
''یہ کیا ہے؟'' ازابیلا نے فائل کے صفحے الٹ پلٹ کر دیکھے۔
''یہ فائل راحیل اصفہانی کے پاس کل رات تمہیں لے کر جانی ہے مجھے نہیں لگتا آگے تمہیں کچھ سمجھانا پڑے گا تم تو ویسے بھی اس کھیل کی پرانی کھلاڑی ہو''۔ انیق واحدی نے اپنے اور اس کے لیے ڈرنک کا ایک گلاس بنایا۔
''او کے ہو جائے گا کام اس کے علاوہ''۔ ازابیلا نے فائل ٹیبل پر پھینکی اور انیق واحدی سے ڈرنک کا گلاس لے لیا۔
''اس کے بعد سلمان کچھ لڑکیوں کو لایا ہے جنہیں تمہیں ہینڈل کرنا ہے کوڈ لانچ کا فون آیا تھا کچھ لڑکیاں دبئی سپلائی کرنی ہیں''۔
''لڑکیوں کی عمر کیا ہے؟'' اس نے وہسکی کا ایک سپ لیا تھا۔
''سلمان نے اس بار دور دراز کے گاؤں سے اٹھائی ہیں بتا رہا تھا پندرہ سے بیس سال کے درمیان ہیں مگر سب پانی کی طرح شفاف ہیں''۔ مکروہ خباثت سے مسکراتا ہوا اس نے دو سانس میں ہی اپنا ڈرنک خالی کر دیا تھا۔
''دیکھنا پڑے گا ان لڑکیوں کو پہلے ذرا اس راحیل اصفہانی سے فائل پر سائن کروالوں''۔
''اور اس سے پہلے میری خواہش پوری کر دو''۔ انیق واحدی نے اس کی نازک کمر کے گرد اپنا بازو ڈال کر بڑے جھٹکے سے خود سے قریب کیا تھا۔
''تمہاری خواہش تو میں کبھی بھی کسی بھی وقت پوری کر سکتی ہوں ڈارلنگ''۔ ازابیلا نے اپنا ڈرنک ایک سانس میں اپنے حلق میں انڈیلتے ہوئے گلاس کو پیچھے کی جانب اچھال دیا تھا اور اپنا عریاں بازو اس کے دونوں شانے پر رکھ دیا انیق واحدی خوش ہوتے ہوئے اسے بازوؤں میں اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔

☆☆☆☆

''غنوی! تم نے اپنا اسائمنٹ جمع کرا دیا؟'' عائزہ نے اپنا پین فائل میں رکھتے ہوئے غنوی جو اس وقت نیٹ سے اپنا ایک اور اسائمنٹ نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''وہ کیا آنٹی؟'' ازابیلا نے اس نوعمر چھوٹی سی پیاری سی لڑکی کو دیکھا تھا۔
''وہ یہ میری جان کہ تم سب مجھے آنٹی' باجی وغیرہ کچھ نہیں کہو گی صرف ازابیلا پکارو گی''۔ازابیلا نے باری باری سب کو دیکھا۔
''کیا پکارو گی؟''
''ازابیلا'' سب نے کورس میں کہا تھا۔
''گڈ ویری گڈ اب ایسا ہے کہ سلمان تم لوگوں کے لیے کھانا لا رہا ہے تم سب وہ پیٹ بھر کے کھاؤ پھر بات کرتے ہیں''۔
''نہیں میں کھانا نہیں کھاؤں گی مجھے اپنے گھر جانا ہے بس''۔ایک ضدی سی لڑکی چیخی۔سلمان نے ایک چھانپڑ اس کے منہ پر دے مارا وہ لڑکی دور جا گری تو باقی لڑکیاں بھی سہم کر پیچھے ہٹی تھیں۔
''سلمان! پاگل تو نہیں ہو گئے تم چہرے پر کیوں مارا؟'' ازابیلا سلمان کو غصے سے گھورتے ہوئے اس لڑکی کے پاس آئی اور اسے اٹھا کر صوفے پر بٹھایا۔
''دیکھو یہاں نہیں' نہیں چلتا صرف ''ہاں'' ہی ''ہاں'' ہوتا ہے ورنہ اس کی سزا بہت خراب ہوتی ہے''۔ازابیلا نے اس لڑکی کے بال سنوارے تھے۔
''مگر مجھے اپنے گھر جانا ہے''۔
''او کے گھر بھی چلی جانا مگر جو کہا ہے پہلے وہ کر واؤ کے''۔
وہ کچھ نہیں بولی تھی ازابیلا نے سلمان کو شاطرانہ نظروں سے دیکھا اور اشارہ دیا کہ سب کے لیے بہترین کھانا منگواؤ' تھوڑی ہی دیر میں وہ سب لڑکیوں کے لیے فاسٹ فوڈ' برگر بروسٹ' تک' فرنچ فرائز لے آیا تھا' سلمان اور ازابیلا باہر آ گئے تھے۔
''کیا کہتی ہو میڈم کیسی لگیں لڑکیاں؟'' سلمان اپنے مخصوص انداز میں پوچھ رہا تھا' وہ اس قدر موٹا بھدا اور اوپر سے سیاہ رنگت بڑی بڑی سرخ آنکھیں کالی مونچھیں جنہیں وہ ہر وقت تاؤ دیتا رہتا تھا بڑے بڑے دانتوں والے سلمان سے وہ سب لڑکیاں ڈر سہم سی گئی تھیں۔
''ایکدم ہیرا کو ہرتایا ہے ان سب کی تو منہ مانگی بولی لگے گی سلمان اس بار تو نے خوش کر دیا مجھے یقین ہے سر وڑائچ بھی خوش ہو جائیں گے''۔
''تو ازابیلا میڈم! باس کب آ رہے ہیں؟'' اسے سر وڑائچ سے ملنے کا بڑا شوق ہی نہیں اشتیاق بھی تھا۔
''وہ آج کل لندن گئے ہوئے ہیں مگر ان سب لڑکیوں کو Skype پر دکھا دوں گی''۔اس نے اپنا موبائل نکالا اور انیق واحدی کو کال کرنے لگی۔
''انیق سر! کیا کہتے ہیں اس بار بھی سنیتا بائی کو یہ لڑکیاں بیچنی ہیں؟''
''نہیں' نہیں یہ سب لڑکیاں انڈونیشیا جائیں گی عابد جوفا کے پاس اسے بڑا ارمان ہے پاکستانی نوعمر حسن دیکھنے کا اب دیکھے گا تو دنگ رہ جائے گا پھر ہم اس سے ڈبل قیمت وصول کریں گے''۔
''ہیلو'' انیق واحدی کا نمبر مل گیا تھا وہ آن لائن تھا۔
''ہاں انیق لڑکیاں میں نے دیکھ لی ہیں سب کی سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں' کوئی نقص کوئی دھبا نہیں ہے سر وڑائچ خوش ہو جائے گا''۔

نے والے بھنورے کے پیچھے اپنی عزت آبرو اپنی نسوانیت کی دھجیاں اڑا رہی تھیں۔

''واقعی یار! یہ تو سراسر بے عزتی ہے''۔ عائزہ کو بھی غصہ آیا تھا۔

''اب ہم یہاں کھڑے ہو کر کیوں مزہ لیں چل چل کر کینٹین سے کچھ کھاتے ہیں''۔ غنویٰ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتی ہوئی کیفے ٹیریا میں لے آئی تھی۔

''یار! دیکھنے تو دیتی کس کی جیت ہوئی''۔ عائزہ بدمزہ ہوگئی۔

''ایسی لڑکیوں کی جیت نہیں تا عمر ہار ہی رہے گی جو اپنے والدین کی عزت کے ساتھ اپنی عزت اپنے فخر و غرور کو بٹا لگا رہی ہیں''۔ غنویٰ نے کینٹین میں کام کرتے ویٹر کو بلایا اور کچھ کھانے پینے کا آرڈر دیا تھا۔

''ہوں یہ تو ہے''۔ عائزہ نے پرسوچ انداز میں کہتے ہوئے کہا۔

''اب بتا ایسے لوگوں کے لئے کوئی رائے رکھنی چاہئے''۔

ویٹر آ گیا تھا ٹرے اس نے سامنے ٹیبل پر رکھ دی جس میں زنگر برگر کے ساتھ کولڈ ڈرنک بھی منگوائی تھی۔

''اب فضول سوچوں کو سوچنا بند کر اور یہ کھا''۔ عائزہ نے چونک کر غنویٰ کو دیکھا اور اپنی سوچ کو جھٹکتی ہوئی ٹرے میں سے برگر اٹھا لیا۔ دونوں اپنی اپنی پڑھائی کی باتوں میں لگ گئی تھیں۔

☆☆☆☆

''ہوں تو یہ لڑکیاں ہیں وہ جنہیں تم لے کر آئے ہو''۔ ازابیلا ہونٹوں میں سگریٹ دبائے ایک کش لیتی ہوئی بولی تھی۔

''جی میڈم! اب کے تو میں نے چن چن کر اٹھائی ہیں''۔ سلمان نے مکروہ نظروں سے ان سہمی ہوئی لڑکیوں کو دیکھا تھا' جو کبھی اس جلاد صفت آدمی سلمان کو دیکھتیں تو کبھی ازابیلا کو' جس نے ٹائٹس پر ریڈ کلر کی چست شرٹ پہنی ہوئی تھی اس کے عریاں بازو پر ایک ٹیٹو بنا ہوا تھا۔

''آنٹی! ہمیں جانے دیں میری ماما مجھے ڈھونڈ رہی ہوں گی''۔ ایک پندرہ سولہ سالہ لڑکی بالآخر ہمت کر کے ازابیلا کے پاس آئی تھی۔

ازابیلا نے بغور اس لڑکی کو دیکھا برف جیسی سفید رنگت رعنائی و حسن جس پر ابھی ابھی آیا جوانی کا جوبن کی شروعات جس سے بہت فائدہ ہوگا اس کا شاطرانہ دماغ اپنے بزنس کا ہی سوچ رہا تھا' ازابیلا نے باقی کا بچا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے اپنی ہتھیلی کی پشت اس لڑکی پر پھیری۔

''جی نویرہ'' ازابیلا کے نرمی سے بات کرنے کے انداز نے نویرہ کی ہمت بندھائی اور اسی کی ہمت کی وجہ سے باقی پیچھے ڈری سہمی کھڑی لڑکیاں بھی ازابیلا کے پاس آ گئیں۔

''آنٹی مجھے بھی اپنے گھر جانا ہے''۔

''آنٹی میرے ابو مجھے اسکول سے لینے آئے ہوں گے''۔ ہر لڑکی اپنی اپنی پریشانی اس کو بتا رہی تھی وہ سب سمجھ رہی تھیں ازابیلا ان لڑکیوں کو یہاں سے لے جانے آئی ہے ازابیلا نے سب لڑکیوں کو باری باری دیکھا تھا ہر لڑکی دوسری لڑکی سے نایاب گوہر تھی چمکتا دمکتا ہیرا' جسے جوہری کو معمولی سا تراش خراش کرنی تھی تو ان کا حسن مزید دو آتشہ ہو جائے گا۔

''سب سے پہلے میں تم سب سے ایک بات کہوں گی''۔

نہ کوئی چارم اور نہ ہی کوئی انجوائے منٹ اب خود کو ہی دیکھ لو ہماری عمروں میں کوئی فرق نہیں ہے مگر اس باس کی چیئر پر بیٹھ کر اتنے بردبار اور نہایت ہی روکھے پھیکے انسان لگتے ہو جیسے پتہ نہیں کتنے سال پرانی بڈھی روح تمہارے اندر سمائی ہوئی ہے''۔ اس نے سبکتگین حیدر ترمذی کی زندگی کا پورا جغرافیہ آگے رکھ دیا تھا۔ اس دوران اندر گرما گرم کافی کے ساتھ اسنیکس بھی آ گئے تھے۔ ابراش عسکری اپنی کافی کا کپ اٹھا چکا تھا۔

''ہاں ٹھیک کہا تم نے بزنس اور آفس میں تمہیں چارم اور انجوائے منٹ کہاں سے ملے گی وہ تو تمہیں روز ایک نئی گرل فرینڈ میں ملتا ہے اور لڑکیوں کو چھوڑ و اب تو تم نے خواجہ سراؤں کو بھی نہیں چھوڑا ہے''۔ ابراش عسکری کو کھانسی کا ایک شدید پھندا لگا تھا کہ کافی بھی چھلک کر پرچ میں گری تھی۔

''یار! سوچ سمجھ کے تو بولو''۔

''یہ میں نہیں زنیرہ آپا نے دیکھا ہے''۔ سبکتگین حیدر ترمذی نے ایک اور بسکٹ اٹھایا تھا۔

''زنیرہ آپا نے مگر کب؟''

''کل رات کو وہ اور سنی اپنی فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی سے آ رہے تھے''۔

''کل رات کو کل رات کو میں کس کے ساتھ تھا؟''

''خواجہ سرا کے ساتھ''۔ سبکتگین حیدر ترمذی نے بے دھڑک مصرعہ جوڑا تھا۔

''لاحول ولاقوۃ بکواس مت کرو زیادہ' یاد آ گیا کل تو میں طلسم ناز کے ساتھ تھا''۔ اسے کل کی رات یاد آ گئی تھی۔

''جو کہ پچھلے دنوں سے آپ کی منظور نظر بنی ہوئی ہیں' کچھ تو شرم کر لو جانتے ہو یونی سے بھی پرنسپل نے کمپلین کی ہے تمہاری قیصر انکل سے''۔

''اب وہاں سے کیا کمپلین آ گئی''۔ اس نے اپنی کمان کی تیر جیسی آبرو اچکائی۔

''ہر جگہ جو تم نے اپنے عشق کے جھنڈے گاڑھے ہوئے ہیں ناں وہ ہوائیں بڑی کھل کے لہرا رہے ہیں' یونی میں تمہارے پیچھے دولڑکیاں آپس میں خوب لڑی ہیں بہت زبردست نا کہ منہ ماری ہوئی ہے بلکہ ایک دوسرے کو تھپڑ بھی مارا ہے وہ تو شاید کوئی ایک اپنی زندگی سے ہی گزر جاتی بروقت پرنسپل صاحب آ گئے''۔

''جانتا ہوں میں سب اور آج صبح سب سے پہلے میں نے پوری یونی میں ان دونوں لڑکیوں کو اتنی جنائی ہیں چودہ طبق روشن کر دیے ہیں اپنی شکلیں دیکھی ہیں ان لوگوں نے ابراش عسکری کوئی معمولی چیز نہیں جسے کوئی اتنی آسانی سے پالے گا''۔ غرور کی آخری سیڑھی پر کھڑا گردن اکڑائے وہ اس طرح بولا کہ سبکتگین حیدر ترمذی کے ماتھے پر ہلکی سی شکن نمودار ہو گئی۔

''بہت بری بات ہے اتنا غرور اللہ کو پسند نہیں ہے''۔ سبکتگین حیدر ترمذی کو ناگوار گزرا تو اس نے بول دیا تھا۔

''غرور کی کیا بات ہے یار پیسہ ہے' بے شمار دولت' عزت' شہرت اور سب سے بڑھ کر میرا حسن میری خوبصورتی و وجاہت ہی ایسی ہے کہ ہر لڑکی میری خواہش رکھتی ہے میری تمنا رکھتی ہے مجھے پانے کے خواب دیکھتی ہے''۔ ابراش عسکری اس وقت اپنے غرور کے نشے میں اس قدر اندھا ہو چکا تھا کہ اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ وہ کیا بول رہا ہے۔

''ابراش تم میرے بہت اچھے بھائی جیسے دوست ہو ہمارے فیملی ٹرمز بہت اچھے ہیں مگر میں تمہیں اسی کے

”چلو! میں ابھی سرور خان کو انفارم کر دیتا ہوں۔“

”او کے بائے“ ازابیلا نے لائن کاٹ دی تھی۔

”میڈم! آپ کے ٹام کروز کا کیا حال ہے کچھ مال وال گھسیٹا؟“

”کہاں سلمان! یہ ٹام کروز بڑی ٹیڑھی کھیر ہے ہاتھ ہی نہیں آ رہا اتنا اپنا ٹائم برباد کر رہی ہوں مگر مچھلی کی طرح پھسلتا ہی چلا جا رہا ہے۔“

”تو دفع کریں جب وہ آپ کے ہاتھ ہی نہیں آ رہا“۔ سلمان اکثر ازابیلا سے کچھ پرسنل ہو جاتا تھا۔

”دفع ہی تو نہیں کرنا سلمان! ایسے کیسے یہ میرے ہاتھ نہیں آئے گا بہت بڑی آسامی ہے اپنا اتنا ٹائم ضائع کیا ہے تو کچھ تو اس سے وصول کرنا ہی ہے نا“۔ اس کی آنکھوں میں ذکی کا چہرہ نمودار ہوا تھا۔

”اچھا تم اس کو چھوڑو تم یوں کرو ذرا گاؤں دیہاتوں کا بھی سروے کرو وہاں بھی کم حسن نہیں بکھرا بس تلاشنے کی دیر ہے اس بار ہم سینیا بائی کو خوش کریں گے“۔

”او کے میں ان لڑکیوں کو انڈونیشیا جانے والی بوٹ تک چھوڑ آؤں پھر وہاں بھی نکلتا ہوں“ ازابیلا نے دو تین باتیں اور سمجھائیں پھر اندر لڑکیوں کے پاس آ گئی۔

☆☆☆☆

”راحیل اینڈ کو کو لیٹر کے ساتھ ہماری آفر بھیج دینا اگر وہ ہماری ڈیمانڈ پوری کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو پھر فائل پر سائن کروا کے ایڈوانس چیک دے دینا او کے“۔ سبکتگین حیدر ترمذی نے بزنس فائل اپنے منیجر کو تھماتے ہوئے پین کو فولڈر میں اٹکا دیا تھا۔

”جی بہتر سر!“ وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

”اگر تمہارا کام ختم ہو گیا ہے تو کیا ہم بات کر سکتے ہیں“۔ ابراش عسکری کو آئے آدھا گھنٹہ سے زیادہ ہو گیا تھا اور سبکتگین حیدر ترمذی کو تو جیسے اس آدھے گھنٹے میں آفس کے سارے کام یاد آ گئے تھے۔

”ہاں تو ابراش! پہلے ایک منٹ“۔ سبکتگین حیدر ترمذی آگے کچھ بولتا اس نے انٹر کام کا ریسیور اٹھا لیا۔

”ہاں راحیل و کپ کافی کے ساتھ کچھ اسنیکس بھیجو“۔ ریسیور رکھ کے اب ان کا سارا دھیان ابراش عسکری کی طرف تھا جس کی شکل سے لگ رہا تھا کہ وہ کس قدر بور ہو رہا ہے یہاں بیٹھ کے۔

”یار! اتنی دیر ہو گئی ہے تم جانتے ہو مجھے ایک اہم کام کے لئے جانا تھا“۔ ابراش عسکری نے بے زاری سے کہا تھا۔

”چپ کر کے بیٹھے رہو جانتا ہوں میں تمہارے سارے اہم کاموں کو تمہیں کچھ علم ہے قیصر انکل کتنا پریشان ہیں تمہارے لئے بلکہ رشنا آنٹی نے تو خود مجھے فون کر کے یہ ریکویسٹ کی ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں“۔

”تو یوں کہو نا کہ موم اور ڈیڈی نے تم سے میری شکایت کی ہے“۔

”تو کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے پتہ نہیں یونی میں مزید پڑھائی کا کیا شوق چرایا ہے تمہیں اتنا بڑا بزنس ہے وہ سنبھالو حالانکہ میں جانتا ہوں کہ بزنس اور آفس سے تم کیوں بھاگ رہے ہو“۔

”جب جانتے ہو تو کیوں سمجھا رہے ہو؟“ سبکتگین حیدر ترمذی کے اشارے پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

”تمہارے بھلے کے لئے قیصر انکل اور رشنا آنٹی کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے“۔

”تم یا موم ڈیڈی کچھ بھی کو لو میں نہ بزنس سنبھالوں گا اور نہ ہی آفس جاؤں گا یہ بڑا بور یت کے علاوہ کچھ نہیں

جاندار قہقہہ گاڑی کی فضاؤں میں گونجا تھا۔

☆☆☆☆

دعا اپنے اور شہیر حسن کے لئے کچن سے ٹھنڈا ٹھار لیموں کا شکنجبین بنا کے لے گئی تھی شہیر حسن ابھی ابھی آفس سے آیا تھا' آج گرمی بھی چالیس سینٹی گریڈ پر تھی اوپر سے لوڈشیڈنگ کا بحران۔

"دیکھا تم نے پہلے تو آفس سے آتا تو اپنی اماں کے پاس ضرور بیٹھتا تھا مگر جب سے شادی ہوئی ہے سیدھا اپنے کمرے میں اپنی بیوی کے پاس آکر بیٹھتا ہے پتہ نہیں یہ کل کی آئی ہوئی لڑکیاں اپنے شوہروں کو ایسا کیا گھول کے پلاتی ہیں کہ ماں بہنوں کی شکلیں تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے"۔ بلقیس آراء عصر کی نماز پڑھ کر ہاتھ میں تسبیح لے کر بیٹھی تھیں' شہیر حسن گھر میں داخل ہوا اور بناء اجیارہ حسن اور بلقیس آراء کی طرف دیکھے سیدھا اپنے بیڈروم کی جانب بڑھا تھا اجیارہ حسن نے بھی دیکھا دکھ تو بہت ہوا مگر چپ رہی کیا کہہ سکتی تھی وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا اتنا اچھا پیار کرنے والا جان چھڑکنے والا بھائی ماں کا فرمانبردار بیٹا اس طرح بدل جائے گا' بس اپنی ماں کا دکھ اس کا غم سینے میں چھپائے خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی۔

"آپ ہر ماہ اماں کو کتنے پیسے دیتے ہیں شہیر؟" دعا نے لیموں کا گلاس شہیر حسن کو تھماتے ہوئے کہا' چہرے پر پھولی سا غصہ بھی تھا۔

"دس ہزار"۔

"دس ہزار دیتے ہیں اور جانتے ہیں آج کیا بنا ہے وہی سبزی بھری مجھ تو نہیں آتا آخر اماں اتنے پیسوں کا کرتی کیا ہیں ہفتے میں صرف ایک بار گوشت بنا کے سمجھتی ہیں پورے دس ہزار کا حق ادا کر دیا یچی میں نے تو کبھی اپنے گھر سبزی دال نہیں کھائی"۔ وہ لیموں کا شکنجبین پیتی جا رہی تھی اور شہیر حسن کو ترچھی نظر سے دیکھ کر اسے سناتی بھی جا رہی تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے اماں اجیارہ کے لئے پیسے جمع کر رہی ہیں اس کی شادی کے لئے"۔ شہیر حسن نے آخری گھونٹ پی کر گلاس ٹیبل پر رکھا تھا۔

"تو جب شادی ہوگی تب ہوگی ابھی کیوں ہمارا حق مار رہی ہیں' ابھی کچھ ہی دن پہلے ایک اور اجیارہ کا رشتہ آیا تھا"۔

"پھر"۔

"پھر کیا منع کر دیا اماں نے"۔ وہ جل بھن رہی تھی۔

"کوئی وجہ؟" شہیر حسن کو منع کرنے کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔

"بھئی آپ کی بہن صاحبہ بہت خوبصورت ہیں آپ کی اماں انتظار کر رہی ہیں کہ آسمان سے سفید گھوڑے پر بیٹھ کر کوئی راجکمار آئے گا"۔

"یہ بھلا کوئی وجہ ہے اب اگر خوبصورت لڑکا دیکھیں گی یا اس کی ڈیمانڈ رکھیں گی تو پھر تو ہوگئی اجیارہ کی شادی ویسے بھی اماں اپنی غلطی تو مانتی نہیں ہیں میرے لئے یہ رائے رکھی ہوئی ہے کہ میں اجیارہ کی شادی نہیں چاہتا حد ہے غلط فہمی کی بھی"۔ شہیر حسن کو غصہ آ گیا تھا' دعا نے بغور شہیر حسن کو دیکھا اس نے شہیر حسن کو اس قدر اپنی مٹھی میں کر لیا تھا کہ اگر وہ دن کو رات اور رات کو دن بھی بولے تو شہیر حسن اس کی بات پر لبیک بولے گا' اپنی باتوں اور اداؤں میں اتنا الجھا لیا تھا کہ اجیارہ اور بلقیس آراء کہیں نظر ہی نہیں آتی تھیں۔

ناتے ایک صلاح و مشورہ دینا چاہوں گا کہ اپنے بڑے بول اور غرور میں اتنے آگے مت نکل جانا کہ پیچھے دیکھو تو تکلیف ہو۔" سبکتگین حیدر ترمذی کو ایک بھولی بسری یاد آ گئی تھی اس یاد سے آج بھی اس کا رواں رواں کانپتا تھا پچھتاوے سر اٹھا کے بار بار چیختے تھے۔

"تم نے اچھا نہیں کیا"۔

"تکلیفیں اور پریشانیاں تو یار! ہم امیروں کے لئے نہیں ان غریبوں کے لئے ہیں جو تین وقت کی روٹی بھی کھالیں تو بڑی بات ہے۔" سبکتگین حیدر ترمذی خاموش ہو گیا وہ مزید آگے کچھ بول کے اسے یا خود کو اور گناہ گار نہیں کرنا چاہتا تھا' اس نے ایک گہری سانس لی اور باقی کی کافی اتنی کڑوی لگی کہ چھوڑ کے واپس ٹرے میں رکھ دی تھی۔

"اچھا ان سب باتوں کو چھوڑو تم نے خواجہ سرا کی بات تو گول کر دی یہ تو بتاؤ ذرا ان کا شوق کب سے ہو گیا؟" سبکتگین حیدر ترمذی نے باتوں کا رخ موڑنا ہی بہتر جانا تھا۔

"ارے یار! پتہ نہیں کہاں سے پیچھے لگ گیا ہے یہ سحر بانو کا بچہ"۔

"سحر بانو کا بچہ یہ کسی سحر بانو کا بچہ ہے"۔

"ارے نہیں اس کا خود کا نام سحر بانو ہے ہفتے میں ہر رات چار پانچ بار ملتا ہے بس باؤ جی باؤ جی کی گردان کے ساتھ اپنی الٹی سیدھی ہانکتا ہے"۔ وہ کافی تنگ دکھائی دے رہا تھا اس سحر بانو سے۔

"سچی اتنے واہیات کپڑے اور اس قدر ڈارک میک اپ میں رہتا ہے کہ کراہیت آتی ہے"۔

"تو کچھ پیسے دے دلا کے فارغ کر دو نا کیوں اپنے پیچھے لگا ہوا ہے"۔

"دیتا ہوں کم از کم ہفتے میں دس ہزار اس پر خرچ ہو جاتے ہیں مگر اتنا ڈھیٹ ہے کہ جان ہی نہیں چھوڑتا"۔

"پولیس میں کمپلین کر دو"۔

"یہ سوچتا تو ہوں مگر پھر سوچتا ہوں پولیس کیا کرے گی بیچارے اتنے معصوم ہیں خدانخواستہ بددعا دے دی تو اس لئے تھوڑا بہت اس سے لڑ جھگڑ کر چلا جاتا ہوں"۔

"چلو ایک کام تو اچھا کیا"۔ سبکتگین حیدر ترمذی ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے اب تمہاری سزا ہے کہ مجھے ابھی بھی کافی پلاؤ یہ تو بالکل ٹھنڈی اور بدذائقہ ہو گئی ہے بلکہ یوں کرو"۔ ابراش عسکری نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی جہاں دوپہر کے دو بج رہے تھے۔

"اب تو لنچ ٹائم ہے تم کسی ہوٹل میں لنچ کھلاؤ گے"۔

"اوکے نو پرابلم چلو پھر" دونوں اپنی اپنی چیز سے اٹھ گئے تھے۔

"ویسے ابراش ایک بات اور کہوں؟" چلتے چلتے سبکتگین حیدر ترمذی نے کہا۔

"ہاں کہو"۔

"مجھے ایسا لگتا ہے وہ تمہیں اپنے گروپ میں شامل کرنا چاہتا ہے"۔

"کون؟" ابراش عسکری نے ناسمجھی کیفیت میں اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"وہی سحر بانو"۔

"جسٹ شٹ اپ یار!" اس کی چھیڑ سمجھتے ہوئے کچھ خفیف اور کچھ تپ کر اس نے کہا' سبکتگین حیدر ترمذی کا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



سارا دھیان صرف پڑھنے پر ہی لگا رکھا ہے نہ کچھ ہوش نہ اپنی صحت کا خیال''۔ سبرینہ نے ٹرے ٹیبل پر رکھی اور ہاتھ بڑھا کر لیپ ٹاپ ہی بند کر دیا۔

''باہر موسم ابر آلود لگتا ہے ڈیڈو سے جھگڑا وگڑا ہو گیا ہے کیا''۔ غنویٰ نے ڈرنے کی پوری پوری ایکٹنگ کی تھی۔

''کسی کے پاس میرے لیے کوئی وقت نہیں ہے تمہارے ڈیڈ وا لگ اپنے بزنس میں مصروف رہتے ہیں تمہیں دیکھو تو تم یونی سے آتے ہی اپنے اس لیپ ٹاپ کو پکڑ کے بیٹھ جاتی ہو''۔ انداز کافی ناراضی لیے ہوئے تھا' جس کا غنویٰ کو احساس ہوا تھا۔

''آل رائٹ پھر ہم یہاں روم میں بیٹھے کیوں اپنا وقت بور کر رہے ہیں چلیں نیچے لان میں چل کر گرم گرم چائے سے لطف اندوز ہوتے ہیں''۔ غنویٰ نے وہ ٹرے اٹھائی تھی اور سبرینہ کا موڈ چینج کرنے کے لیے اپنا سارا کام رات کے لیے اٹھا رکھا۔

وہ دونوں نیچے لان میں آ گئیں شام کے پانچ بج رہے تھے سورج کی جاتی کرنوں سے سارا سبزہ پودے پھول کتنے خوبصورت لگ رہے تھے' وہیں لان کے بیچوں بیچ چھوٹی سی ٹیبل چیئر کا وائٹ سیٹ رکھا ہوا تھا' غنویٰ نے ٹرے ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

''چلیے مما! اب خوش ہو جایئے آپ کی بیٹی نے آپ کی بات مان لی ہے''۔ اس نے مسکراتے ہوئے ایک پکوڑا اٹھایا اور چلی ساس کیچپ کے ساتھ لگا کر کھایا۔

''میں تو ہمیشہ خوش رہوں اگر میری بیٹی ہمیشہ میری بات مانے تو''۔ سبرینہ نے چائے کا بھاپ اڑاتا کپ اٹھایا اور منہ سے لگا لیا۔

''آف کورس مما آپ حکم کریں''۔ غنویٰ نے چائے کا ایک سپ لیا تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے' ایگزامز کی ڈیٹ مل گئی''۔ وہ اس وقت غنویٰ سے کسی خاص سلسلے میں بات کرنا چاہ رہی تھیں مگر سمجھ نہیں آ رہا تھا کہاں سے اور کیسے بات شروع کریں!

''کہاں مما! میرا خیال ہے شاید ایک ماہ بڑھا دیں''۔

''کیوں؟''

''ایک اینول فنکشن ہو گا یونی میں آپ اپنے ریلیٹیو کو اپنے پیرنٹس کو بھی لا سکتے ہیں''۔

''یہ تو اچھی بات ہے''۔ وہ خوش ہوئیں کہ چلو وہ کہیں تو جائے گی۔

''لیکن مما! آپ جانتی ہیں کہ مجھے یہ سب شور شرابہ سب سخت ناپسند ہے''۔ چہرے پر بوریت ہی بوریت تھی۔

''مگر میری جان! ابھی تو یہ سب انجوائے کرنے کا وقت ہے کہیں بھی نہیں جاتی ہو بس گھر سے یونی یا یونی سے گھر یہی تمہاری دنیا اور یہی زندگی ہے' کبھی ان سے باہر بھی نکلو باہر کی دنیا بھی بہت خوبصورت ہے''۔

''مگر مما! مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا ہے''۔

''کیوں اچھا نہیں لگتا' اچھا یہ بتاؤ فنکشن کب ہے؟''

''شاید اسی ہفتے''

''تو ڈن اس فنکشن میں ہم چل رہے ہیں''۔ انہوں نے حتمی فیصلہ کیا تھا۔

''میں کچھ دیر آرام کرلوں پھر رات کے کھانے پر بات کرتا ہوں آخر وجہ بتاؤ میں چاہتی کیا ہیں''۔ وہ کھڑا ہوا اور بیڈ پر آرام سے جا کر لیٹ گیا۔

''لائیں میں آپ کا سر دبا دوں''۔ وہ اٹھلاتی ہوئی اٹھی اور بڑی ادا سے جا کر شہیر حسن کے سرہانے جا کر بیٹھ گئی۔

''ہاں یار پلیز! دبا دو سچ بہت سکون ملتا ہے ورنہ مجھے تو کبھی کبھی لگتا ہے اماں کی فضول باتوں اور حرکتوں کو سوچ سوچ کر ہی میرا سر پھٹ جائے گا''۔

''مت سوچا کریں ناں آپ اپنا نہیں تو میرا ہی خیال کرلیا کریں جانتے ہیں نا مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے آپ کو اس طرح ٹینشن میں دیکھ کر''۔ وہ ہولے ہولے شہیر حسن کا سر دباتی رہی تھی اور آگے کی پلاننگ کا لائحہ عمل سوچتی رہی۔

''یہاں ساس، نند بھی بیٹھی تھیں انہیں بھی گرمی لگتی ہے مہارانی سے اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ دو گلاس یہاں بھی بنا کے دے جاتی مگر نہیں محنت جو کرنا پڑے گی ہمارے لئے''۔ بلقیس آراء اپنی تسبیح مکمل کر کے لیٹ چکی تھیں۔

''اماں اگر تمہیں لیموں کا شکنجبین پینا ہے تو مجھے بول دو میں بنا دیتی ہوں''۔ اجیارہ کو شدت سے احساس ہوا کہ اسے ہی اماں اور خود کے لئے بنا لینا چاہئے وہ جانتی تھی اگر اپنے لئے نہیں بنائے گی تو وہ بھی نہیں منہ سے لگائیں گی۔

''بیٹا! ہم کوئی کھانے پینے پر مرتے نہیں ہیں بلکہ کھانے پینے پر اکثر وہ لوگ جان دیتے ہیں، جنہوں نے کبھی کچھ دیکھا نہیں اس دعا کو تو میں غریب گھر سے یوں لائی کہ میں نے سنا تھا کہ اکثر ان کے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا تو بیچارے پیاز سے روٹی کھاتے تھے، مگر اس غریب کی بچی نے تو یہاں آ کر اپنا پنجہ بنا دیکھا دیا''۔ بلقیس آراء کو بھی کبھی احساس ہوتا تھا کہ دعا سے اپنے اکلوتے فرمانبردار بیٹے کی شادی کرا کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔

''اماں! چھوڑو نا کیوں دل پر لیتی ہو ٹھیک ہو جائے گا سب اللہ دعا بھابی کو بھی توفیق دے ہی دے گا انشاء اللہ''۔ اجیارہ حسن نے بلقیس آراء کا ہاتھ تھام لیا آنکھوں میں نمی کے ساتھ ساتھ بہت دکھ بھی تھا وہ جانتی تھی کہ اماں کل سے کیوں دکھی اور پریشان ہیں کل ابن کا رشتے کرانے والی خالہ اس کا رشتہ لے کر آئی تھیں لڑکے کا چھوٹا سا یوٹیلٹی اسٹور تھا کرائے کا گھر تھا، مگر بس وہ پولیو کا شکار تھا بلقیس آراء نے صاف انکار کر دیا کہ ابھی ایسا وقت بھی نہیں ہے کہ وہ اجیارہ کی شادی پولیو زدہ آدمی سے کر دیں ایک اپنا چھوٹا سا اسٹور ہی تو ہے اس میں بھی پانچ بھائیوں کا حصہ ہے۔ بس اسی بات کو دل سے لگائے ہوئے تھیں کل سے حالانکہ اجیارہ حسن کتنی بار سمجھا چکی تھی مگر وہ چپ تھیں کچھ بول ہی نہیں رہی تھیں۔

☆☆☆☆

''غنوی! کیا کر رہی ہو بیٹا؟'' سبرینہ اس کے بیڈ روم میں اپنے اور اس کے لئے دو کپ گرم چائے کے ساتھ کچھ بیسن کے پکوڑے اور فرنچ فرائز بھی لائی تھیں، غنوی اپنے لیپ ٹاپ پر بیٹھی کوئی اسائنمنٹ نکال رہی تھی۔

''کچھ نہیں مما! بس کچھ نوٹس دیکھ رہی تھی''۔ انداز بہت مصروف تھا۔

''چھوڑو اسے بعد میں دیکھ لینا فی الحال یہ کھاؤ کھانے پینے کا بالکل ہوش نہیں رہتا تمہیں پڑھائی کے چکر میں

''اور خبردار تم اب کچھ نہیں بولو گی''۔
وہ کچھ بولنا ہی چاہ رہی تھی کہ سبرینہ نے چپ کرا دیا۔
''اوکے ایز یو وش''۔ وہ مان گئی تھی اس کے معصوم چہرے پر بہت سکون تھا۔
''اچھا اب یہ بتایئے آپ میرے ایگزامز کے بارے میں کیوں پوچھ رہی تھیں''۔ اس نے اپنی مغرور آنکھیں اوپر اٹھائیں۔
''ہاں وہ'' سبرینہ نے چائے ختم کر لی تھی' وہ تمہید باندھنا چاہ رہی تھیں۔
''غنویٰ تمہیں سونیا یاد ہے''۔
''سونیا'' غنویٰ نے اپنے دماغ پر زور دیا تھا۔
''سونیا آنٹی آپ کی فرینڈ؟'' اسے یاد آ گیا تھا۔
''ہاں میری بچپن کی فرینڈ سونیا زین''۔
''جی مما یاد ہیں سونیا آنٹی مگر وہ تو لندن سیٹل ہو گئی ہیں نا''۔
''ہاں مگر اب بہت جلد پاکستان آ رہی ہے''۔
''یہ تو گڈ نیوز ہے''۔
''ہاں...... یہ گڈ نیوز ہے اچھا اس کا ایک بیٹا بھی ہے رافع ثانی وہ یاد ہے''۔
''نہیں وہ مجھے یاد نہیں ہیں''۔
''بیٹا غنویٰ بات دراصل یہ ہے کہ رافع ثانی کا پرپوزل تمہارے لیے آیا ہے سونیا نے تمہیں اپنے بیٹے کے لیے پسند کیا ہے اور مجھے اور تمہارے ڈیڈ کو کوئی اعتراض نہیں ہے''۔
''لیکن مجھے اس پرپوزل سے انکار ہے''۔ معصوم چہرے کی رنگت یکدم بدلی تھی۔
''مگر کیوں میری جان! یہ رشتہ بہت اچھا ہے رافع ثانی کو میں نے دیکھا ہے Skype پر بات ہوئی ہے میری ان سے نہایت ہی سلجھے ہوئے لگے ہیں وہ مجھے''۔
''آپ جانتی ہیں نا کہ میں شادی سے کیوں انکار کرتی ہوں تو مما مجھے شادی نہیں کرنی''۔ گلابی ہونٹوں کو دانتوں سے بری طرح کچلا تھا۔
''کوئی وجہ بھی تو ہو''۔ اس بار سبرینہ ہار نہیں ماننا چاہتی تھیں ہر حال میں وہ غنویٰ کو منالیں گی۔
''آپ نہیں جانتی ہیں اس وجہ کو؟'' الٹا اس نے سبرینہ سے سوال کیا تھا۔
''بھول جاؤ غنویٰ وہ سب جو یادیں ہمیں تکلیف دیں دکھ دیں ان کا بھول جانا ہی ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے''۔
''یہ بات بولنا بہت آسان ہے مما! ہر رات جس اذیت جس کرب سے جس تکلیف سے گزرتی ہوں آپ جانتی ہیں آپ سے کچھ نہیں چھپا ہوا یہ میری زندگی کا سب سے کمزور حصہ ہے جو نہ تو میں اپنی زندگی سے نکال کر پھینک سکتی ہوں اور نہ ہی بھول سکتی ہوں''۔ مغرور آنکھوں سے چند موتی ٹوٹ کر عارض پر گرے تھے' معصوم چہرے پر درد کی ایک کہانی رقم تھی۔
''غنویٰ! زندگی یوں نہیں گزرتی ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے اکیس بائیس سال''۔

(باقی آئندہ)

"ماما پلیز! ابھی نہیں۔"

"بچی مت بنو عناس! تمہارے ابو کا خیال ہے اب اس فریضے سے فارغ ہو کر ہی جائیں"۔

"ماما! میں آپ پر بوجھ بن گئی ہوں؟" اس کے بہتے کے شوقین آنسو گالوں کو تر کرنے لگے۔

"پھر وہی فضول سوچ، بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں، فرض ہوتی ہیں اور فرض تو ہر حال میں پورا کرنا ہی پڑتا ہے، بغیر کسی عذر کے فرض کی قضا بھی جائز نہیں"۔ رانیہ اسے خود میں سمو کر دلاسہ دینے لگیں مگر اس کے آنسو کیا تھمتے وہ خود بھی اس کی جدائی کے خیال سے اشک بار ہو گئیں، باتیں ساری منہ ہی میں رہ گئیں اور اشکوں نے ایک نئی فکر کو جنم دے دیا۔

☆☆☆☆

"لڑکی تمہاری کنواری رہ جاتی یہ مانو ہمارا احسان کہ لڑکے نے ہاں کر دی"۔ خوب ہوٹنگ ہو رہی تھی دونوں طرف مقابلہ سخت تھا، دولہا والے تو ایک ماہ کی تیاریوں پر تھے وہ جوش تھا کہ بس، زیدین کے ہال میں داخل





کافی تھا، وہ پہیلی بوجھنے کے تو کیا ہی لائق ہوتی اس کے لبوں نے تحفظ کے لیے چلانا چاہا زیدین جو اس کے بدن کی ہیجانی حرکت سے ہی اس کے خوف کو بھانپ گیا اور اس کے اگلے ارادے سے بھی واقف ہو چکا تھا، اس کے چیخنے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو اس کی آنکھوں سے نیچے لا کر اس کے ہونٹوں پر جما چکا تھا، منہ بند ہوتے ہی عناس نے مدد کے خیال سے ہاتھ پاؤں چلانا شروع کردیئے، زیدین زیرلب مسکراتا اب بھی اسے اصل بات سے متعارف کروانے کے بجائے ایک ہاتھ سے منہ بند کیے دوسرے ہاتھ سے اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ چکا تھا، عناس کی کمر زیدین کے سینے سے لگی تھی تو منہ اور ہاتھ الگ اس کی گرفت میں تھے، عناس کی مزاحمت کی تمام راہیں مسدود ہو چکی تھیں بے بسی کے عالم میں قریب تھا کہ وہ ہوش سے بیگانہ ہو جاتی، زیدین نے اس کے کان میں دھیرے سے کہا۔

''تمہارا بہت اپنا زیدین''۔ زیدین کا تعارف کرانا تھا کہ عناس جو ہاتھ پاؤں تو چھوڑ ہی بیٹھی تھی ایک دل دھڑک رہا تھا، اس نے بھی ساتھ چھوڑ دیا زیدین کی بانہوں میں وہ یوں ساکت ہو گئی جیسے آج کے بعد پھر سانس نہ لے گی، زیدین نے اس موی مجسمہ کو سیڑھیوں پر واپس بٹھا دیا اور اس کے برابر آن بیٹھا۔ وائٹ شلوار قمیض پر بلیک پلین اسکارف اس شرارتی عمل میں بے ترتیب ہو چکا تھا، بالوں کی لٹیں اسکارف سے نکل کر چہرے پر بکھر چکی تھیں، زیدین کو آج کے اس حسین منظر اور دس سال قبل کے معصوم چہرے میں کوئی فرق محسوس نہ ہوا، وہ تب بھی ننھی کلی تھی اور آج بھی شفاف و تازہ پھول وہ اس پر نگاہیں جمائے یوں لگتا تھا، جیسے ہوش سے بیگانہ ہونے کی باری اس کی ہو۔ عناس کے حواس تو واپس لوٹنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے، آنکھوں پر کوئی بندش نہ ہونے کے باوجود اس نے نظر اٹھا کر ایک بار بھی اپنی ذات و وجود کے پارٹنر کو دیکھا تھا، زیدین نے عناس کے نقوش خوب ازبر کرنے کے بعد ایک گہری سانس لی اور اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر چہرہ اپنے روبرو کیا۔

☆☆☆☆

''عناس! اگر تمہیں چند دن پہلے دیکھا ہوتا تو نکاح کے ساتھ رخصتی بھی ضرور کرا تا''۔ زیدین کے لبوں پر مسکراہٹ تھی تو آواز سرگوشی میں ڈھلی تھی، شوخیاں تھیں کہ کوئی اور در جانتی ہی نہ تھیں، یہ منظر کیک پارٹی کی نگاہوں سے گزرتا تو شاید ہوش سے ہاتھ وہ سب کھو بیٹھتے۔ عناس کے اندر اس کی عمر کے ساتھ پنپتا خوف اور تازہ ترین آگہی جو زیدین سے متعلق ہوئی تھی کے باعث وہ سختی سے آنکھیں بند کیے ہوئے تھی، زیدین کو دیکھنے کی فطری خواہش ایک طرف اور کچھ برا دیکھ لینے کے خوف نے اسے کرب میں مبتلا کیا ہوا تھا، زیدین کی زیرک نگاہیں بناء پوچھے اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کے دل کا حال جان رہی تھیں۔

''عناس! کیا آشفتہ سر جو شوق دیدار کے لیے بے تاب ہوئے جاتے ہیں، جان لیں کہ قلب و روح کی ہموار زمین کو ہنوز ناامیدی و مایوسی کی آب و ہو میسر آئے گی''۔ زیدین کے گنجلک استفسار نے عناس کے چودہ طبق روشن کردیئے، اسے ایک نقطہ کی بھی سمجھ نہ آئی تھی، لفظوں کی ڈور میں الجھتی وہ پٹ سے آنکھیں کھول گئی۔ ہلکی براؤن بڑی بڑی آنکھیں جہاں اس کے دل کی دنیا تار تار کر گئیں، وہیں اپنی شرارت کے حسب منشا نتیجے پر اس کے لبوں پر آنے والا قہقہہ یقیناً بے ساختہ تھا، دوسری طرف عناس نہ شاد زندہ تھی نہ رندہ، صاف ستھرا ہلکی شیو سے مزین، سرخ و سفید دبنگ چہرہ اس کے خیال کے بالکل برعکس تھا، وہ اپنے تصور اور حقیقی زیدین میں موازنہ کرنے کے چکر میں ٹکٹکی باندھے اسے تکے جا رہی تھی، اسے خبر تک نہ تھی کہ اس پوزیشن اور لمحہ بھر پہلے کی آنکھیں نہ کھولنے کی ضد میں کتنا تضاد تھا۔

ہوتے ہی النور حویلی کے بلند ترین پر ذرا کی ذرا خاموشی طاری ہوئی تھی بینک پارٹی اس کے خوف سے نہیں احترام کے خیال سے اس کی موجودگی میں خاموش رہا کرتی تھی، زیدین نے مسکرا کرانہیں دوبارہ شروع ہو جانے کا اشارہ کیا اور خود صہیب کے پاس جا بیٹھا، جو دلہن والوں کی طرف سے اپنی دھنائی ہوتے سن رہا تھا۔

''آ ذلالہ! دیکھو تو شادی کرنے کا انجام''۔ اپنے سے ایک سالہ بڑے بھتیجے کے سامنے چچا نے دکھڑا سنایا۔

''دیکھ رہا ہوں بچہ پارٹی خوب جہاد کر رہی ہیں''۔ زیدین نے مقابلہ دنگ بندی کو دلچسپی سے دیکھا، جہاد کی اصطلاح پر تو سب ہی مسکرا اٹھے۔

''عبرت حاصل کرو مجھ سے ایک تو ان کی دلہن بیاہ کر لا رہا ہوں اوپر سے گالیاں بھی سنا رہے ہیں''۔ صہیب جل کر بولا۔

''کوئی بات نہیں یار! یہ اس بات کی علامت ہے کہ دلہن سچ بولنے والوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے''۔ زیدین کی بات پہلے تو صہیب کے پلے ہی نہیں پڑی، جب سمجھ آئی تو دھڑا دھڑ مکے برسانے لگا، سب نے اس کی حرکت کو دلچسپی سے دیکھا، دلہن والوں نے تو باقاعدہ ہوٹنگ شروع کر دی صہیب جھینپ کر اپنی نشست پر جا بیٹھا۔

''اے صفو! آہستہ گاؤ کان پھاڑ کے رکھ دیے ہیں میرے''۔ زوار نے جوش سے گاتی صفیرا کے منہ پر ہاتھ رکھ کر دبایا، صفیرا نے اس کی ہتھیلی پر دانت گاڑ دیے، نتیجتاً وہ زور سے چیخا اس کے چیخنے پر گانے کی ساری طرز ہی الٹ گئی، لیلیٰ تو گانا ہی بھول گئی کہ کونسا گا رہی تھی دوسرا گانا شروع کر دیا سب میں ایسی ہڑبونگ مچی کہ ان کا گانا کہاں کا کہاں جا پہنچا، دلہن والوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ہوٹنگ کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ہم ہیں پاکستانی ہم تو جیتیں گے ہاں جیتیں گے''۔ کے نعرے لگانے لگے، دولہا والے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے حقیقتاً وہ ہار گئے تھے۔

''ہاں تو ہم کوئی ہندوستانی ہیں جو تم پاکستانی ہو''۔ بالی ماں نے ان کے شور مچانے سے عاجز آ کر کہا، ینگ پارٹی نے پہلی بار انہیں تشکر کی نگاہ سے دیکھا۔ بالآخر زیدین کو ہی اٹھ کر صلح صفائی کرانا پڑی زوار اور صفیرا کو خوب گھورا جا رہا تھا، جنہوں نے اصل گڑبڑ کی تھی۔

☆☆☆☆

''النور حویلی'' کے وسیع ہال میں مہندی کی تقریب اپنے عروج پر تھی، زیدین کی نگاہ کافی دیر تک عناس کو کھوجتی رہی، عجب اتفاق تھا عناس کو حویلی آئے ہفتہ بھر سے زیادہ ہو گیا تھا اور نکاح کو ہوئے تین دن گزر گئے تھے مگر وہ ہنوز اس کے دیدار سے محروم تھا، نجانے وہ کونسے خیمے میں تھی کہ زیدین آتے جاتے بھی اس کی ایک جھلک نہ پا سکا تھا، اس کے شوق انتظار کو یکدم قنوطیت نے لپیٹ میں لے لیا، وہ محفل وہنگامہ آرائی چھوڑ کر چلا گیا، کسی نے اسے روکا نہیں اس کے موڈ کے بدلتے رنگوں سے سبھی واقف تھے، لیلیٰ کے کمرے کی طرف تمام تر توجہ ہونے کے باوجود اس نے اپنے قدم مٹیت کی طرف موڑ دیے اس وقت کھلی فضا اس کی سب سے بڑی ترجیح تھی۔ جذبات کی سچائی بے مول نہیں ہوتی، کبھی سنا تھا آج دیکھ بھی لیا، فورتھ فلور کی سیڑھیوں پر اسکارف کی جھلک دل میں شگوفے کھلا دیتے تھے آج پھر یہ پاکیزہ پیرہن اس کی پاکیزہ محبت کا پیش خیمہ ثابت ہوا تھا۔ زیدین کے بھاری قدموں کی چاپ پر بھی عناس کے انداز نشست میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی، وہ سر جھکائے منہ موڑے سوچوں میں تھی۔ عرصے سے مسکراہٹ سے ناآشنا زیدین کے اندر جانے کہاں سے شوخیوں نے جنم لیا، اس نے بے خبر عناس کی جھکی آنکھوں پر اپنے مضبوط ہاتھوں کا قفل لگا دیا۔

عناس کا چونکنا فطری تھا ایسے وقت میں، ایسی جگہ پر بھاری ہاتھوں کا لمس اس کے ہوش اڑا دینے کے لیے

سال عناس کے سر سے اتارا تھا اور آج تک اس کے پاس محفوظ تھا، وہ نکاح کے دن سے اسے جیب میں لیے پھر رہا تھا۔ آج ملاقات ہوتے ہی نکالا اور اس کے سر پر اوڑھا دیا اسکارف عناس کے اعتبار سے چھوٹا تھا مگر سر ڈھانپنے کے لیے کافی تھا۔

''عناس! اس اسکارف نے بالکل تمہارے وجود کا سا کام دیا ہے زندگی کے آبلہ پا سفر میں ایک چھتنار شجر کی مانند رہا تھا''۔ زیدین اس کے ہاتھوں کو نرمی سے دباتا بے اختیار اسے بہت قریب کر گیا تھا، عناس کا دل ناتواں مزید واردات کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے خود میں مگن زیدین کو ہلکا سا جھٹکا دے کر وہ برق کی مانند دوڑ لگا چکی تھی، زیدین اس کی حیا اور اپنی وارفتگی پر مسکرائے گیا۔

☆☆☆☆

''سب اس کا قصور ہے نہ یہ شور کرتا اور نہ یوں ہوتا''۔ وہ اس وقت سے ابھی تک کڑھ رہے تھے، صفیرا اور زوار کی تو خاص دھنائی ہو رہی تھی۔

''سب ہمیں کہے جا رہے ہو اسے کچھ نہیں کہتے جو گانے کو مکس اپ کر گئی تھی''۔ صفیرا نے اپنا بیچ بچاؤ کراتے ہوئے لیلیٰ کو گھسیٹا۔

''اور سچی بات یہی ہے کہ مجھے لیلیٰ نے ہی کنفیوز کیا تھا، اچھا خاصہ میں ماشاءاللہ چہرہ تیرا گا رہے تھے سبحان اللہ چاند سفارش، گانے لگ پڑا تھا''۔ حارث باقاعدہ ایکٹ کرتے ہوئے بولا۔

''بس بس گانا ہی گانا تھا ناں وہ ناں سہی یہ ہی اس میں اتنا بگڑنے والی کونسی بات ہے۔ خبردار جو اب کسی نے لیلیٰ کو کچھ کہا''۔ حمزہ نے فوراً لیلیٰ کی طرف ہوئی توپوں کا رخ پھیر دیا، لیلیٰ اسے مشکور نگاہوں سے دیکھ کر ''بہر حال قصہ مختصر تم لوگ ہار چکے ہو''۔ جویریہ بھابی کے جھنڈا لہراتے ہی مزید شعلہ دکھا دیا، پھر کیا تھا سب نے وہ شور مچایا کہ بس۔

''ذون! کل تم بھی ہمارے ساتھ شریک ہونا ہم نے دلہن والوں سے اپنی ہار کا بدلہ لینا ہے''۔ بیلا نے کافی دیر سے خاموش بیٹھے ذون کو مخاطب کیا۔

''ہاں کل جب صاحب چاچو رخصت ہو رہے ہوں گے، تو تم ڈھولک پر خوشی کے شادیانے بجانا''۔ حمزہ نے ایسے دانت چبا کر کہا گویا بیلا اس کے دانتوں کے بیچ ہو۔

''کل بارات کے فنکشن میں ذون اور بیلا کو ڈھولک تھما کر دروازے پر کھڑا کر دیں گے، ویلکم بھی ہو جائے گا اور آمدنی بھی''۔ حارث نے بھی خباثت کے ساتھ دانت نکال کر کہا، یہاں کوئی ایک بات کرتا سب اس کے پیچھے لگ جاتے تھے، واحد صفیرا تھی جو انہیں دوبدو جواب دیتی ورنہ تو سب کنفیوز ہو جاتی تھیں، بیلا بھی منہ بسور کر رہ گئی۔

''ذون تمہاری بولتی کو کیا ہوا؟'' جویریہ نے ذون کی مسلسل خاموشی پر اس کی طرف دیکھا۔

''تھکنگ بھابی! میں تھک گیا ہوں''۔

''اور کیا بھابی! بیچارا دن بھر لائٹنگ، کیٹرنگ کے انتظامات سنبھالنے کے بعد بمشکل چار پلیٹ بریانی کھا پایا ہے''۔ حمزہ نے کھل کر کہا کیونکہ تمام تر انتظامات اسی نے انجام دیئے تھے، باقی سب نے تو پھر بھی کچھ مدد کی تھی مگر ذون نے تو شکل تک نہ دکھائی تھی، زیدین کا بھائی ہونے کے باوجود وہ انتظامی امور میں زیرو تھا۔

''جی بھابی! صرف بریانی ہی کھا سکا، باقی منجن شب دیگ رس ملائی تو حمزہ صاحب چٹ کر چکے تھے، ہم تو

”میری آنکھوں میں خلوص وایثار کی نمی دیکھ رہی ہو یا میرے چہرے سے وارفتگی کے بے میل جذبات کی تمازت مطلوب ہے، میری خواب زدہ آنکھوں کو نوید دو کہ امیدوں کی فصل برگ وبار لا چکی ہے۔“

”پلیز.....“ عناس کی کانپتی آواز نے ایک بار پھر زیدین کے لیے قہقہے بکھیرنے کے سوا کوئی چارہ نہ چھوڑا یہ ثقیل انداز گفتگو اس کی عادت نہ تھا محض عناس کی کم فہم اردو کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے پہلے آنکھیں کھولنے اور اب آنکھیں جھکا دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ عناس اس زیدین سے تو کبھی واقف نہ تھی وہ کون تھا جس کے بارے میں وہ آج تک سوچتی اور سنتی آ رہی تھی، زیدین سے ملنے کی آرزو اپنی جگہ مگر وہ ایسے باغ وبہار شخصیت کی بالکل بھی توقع نہ رکھتی تھی۔

”عناس تم اس شبیہہ کے عین مطابق ہو جو میرے ذہن نے تراشی تھی“۔ زیدین نے اس کے جھکے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنے سامنے کر لیا، وہ اپنے وصول حق پر کمر بند تھا اور عناس غرق آب کے آخری دہانے پر تھی۔

”وہی کانچ جو پہروں میری سوچ کا مظہر رہے ہیں“۔ زیدین نے اس کی جھکی آنکھوں پر انگوٹھوں سے محراب بنائی، مضبوط وگرم جوش ہاتھوں کے لمس نے عناس کی گردن سے ایڑھی تک پسینہ کی لکیر بنا دی تھی وہ خود میں حرکت کرنے کی سکت نہ پاتی تھی، زیدین تھا کہ ضرب پہ ضرب لگا رہا تھا، اس کے انگوٹھوں نے چہرے کے سفر میں ہونٹوں پر آ کر پڑاؤ ڈالا تھا۔

”وہی لب جیسے انگور کے خوشے کہ جس کی آرزو“

”پلیز مجھے جانے دیں“۔ عناس کی لرزتی آواز نے لفظوں کی بے باکی اور ماحول کے سحر کو بدلا، زیدین اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

”عناس! آج ہی رخصتی نہ کروا لوں؟“

”نہیں نہیں پلیز“۔ زیدین کے شرارت سے کہنے پر عناس بے اختیار کہہ اٹھی اور پھر بری طرح شرما بھی گئی، زیدین کے قہقہے اسے اور بھی زچ کر رہے تھے، اس نے ہاتھوں کو وہ اپنے چہرے سے ہٹا کر اب اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی تھی۔

”فکر نہیں کرو تمہاری مرضی کے بنا رخصتی کی ضد نہیں کروں گا“۔ زیدین نے اس کی غیر ہوتی حالت کے پیش نظر اپنے موڈ کو بدلا اور اس کے سر کو تھپتھپا کر تسلی آمیز انداز میں کہا، عناس نے اسے تشکر کی نگاہ سے دیکھا، آہستہ آہستہ زیدین نے اس کے اندر کے خوف وحواس کو اپنائیت کے احساس میں بدل دیا تھا، چہرے پر سراسیمگی کے بجائے حیا نے جگہ بنائی تھی۔

”لیکن ایک شرط ہے“۔ عناس نے چونک کر سر اٹھایا وہ شرط کے ذکر میں نہ جانے کہاں سے کہاں جا پہنچی۔

”کیسی شرط؟“ گھبراہٹ کے مارے اس کے منہ سے الفاظ بھی ادا نہ ہو رہے تھے۔

”میں تمہارا حسن کامل دیکھنا چاہتا ہوں“۔ زیدین کی بات ایک بار پھر عناس کے سر کے اوپر سے گزر گئی، زیدین نے کہتے ساتھ ہی اپنی بات پر عمل شروع کر دیا اور عناس کی گردن پر لگی اسکارف کی پن کھولنے لگا، عناس حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی زیدین نے اسکارف کھول کر سر سے کھینچ لیا، کھینچنے سے عناس کے بال بکھر کر چہرے پر آ گئے۔

”عناس! تمہاری ایک امانت میرے پاس ہے“۔ زیدین نے اس کے چہرے کی لٹوں کو ہٹایا اور اس کی ناک پر انگلی بجائی عناس کی سوالیہ نظریں زیدین کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر جھک گئیں۔

”تمہارا اسکارف“۔ زیدین نے جیب سے ایک قدرے کم سائز کا اسکارف نکالا یہ وہی تھا جو اس نے سات

کرا کے مزید بات چیت کی بنیاد رکھی۔

''میرا نام عدویہ ہے''۔ لڑکی کا نام بتانا تھا کہ عناس کے حواس چوکنے ہوگئے۔

''اوہو تو آپ عدی ہیں، آئیں ناں مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنا ہیں''۔ عناس اسے ساتھ لئے تخت پر بیٹھ گئی۔

''مجھ سے آپ کو کیا بات کرنی ہے میں تو بس ایسے ہی''۔ عدویہ کے لہجے میں اعتماد کا فقدان تھا، وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ بات کہنے کے لئے الفاظ بھی بھول چکی تھی یا شاید اسے بات کرنے کی عادت ہی نہ تھی۔ عناس کو اس پر رحم آ گیا اس کی نگاہوں کے سامنے عدی ہی کے چچازاد، پھوپھی زاد کزنز کے ہنستے مسکراتے، شرارتیں کرتے چہرے گھوم گئے، یہ بھی انہی کا حصہ تھی، مگر اتنی بزدل، پریشان حال۔

''عدی! آپ سب سے الگ تھلگ کیوں رہتی ہیں؟'' عناس کے لہجے میں اتنا پیار تھا کہ عدویہ نے چونک کر سر اٹھایا اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

''چھوڑو عناس! پرانی بات ہوگئی ہے''۔

''نہیں عدی! یہ حویلی آپ کی بھی اتنی ہے جتنی اوروں کی یہ آپ کے دادا کی حویلی ہے''۔

''ہوں..... جب دادا نے تسلیم نہ کیا تو حویلی کیا؟ جھونپڑی کیا؟'' عدی تلخی سے بولی۔

''آپ نے بھی تو اپنے حقوق کا تحفظ نہیں کیا، بغیر مانگے تو ماں بھی بچے کو دودھ نہیں پلاتی، مگر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ بغیر اپنی شناخت کرائے سب آپ کے وجود کو تسلیم کرلیں گے''۔ عناس اپنی عمر سے بڑی باتیں کرنے لگی، عدی کو ذرا سی لڑکی کی پرعزم تقریر نے چونکا کر رکھ دیا تھا، کبھی کبھی بوسیدہ تالے ایک ضرب سے کھل جایا کرتے ہیں چاہے پہلے کتنی ہی ضربیں نہ لگائی جا چکی ہوں۔

''عناس! تم نہیں جانتیں میں منحوس ہوں میری پیدائش پر ابو کا انتقال ہوگیا تھا''۔

''یہ کس نے کہا؟'' عناس نے حیرت سے پوچھا۔

''سب یہی کہتے ہیں''۔ عدویہ دلگرفتی سے گویا تھی۔

''شٹ حد ہوگئی اتنے براڈ مائنڈڈ نظر آنے والے ایسے بیک ورڈ خیالات رکھتے ہیں''۔ عناس تڑخ کر بولی۔

''اچھا چھوڑیں ماضی کو جو ہونا تھا ہو چکا اب چلیں میرے ساتھ، آپ بھی ماموں کی شادی میں شریک ہوں''۔ عناس اس کے ہاتھ کو کھینچ کر ساتھ لے جانے لگی۔

''نہیں نہیں عناس! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' عدی ایسے گھبرائی جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو۔

''کیسے نہیں ہو سکتا جیسے ہم ہیں، ویسے آپ ہیں ذات ایک خون ایک پھر یہ فرق کیسا؟'' عناس کی ضدی پن سے نپٹنا عدی کے لئے ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔

''عناس! تم میں، مجھ میں فرق ہے''۔ عدویہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''کیا فرق ہے؟ اور کس نے جنم دیا ہے اس فرق کو؟'' سوال کرتے وقت عناس کے ذہن میں صرف زیدین کا تصور تھا، جس کی غیر اخلاقی حرکت کی وجہ سے عدویہ اب کسی کا سامنا کرنے سے کتراتی تھی، اس خیال سے عناس کے اندر اتھل پتھل شروع ہوگئی، کل کا حسین اتفاق اور عناس کی بتائی حقیقت میں وہ کیسے مماثلت کرے۔

''زوبیہ پھپھو اور ان کے شوہر نے''۔ عدویہ اس کی محبت کے آگے ہار گئی اور آخر بتا ہی دیا، لیکن اس کا جواب عناس کی توقع کے خلاف تھا۔

صرف مینو میں نام ہی جان سکے۔ ذون نے باقی باتیں تو برداشت کر لیں لیکن چار پلیٹ بریانی کا طعنہ ہضم نہ کر سکا فوراً جوابی فائر داغا۔

''اوہو...... پھر شروع بہت تنگ کرتے ہو کبھی کبھی تم لوگ''۔ صفیرا نے کہتے ہوئے جمائی لی۔

''صفو! منہ پہ ہاتھ رکھ کر جمائی لو میرا دل ویسے ہی بہت کمزور ہے''۔ زدار نے صفیرا کے منہ پر ہاتھ رکھا، جواباً صفیرا نے پھر اس کے ہاتھ پر کاٹ لیا زدار چیخ اٹھا۔

''انہوں نے شام کو یہی حرکت کر کے ہمیں ہرا دیا اب تو انہیں مت چھوڑنا''۔ تیمور کے الٹی میٹم پر سب کشن تکئے اور مکوں کے ساتھ ان دونوں پر چڑھ گئے۔

☆☆☆☆

''عناس! جلدی آؤ نیچے بارات جانے کے لئے بالکل تیار ہے''۔ لیلیٰ جلدی جلدی لپ اسٹک کو فائنل ٹچ دیتے ہوئے عناس سے بولی، جو بیڈ پر ترچھی لیٹی ہوئی تھی، اس نے لائٹ پرپل کلر کے تنگ پاجامہ اور شارٹ شرٹ ود آؤٹ سلیولیس پہن تو لیا تھا، مگر نہ تو بال بنائے تھے نہ جیولری وغیرہ کا ارادہ تھا الٹا قنوطیت کا شکار ہو کر لیٹ گئی تھی۔

''عناس! جلدی کرو زیدین لالہ ذرا بھی دیر برداشت نہیں کریں گے، انہوں نے الٹی میٹم دیا ہے کہ نو بجے بارات روانہ ہو جائے گی، خواہ کوئی ریڈی ہو یا نہیں اور یار وہ جو کہتے ہیں کر کے دکھاتے ہیں''۔ لیلیٰ کا انکشاف وہ واحد بات تھی جس سے عناس بھی واقف تھی، زیدین سے ایک ہی ملاقات نے اس کے دل میں کتنی ہلچلیں کھلا دی تھیں، وہی دماغ جو ہر وقت ان کے ماضی میں اٹکا رہتا اب آنے والے وقت میں ان کی قربت کی شدت سے سرشار رہتا۔

''عناس......'' لیلیٰ کے بار بار پکارنے پر اس نے محض اس کا دل رکھنے کے لئے اٹھ کر اسکارف سر پہ باندھ لیا۔

''ارے بال تو بنا لو ٹھیک ہے''۔

''لیلیٰ پلیز! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، میں کھلی فضا سے ہو کر آتی ہوں''۔ وہ لیلیٰ کے تابڑ توڑ سوالوں سے بچنے کے لئے دو ٹوک بات کہہ کر باہر نکل آئی۔ چھت پر آئی تو تائی ماں کے پان کے پتے بکھرے ہوئے تھے، انہیں سمیٹنے لگ گئی لیکن اسے محسوس ہوا کہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی چھت پر ہے، وہ زیدین یقیناً نہیں تھا کیونکہ ایک تو وہ اسے اپنی آنکھوں سے حویلی کے دروازے پر سب کو گاڑیوں میں سوار کراتے دیکھ کر آئی تھی اور دوسرے حسین اتفاق ہر بار تو نہیں ہوتے، وہ دھیرے سے چلتی آہٹ کی سمت گئی تو حیران رہ گئی۔ تیس اکتیس سالہ لڑکی صاف و دلکش چہرہ، لمبے گھٹنوں کو چھوتے بال اس کے لئے انتہائی اجنبی صورت اور وہ بھی رات کے وقت چھت پر جبکہ تمام حویلی کے لوگ شادی کے لئے روانہ ہو رہے تھے، بات ہضم ہونے والی ہرگز نہ تھی اور پھر لڑکی کا اعتماد سے عاری انداز عناس کو دیکھتے ہی ہراساں ہرنی کی مانند دوڑ لگانے کی کوشش عناس کے لئے اچنبھے کا باعث تھی، کیا اس سے بھی زیادہ ڈرپوک کوئی تھا، وہ اپنی سوچ پر آپ ہی ہنس دی اور آگے بڑھ کر مقابل کا راستہ روک لیا۔

''آپ کون ہیں، میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا؟'' لڑکی کو آگے بڑھتے دیکھ کر اس نے ہاتھ تھام لیا اور تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''میں عناس جہانگیر، رانیہ جی کی بیٹی دبئی سے آئی ہوں، آپ بتاؤ کون ہو''۔ عناس نے اپنا تعارف

☆☆☆☆

''لیلیٰ، لیلیٰ آں......'' ذون، لیلیٰ کو پکارتا اس کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اندر سے نکلتی عدویہ سے بری طرح ٹکرا گیا، عدویہ گرنے والی تھی ذون اسے سنبھالتے سنبھالتے دیوار سے جا لگا، وہ دیوار سے ٹیک لگائے تھا اور عدویہ اس کے بازوؤں میں گرفتار اس کے سینے سے جا لگی۔

''پلیز......'' عدویہ نے مزاحمت کی مگر ذون ٹس سے مس نہیں ہوا۔

''پلیز! چھوڑ بھی دیں'' ۔عدی نے اس کے بازوؤں سے نکلنے کی ایک زوردار کوشش کی، ذون جیسے خواب سے چونک اٹھا، وہ یک ٹک اس کے چہرے کو تک رہا تھا، اس نے لاکھوں حسین چہرے دیکھے تھے مگر اس عام سے چہرے میں ایسا کیا تھا، کیا نیا پن تھا جو آنکھ کو خود پر سے ہٹنے نہیں دیتا تھا، اس نے عدویہ کو تو چھوڑ دیا مگر ہاتھ نہ چھوڑا۔

''چھوڑیں'' ۔عدی سخت گھبراہٹ کا شکار تھی اور اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کر رہی تھی، سر منڈاتے ہی اولے پڑنے کی مثل اس پر صادق آ رہی تھی، عناس اسے نیچے کیا لائی تھی کہ ایسی شخصیت سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔

''اور ہوں نا ممکن میں یہ ہاتھ نہیں چھوڑوں گا'' ۔عدویہ کی منمناتی آواز نے اسے شیر کر دیا تھا ڈھیٹ پن سے بولا، عدی نے اسے ایسا دیکھا گویا کہہ رہی ہو اچھی زبردستی ہے، حالانکہ صغیرا ہوتی تو صاف کہتی تمہارے باپ کا ہاتھ ہے جو نہیں چھوڑو گے''۔

''پہلے آپ کو بتانا پڑے گا کہ اتنے عرصے سے کہاں تھیں؟'' عدویہ نے اسے حیرت سے دیکھا پھر سر جھکا دیا۔

''بتائیں ناں کہ آپ پہلے کہاں تھیں؟'' ذون نے پھر اپنی بات دہرائی اور ساتھ میں اس کے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا بھی دیا۔

''جی میں سمجھی نہیں'' عدویہ نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''اچھا آپ کو آسان زبان سمجھ نہیں آتی تو چلو یہ زبان سن لو۔

''کہاں تھا یہ حسین چہرہ

کبھی پہلے نہ کیوں دیکھا''

''جی......'' عدی اتنا ہی کہہ سکی کہ عناس پکارتی ہوئی کمرے سے نکلی، ذون قریبی کمرے میں رفو چکر ہو گیا تھا عدی اپنے ہاتھ کی رہائی پر گہرا سانس لینے لگی۔

☆☆☆☆

''او......عدی آپا!'' صغیرا نے بس میں سوار ہوتے ہوئے کہا۔

''کہاں؟'' لیلیٰ نے اس کے ہاتھ کے اشارے کی طرف نگاہ دوڑائی، بیلا کا اشتیاق بھی دیکھنے لائق تھا، عدویہ نے سمپل جارجٹ کا گرین سوٹ پہن رکھا تھا، صرف دوپٹہ ذرا شوخ تھا، اور میک اپ میں وہ صرف لپ اسٹک لگائے ہوئے تھی وہ بھی عناس نے زبردستی کی تھی مگر چونکہ وہ عام حالات میں حد سے زیادہ سادہ رہتی تھی، اس لیے ذرا سے سنگھار نے اسے دوگنا نکھار بخش دیا تھا، وہ ڈری سہمی بس کی سیٹ پر بیٹھی تھی، جہاں اسے زیدین نے بٹھایا تھا۔ عدی آپا ہائے، ہیلو، سلام اور نجانے کیا کیا کہتی سب اس سے چمٹ گئی تھیں وہ سب اس سے محبت تو کرتے تھے مگر زوبیہ کے خوف سے نہیں بلکہ تائی ماں کے احترام کے باعث ملنے سے کتراتے تھے، تائی ماں پرانے خیالات کی خاتون تھیں، سیاست سے دور، جس نے جو راہ دکھائی چل پڑے کے مصداق سب کی طرح

''زوبیہ پھپھو......؟'' اس نے بے یقینی سے سوال دہرایا کہ شاید اسے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہو۔

''ہاں وہ مجھے منحوس کہتی ہیں، میرا حویلی میں آنا جانا بھی انہیں پسند نہیں، انہوں نے شاہ جہاں سے بارہا کہا ہے کہ اگر میں حویلی میں چلتی پھرتی نظر آتی تو وہ حویلی چھوڑ کر چلی جائیں گی، میں نہیں چاہتی میری وجہ سے کوئی بدمزگی ہو اس لیے میں خود ہی سب سے دور رہتی ہوں، حالانکہ تمہاری طرح زیدین بھی بہت اصرار کرتا ہے۔''

''کیا اصرار کرتے ہیں؟'' عناس کے دماغ میں کچھ اور ہی آیا۔

''یہی کہ حویلی کے ایک فرد کی طرح رہوں، دوسروں کے ساتھ غم و خوشی میں شریک ہوا کروں۔'' عدویہ سادگی سے کہے جا رہی تھی عناس کے دل کی اسے خبر نہ تھی۔

''اور کیا کہتے ہیں؟'' عناس زیدین کے ذکر میں پہلے بھی بہت دلچسپی رکھتی تھی، اب تو سب کچھ اپنا اپنا سا لگتا تھا، ذکر زیدین کا ہوتا تھا اور اسے لگتا کہ بات اس کی اپنی ہو رہی ہو۔

''بس یہی کہتا ہے کہ خود پر سے یہ خول اتار دو ابھی کچھ دیر پہلے بھی ساتھ لے جانے کے لیے ضد کرتا رہا لیکن میں......''

''لیکن مجھے آپ ناکام نہیں لوٹا سکتیں میں آپ کو لے جا کے دکھاؤں گی۔'' عناس نے اس کی بات کاٹ کر اتنی ہمت بھری لے سے اسے کھینچا کہ عدی اس کی چند لمحوں کی آشنائی میں اس درجہ بے تکلفی پر حیران رہ گئی وہ مزاحمت کرنا چاہتی تھی مگر پہلی بار کسی نے ایسا لاڈ اور پیار بھری زبردستی کی تھی وہ اس کی محبت کو رد کرنے کی ہمت بھی نہ کر سکی۔

''عناس! کوئی دیکھ لے گا۔'' خود کو زبردستی نیچے لے جانے والی عناس کو اس نے روکنے کی ناکام کوشش کی۔

''تو دیکھ لے میں کسی سے نہیں ڈرتی۔'' عناس تن کر بولی اور اپنا کام جاری رکھا۔

''ہاں یہ ریسلنگ کی عالمی بیلٹ ہولڈر ہیں یہ کسی سے نہیں ڈرتیں۔'' زیدین کی آواز پر دونوں چونک اٹھیں جو کہ عدویہ کی منت نہ کر سکی وہ زیدین کی آواز نے کر دکھایا عناس عدویہ کا ہاتھ چھوڑ کر اس کی اوٹ میں ہو گئی تھی اس کی پیاری ادا پر زیدین کے لبوں پر آنے والی مسکراہٹ بھی بہت پیاری تھی۔

''وہ زیدین! عناس کہتی ہے کہ تم صہیب چاچو کی شادی میں شرکت کرو۔'' عدویہ نے زیدین کے سامنے جس اعتماد سے بات کی، وہ عناس کو باور کرانے کے لیے کافی تھا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہ تھے۔

''ہاں ٹھیک ہی تو کہتی ہے میری وائف مجھ سے الگ کیونکر سوچ سکتی ہے۔'' زیدین کے لہجے میں مابین رشتے کا تفاخر دیکھنے لائق تھا، عناس کے تو بس نام سے ہی زیدین کے اندر شوخیاں سر اٹھا لیتی تھیں اور جب سراپا سامنے ہوتی تھی تو اوں ہوں اس نے سوچ کو بے قابو ہونے سے روکا اور عناس سے مخاطب ہوا۔

''عناس! اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور اچھی طرح سے تیار کرو، آج سے اس کا خود ساختہ خول ٹوٹ جانا چاہیے۔'' زیدین کی شہہ پا کر عناس اور بھی دیدہ دلیری سے اسے ساتھ لے جانے لگی، جو کہ اب بالکل ان دونوں کے رحم و کرم پر تھی، عدویہ کے پہلے سیڑھی سے اترتے ہی اس نے قدم اٹھایا تو زیدین نے پیچھے سے دونوں کندھے تھام کر دھیرے سے کہا۔

''عدی کو تیار کرنے کے ساتھ خود کو بھی سنوار کے نیچے آنا میں ویٹ کر رہا ہوں۔'' زیدین کی سرگوشی اور سنورنے کے ذکر پر اس کے کھلے بالوں پر ہاتھ پھیرنے عناس کی ساری بہادری بھر بھرا کر دی، اس نے عدی کو وہیں چھوڑ کر ایک بار پھر دوڑ لگا دی، اس کے بھاگنے اور زیدین کے ہنسنے نے عدی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ سجا دی۔

رہی تھی یا چہرے کی دائیں طرف جو اس نے تکیے پر رکھی تھی، ایک ہاتھ تکیے پر تھا اور دوسرا بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا زیدین جو اس سے اپنی فرمائش کے باوجود سنور کے نہ آنے کا شکوہ کرنے آیا تھا، اسے دیکھ کر سب بھول گیا وہ جب بھی اسے ملی تھی ایک نئی لذت سے روشناس کرا کے گئی تھی ہر بار نیا روپ، نیا نظارہ دکھاتی تھی۔

زیدین دبے پاؤں چلتے ہوئے اس کے بیڈ کے پاس آ کھڑا ہوا عناس کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ وہ گہری نیند میں ہے، گھر بھر شادی میں مصروف تھا اور اس کی بے ہوشی دید کے قابل تھی، زیدین نے اس کے گال سے بال ہٹانے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر درمیان میں روک لیا اس کے لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی اور دل میں سرمستیاں سر ابھار رہی تھیں، وہ بیڈ کی سائیڈ پر دھیرے سے بیٹھا اور آہستگی سے اس کے گال کے پاس لب لے جا کر ہلکے سے پھونک مار کر اس کے بال اڑانے لگا، عناس ہلکا سا کسمسائی زیدین نے اس کی نیند میں خلل کے خیال سے اپنی حرکت ترک کر دی، دل شرارت کی طرف مائل تھا مگر غیرت فطری نے گوارہ نہ کیا، وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پاس رکھی چادر اس کے اوپر اوڑھا دی ایک آخری نگاہ سے اس کا چہرہ دل میں اتارا اور لائٹ آف کر کے باہر گیا۔

باقی تمام وقت اس نے ہال میں ٹہلتے ہوئے گزارا گہری نیند میں ڈوبی عناس کو وہ اکیلا چھوڑ کے جانا نہیں چاہتا تھا، عناس کے معاملے میں اسے فرمانبردار بوڑھے ملازمین تک پر اعتبار نہ تھا۔



''شاہجہانی! یہ آپ نے کیا کیا ہے؟'' زوبیہ تیر کی طرح کمرے میں داخل ہوئیں اور چلاتے ہوئے بولیں۔ شاہجہانی، تائی ماں، چاچا جان، چچی، صہیب بمعہ دلہن، جہانگیر اور رانیہ سب کمرے میں موجود تھے۔

''کیا ہوا ہے زوبیہ! آرام سے بیٹھ کر بات کرو''۔ شاہجہانی مجھ کے بھی انجان بن کر بولے، اس مرحلے کے لیے وہ پہلے سے خود کو تیار کیے ہوئے تھے۔

''شاہجہانی! مجھے ایک پل کو سکون نہیں ہے میری بیٹی کے حق پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے میں کیسے آرام سے بیٹھوں''۔ یہ زوبیہ، رانیہ کو چھبتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ کر بولیں، ان کا لہجہ حد درجہ ہتک آمیز تھا، وہ اس وقت صرف حنا کی ماں تھیں بہن کا رشتہ وہ فراموش کر چکی تھیں۔

''زوبیہ! تمہاری بیٹی تمہاری بھی بیٹی ہے ہم اس کے ساتھ زیادتی کیسے کر سکتے ہیں؟'' تائی ماں اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''زیادتی تو آپ کر ہی چکی ہیں، آپ کو ذرا بھر بھی اپنی بیوہ بھتیجی کا خیال نہیں آیا، عناس ابھی جوان ہے کنواری ہے اسے تو ہزاروں رشتے مل جاتے''۔

''زوبیہ! یہ تو نصیبوں کی بات ہے جو اوپر لکھا جا چکا تھا وہ ہو گیا''۔ رانیہ نے بیٹی کی حمایت میں نرمی سے کہا۔

''ہاں واقعی تم اپنی بیٹی کا نصیب جگانے دبئی سے یہاں آئی ہو تو ظاہر ہے تمہیں کچھ تو حاصل ہونا چاہیے تھا''۔

''شٹ اپ زوبیہ! عناس تمہاری بھی بیٹی ہے، تمہیں شرم آنی چاہیے ایسی بات کہتے ہوئے''۔ جہانگیر فرط غیرت سے سرخ ہو گئے تھے۔

''عناس جس طرح میری بیٹی ہے اسی طرح حنا بھی آپ کی بیٹی ہے، آپ نے اس کے بارے میں سوچا''۔ زوبیہ تو جیسے ہر ایک کو کچا چبا رہی تھیں نہ کسی کا لحاظ نہ مروت۔

''زوبیہ! بہت ہو گئی اب تم مزید کچھ الٹا سیدھا نہیں بولو گی، بیٹھو یہاں اور غور سے میری بات

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

وہ بھی عدی کو منحوس قرار دے چکی تھیں لیکن آج عناس کی ہمت اور سب کے والہانہ استقبال کو دیکھ کر وہ اپنی سوچ پر شرمندہ دکھائی دیتی تھیں مگر تسلیم کر لینے کی ہمت زیدین نے پیدا کی جو نجانے کب ان کے پاس آ بیٹھا تھا۔

''تائی ماں! اپنی بیٹی کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھیں، اس کی اب تک کی زندگی کی محرومیوں کا ازالہ ہو جائے گا''۔ اولاد کی محبت سے چور تائی ماں کا دل تڑپ اٹھا مگر چچی اور زوبیہ کے خیال سے بیٹھی رہیں۔

''ماں زودن کی عمر کتنی تھی؟ جب ابو کا انتقال ہوا؟'' زیدین کے غیر متوقع سوال پر تائی ماں حیران ہوئیں سب کی نظریں ان پر گڑھی تھیں۔

''بتائیں ناں کتنی عمر تھی زودن کی؟''

''یہی کوئی چند ماہ کی تھی'' ۔تائی ماں اندازے سے بولیں۔

''تو ماں وہ منحوس کیوں نہیں ہے؟'' زیدین کی بات پر سب ہی لاجواب تھے۔

''ماں! یہ عتاب صرف عدویہ پر کیوں جبکہ حنا جس دن پیدا ہوئی تھی اسی دن دادی ماں کا بھی انتقال ہوا تھا، وہ منحوس کیوں نہیں سمجھی گئی، اس لئے کہ وہ زوبیہ پھپھو کی بیٹی ہے اور اس کے سر پر باپ کا سایہ ہے اور عدویہ کے سر پر کوئی نگران نہیں ہے، اشعر چاچا اپنی اکلوتی نشانی کی بے وقعتی پر خوش ہوں گے''۔ زیدین نے تائی ماں کی برین واشنگ کی جو وہ اکثر کرتا ہی رہتا تھا، مگر آج شاید ماحول کا اثر تھا یا عدوی کی بدنصیبی کا آخری دن ہر کوئی زیدین سے متفق نظر آتا تھا۔

''اٹھو زیدین کی ماں آج اپنے بیٹے کی بات نہیں مانو گی''۔ شاہجہانی نے تائی ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تائی ماں کیا اٹھ کر جاتیں عدی خود ان کے قدموں سے آ کر لپٹ گئی تھی برسوں پرانی من گھڑت کہانیاں اپنے انجام کی طرف رواں دواں تھیں۔

''لالہ! بہت دیر ہو گئی وہاں سب انتظار کر رہے ہوں گے''۔ صہیب نے زیدین کو احساس دلایا سب کو اپنی پڑی تھی اور صہیب جاہ کو اپنی۔ زیدین نے سب کو اپنی اپنی جگہ بیٹھنے کا اشارہ کیا، عدی تائی ماں کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''سب آ چکے ہیں ناں؟'' زیدین نے تمام بس میں نگاہ دوڑائی مگر اسے عناس نظر نہیں آئی، اس لئے دوبارہ پوچھا سب کا کہنا یہی تھا کہ سب آ چکے ہیں، مگر اس کا اپنا نہیں آیا تھا یہ صرف وہ جانتا تھا۔

''عناس کہاں ہے؟'' بالآخر اس نے دوٹوک دریافت کیا۔

''وہ نہیں آ رہی اس کے سر میں درد ہے''۔ عدی کی طرف سے جواب آیا۔

''لیکن ابھی تو''۔ زیدین چند لمحے پہلے کی بات یاد کر کے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ خاموش ہو گیا اور کسی سے کچھ کہے بغیر بس سے اتر گیا۔

☆☆☆☆

بارات روانہ کرانے کے بعد وہ عناس کے کمرے کی طرف آیا، دروازے پر ناک کرنے کے باوجود کوئی رسپانس نہ ملا کچھ سوچ کر زیدین دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا، کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، زیدین آہستہ سے چلتا ہوا الیکٹرک بورڈ تک گیا اور سوئچ آن کر دیا کمرہ یکدم روشن ہو گیا۔ زیدین نے عناس کو دیکھا تو اس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ اور آنکھوں میں گہرا خمار چھا گیا، عناس کی پوزیشن بھی تو ایسی تھی آج زیدین نے اسے پہلی بار بغیر کورٹ اور اسکارف کے دیکھا تھا وہ عام سا کاٹن کا سوٹ پہنے ہوئے تھی بال ہیئر بینڈ سے آزاد بیڈ پر بکھرے ہوئے تھے، وہ بیڈ پر اوندھا لیٹی تھی، تکیے کو اس نے اپنے نیچے دبا رکھا تھا، زیدین کو صرف اس کی پیٹھ دکھائی دے

سنو"۔ شاہجہانی نے بات بڑھتے دیکھ کر غصے سے کہا، زوبیہ نا چاہتے ہوئے بھی خاموشی سے تک گئیں۔
"زوبیہ! ہم نے تمہارے کہنے پر تمہارے سامنے ہی زیدین سے بات کی تھی، مگر اس کا جواب تم نے بھی سن لیا تھا اب کیا ہم اس پر زبردستی کرتے"۔
"شاہجہانی! آپ سب کچھ کر سکتے تھے اگر چاہتے تو آپ نے دل سے کوشش ہی نہیں کی"۔ زوبیہ ان کی بات کاٹ کر پھر بول پڑیں۔
"تم کیسے کہہ سکتی ہو؟ ہم نے کوشش نہیں کی، زیدین کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھا، اب اس پر زبردستی نہیں کی جا سکتی وہ وقت گزر گیا جب تم نے اور تمہارے شوہر نے ہر غلط و ناجائز بات منوائی ہے"۔ تائی ماں پہلی بار زوبیہ کے سامنے اس لہجے میں بولیں، ورنہ تو وہ زوبیہ سے دبتی ہی آئی تھیں مگر آج زیدین کا پر مسرت چہرہ انہیں نیا حوصلہ دے گیا وہ ایک مدت سے زیدین کو ایسا دیکھنے کی متمنی تھیں۔
"ہوں...... آپ نے کوشش کی یہی کوشش کی کہ میری غیر موجودگی میں جلدی سے نکاح پڑھوا دیا، تاکہ میں خاموشی سے بیٹھ جاؤں" "لیکن ایسا نہیں ہوگا شاہجہانی زیدین کو اسے چھوڑنا ہوگا"۔ زوبیہ کی بات پر جہانگیر اور رانیہ نے بیک وقت شاہجہانی کو دیکھا گویا کہہ رہے ہوں کہ دیکھ لیجیے ہم اسی بات سے تو ڈرتے تھے۔
"زوبیہ! یہ بات جو آج تم نے کہی ہے، آئندہ زبان پر مت لانا یہ حویلی کے مفاد کے لیے اچھا ہوگا ورنہ نقصان کی ذمہ دار تم ہوگی"۔ شاہجہانی نے اسے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔
"کیا نقصان ہوگا حویلی کا؟ جو نقصان آپ نے مجھے اور میری معصوم حنا کو پہنچایا ہے اس کا ازالہ کون کرے گا؟"
"ہم کریں گے"۔ زوبیہ کے شعلے اگلتے منہ کو بند کرنے کے لئے شاہجہانی یکدم بول اٹھے۔
"ہم نے حنا کے بارے میں سوچ کر زیدین کا سوچا ہے، حنا بھی نقصان میں نہیں رہے گی"۔
"شاہجہانی......
"بات سنو میری زوبیہ!" شاہجہانی نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔
"حنا کی شادی ذون سے ہوگی"۔
"جی......" شاہجہانی کی بات پر سب حیرت سے انہیں دیکھنے لگے، اس بات کی تو کسی کو بھی امید نہ تھی۔
"شاہجہانی ذون حنا سے بہت چھوٹا ہے"۔ چچا جان نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے ذون، حنا کے لئے گرم گوشہ رکھتا ہے دعا سے محبت کرتا ہے بس اور کیا چاہیے عمر کے فرق سے کچھ نہیں ہوتا"۔ زوبیہ اس بار خاموش رہیں انہیں یہ فیصلہ قدرے بھا گیا تھا لیکن وہ حنا سے بات کیے بغیر کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں اس لئے خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"شاہجہانی! میں آپ کو کل اس بات کا جواب دوں گی"۔ زوبیہ کے جاتے ہی چچا اور چچی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔
"جاؤ صہیب! دلہن تھک گئی ہوگی شام کو ولیمہ بھی ہے اپنے کمرے میں آرام کرو"۔ شاہجہانی نے صہیب کو بھی بھجوا دیا۔
"رانیہ! یہاں آؤ"۔ شاہجہانی نے گم صم بیٹھی رانیہ کو اپنے پاس بلایا وہ زوبیہ کی باتوں سے کافی ہرٹ ہوئی تھیں۔
"رانیہ! تم شروع سے اس کا مزاج جانتی ہو، یہ ایسی ہی ہے ابا جان نے اسے کافی ڈھیل دے رکھی تھی یہ اسی طرح نامعقول بولتی ہے تم اس کی باتوں کو دل پر نہ لو"۔ شاہجہانی اس کا سر تھپکتے ہوئے بولے۔

پرسوں کی ہار کا بدلہ لے لیا کل"۔ صفیرا خوشی سے عناس کو بتا رہی تھی، آج وہ لوگ خود لیلیٰ کے کمرے میں گھس آئے تھے کیونکہ عناس ہزار بار کہنے کے باوجود باہر نہ آتی تھی، لیلیٰ نے خوب شور مچایا تھا سب اس کا کمرا جو خراب کر دیتے تھے، مگر کسی نے ایک نہ سنی اور گھس کر بیڈ پر جا بیٹھے حمزہ نے تو آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا تھا، پہلے کرسی پر بیٹھا اٹھتے وقت اسے الٹ دیا پھر صوفے پر بیٹھ کر تمام کشن اور کور صوفے کے پیچھے پھینک دیئے اور اب ڈریسنگ کے سامنے کھڑا ہر چیز کو کھول کر آئینہ کے اوپر استعمال کر رہا تھا، لیلیٰ صرف اسے گھور رہی تھی اسے روکنا اس کے بس میں نہ تھا۔

"اور عناس! چاچی اتنی خوبصورت لگ رہی تھیں کہ بس"۔ بیلا نے ایسے چٹخارہ لیا گویا چاچی کوئی چٹنی ہو۔

"چھوڑو بیلا! دلہنیں سب ہی خوبصورت لگتی ہیں"۔ حفصہ نے بیلا کے انداز سے عاجز آ کر کہا۔

"ضروری نہیں ہے حفصہ بی بی! صفو جب دلہن بنے گی تو خواتین آپس میں چہ مگوئیاں کریں گی۔

"اے بنو کوئی ڈھنگ کا پارلر نہیں ملا تھا تمہیں"۔ حارث نے خواتین کے انداز کو باقاعدہ ایکٹ کر کے بتایا سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"جی جناب اور جب تم دولہا بنو گے تو لڑکیاں اپنی آنکھیں پھوڑ لیں گی کہ یا اللہ ایسا دولہا ہمیں پھر نہ دکھانا"۔ صفیرا منہ بگاڑ کر بولی۔

"اچھا ہے ناں سب اندھی ہو جائیں گی حفصہ کو پھر کوئی ڈر نہیں رہے گا"۔ بیلا نے حفصہ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"حفصہ کو ڈر ہونا بھی نہیں چاہئے اس شکل کو کون پوچھے گا"۔ صفیرا ابھی تک تپ رہی تھی۔

"جس طرح زوار کو کوئی ڈر نہیں"۔ حارث دوبدو بولا۔

"کیا بات ہے؟ زوار آج تم بہت چپ ہو؟" لیلیٰ نے زوار کی خاموشی نوٹ کی ورنہ صفیرا پر چوٹ کرنے میں اول نمبر پر وہی آتا تھا۔

"لیلیٰ! میں بھی چپ ہوں مجھ سے بھی پوچھو"۔ حمزہ نے فوراً لیلیٰ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔

"آپ چپ ہیں لیکن کام برابر کیے جا رہے ہیں آپ سے کیا پوچھنا؟" لیلیٰ اس کی حرکتوں سے تنگ آ کر بولی۔

"اوئے اوئے میری لیلیٰ ناراض ہو رہی ہے، یہ لو میں بیٹھ گیا ہوں اب کچھ نہیں کرتا بس"۔ حمزہ جھٹ سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"عناس! تم رات کو کونسا جوڑا پہنو گی؟" بیلا اشتیاق سے بولی اس ذکر کے اسٹارٹ ہوتے ہی لڑکے بوریت کے نعرے لگاتے رفو چکر ہو گئے۔

"بتاؤ ناں عناس؟" بیلا نے پھر اس کا گھٹنا ہلایا۔

"بیلا! میں کوئی ولیمہ اٹینڈ نہیں کروں گی"۔ عناس جان چھڑاتے والے انداز میں بولی۔

"کیوں؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں تم نے شادی کا ایک بھی فنکشن اٹینڈ نہیں کیا اور اب تو یہ تقریب حویلی ہی کے لان میں ہو گی تم شرکت کر سکتی ہو"۔ صفیرا اسے سمجھانے کے انداز میں گویا تھی۔

"صفیرا میرا دل کچھ کرنے کو نہیں چاہتا، بس دل چاہتا ہے کہ کمرے میں بند رہوں اور خوب روؤں"۔

"جی جیسے رات کو آپ خوب سوئی تھیں تمہاری وجہ سے لالہ بھی بارات میں نہیں گئے کہ تم حویلی میں تنہا ہو"۔ لیلیٰ کی بات پر عناس چونک اٹھی۔

"تو کیا وہ حویلی میں تھے؟ میرے کمرے میں بھی ضرور آئے ہوں گے اف...... میں کتنی گہری نیند سو رہی تھی

''شاہجہانی! مجھے اپنی فکر نہیں ہے لیکن میری ایک ہی بیٹی ہے اور وہ بھی بہت نا سمجھ ہے شاہجہانی وہ ان سب کا مقابلہ نہیں کر سکتی''۔ رانیہ زارو قطار رونے لگیں، ان کی بات نے سب کو آبدیدہ کر دیا جہانگیر تو دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر رہ گئے۔

''کیا ہو گیا ہے؟ پگلی تمہیں ہم پر اعتبار نہیں؟'' شاہجہانی خود پر قابو پا کر بولے۔

''شاہجہانی! اس حویلی میں بڑی پیچیدگیاں ہیں یہاں کی سازشوں کو تو ایمن بھابی بھی نہ سہہ سکیں، حالانکہ وہ کتنی بہادر اور سمجھ دار تھیں لیکن میری بیٹی تو''۔ رانیہ کو آنسوؤں نے بولنے بھی نہ دیا کمرے میں کافی دیر خاموشی رہی سب آنسو پینے میں مصروف تھے۔

''رانیہ! میں تمہارا درد سمجھتا ہوں تم وسوسوں کا شکار ہو صرف اتنا سوچ لو کہ عناس کا شوہر کوئی معمولی شخص نہیں زیدین ہے، ابوزر کا بیٹا، جس نے جان دے دی، لیکن وفا نہ چھوڑی زیدین باپ سے دو ہاتھ آگے ہے وہ تمہاری بیٹی پر آنچ بھی نہیں آنے دے گا''۔

''تم خود دیکھ لو کہ عدویہ کو عناس سب کے درمیان لائی ہے، زیدین کی پشت پناہی کی وجہ سے اسے کوئی کچھ کہہ نہیں سکا زیدین نے آج تک حویلی کے فیصلوں سے انحراف نہیں کیا، اسے جو کہا گیا آنکھیں بند کر کے کرتا گیا، لیکن عناس کے معاملے میں اس نے کوئی کمپرومائز نہیں کیا تمہیں اپنی بیٹی کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے، اسے زیدین کی پناہ حاصل ہے جو سب سے زیادہ مضبوط اور محفوظ ہے''۔ ان کی باتوں سے رانیہ کو گونا گوں تسلی ہوئی، وہ آنسو پونچھ کر مسکرانے لگیں۔

☆☆☆☆

''ممی! آپ بھی حد کرتی ہیں لوگ کیا کہیں گے؟ کہ زبردستی ذون پر مجھے مسلط کر دیا گیا ہے''۔ حنا بیزارگی سے بولی۔

''حنا! اس سے اچھا موقع اور کوئی نہیں ملے گا، شاہجہانی نے اپنے منہ سے کہا ہے ذون ان کی بات سے انکار نہیں کرے گا زیدین سے امید رکھنا فضول ہے اسے اس عمر میں حور مل گئی ہے، وہ اب ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا''۔

''کیسے ہاتھ نہیں آئے گا آپ دیکھیں تو سہی یہ نکاح کتنے دن چلتا ہے؟'' حنا کی آنکھوں میں انتقام تیر رہا تھا، وہ آغاز تو کر ہی چکی تھی صرف انجام کا انتظار تھا۔

''حنا! وہ تجھے مل بھی گیا تو کیا خاک خوش رکھے گا تو اسے بھول کیوں نہیں جاتی؟'' زوبیہ بیگم کے آگے ساری تیز طراری بھول جاتی تھیں وہ بھی انہی کی بیٹی تو تھی۔

''ممی! مجھے خوش نہیں رکھے گا تو خود بھی خوش نہیں رہ سکے گا ناں، اب تو صرف میں جلوں گی، وہ تو اس حسین چڑیل کے ساتھ گل چھرے اڑائے گا، صرف میں کیوں جلوں وہ بھی میرے ساتھ جلے گا، جب میں روؤں گی تو اسے بھی رونا پڑے گا ممی میں اسے ہنسنے نہیں دوں گی''۔ وہ تلخ لہجے میں کہتی یکدم جنونیت سے چیخ اٹھی زوبیہ اس کی حالت سے خوفزدہ تھیں وہ انتقام میں اندھی ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆

''عناس! رات کو اتنا مزہ آیا کہ بس ہم لوگوں نے صہیب چاچو کے سسرال والوں کو بہت تنگ کیا، چاچو کی سالی تنگ آ کر بغیر پیسے لئے اٹھ کر چلی گئیں بعد میں چاچو نے انہیں بلوا کر پیسے دیئے تھے سچی بڑا مزہ آیا ہم نے

''عدی! بات ہاتھوں کے ملاپ کی نہیں دل کے ملن کی ہے تم مجھے دل یا دو ہاتھ نہیں''۔ ذون تمام تکلفات سے نکل آیا تھا اور آج سب کچھ کہہ دینا چاہتا تھا، کل رات ایک منٹ سو نہ پایا اور مسلسل اس کے چہرے کو سوچنا اسے یہ سمجھا گیا تھا کہ عدویہ ہی اس کی ضرورت ہے، چاہت ہے وہ انیسویں صدی کا آہیں بھرنے والا دل میں چاہت چھپانے والا نوجوان نہیں تھا، آج کے نوجوان ہر بات فوراً کہہ ڈالنے کے قائل ہیں وقت کا ضیاع انہیں قبول نہیں سو اس نے بھی دل کی بات کہنے میں دیر نہیں لگائی۔

''ذون میرا ہاتھ جتنا بڑا ہے دل اتنا ہی چھوٹا ہے میں''۔ عدی کے لہجے کی کپکپاہٹ ذون کو تڑپا گئی۔

''تبھی تو کہتا ہوں میرے بڑے دل کے حوالے اپنا چھوٹا دل کر دو اور چھوٹے ہاتھ میں اپنا بڑا ہاتھ دے دو''۔ ذون نے عدی کی نامکمل بات مکمل کر دی، اور اس کی طرف ہاتھ بھی بڑھا دیا، عدویہ نے حیرت سے اس کا بڑھا ہاتھ دیکھا اور پھر اس کا چہرہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں، اتنا عرصہ محبتوں سے، رشتے ناطوں سے محروم رہنے کے بعد اسے اچانک اتنی ڈھیر ساری محبتیں مل گئی تھیں کہ اس کا دامن تنگ پڑ گیا تھا، وہ اتنی خوشیاں برداشت نہ کر سکی اور وہیں دروازے سے لگ کر بیٹھ گئی اور گھٹنوں میں منہ چھپا کر رو دی گئی۔

''عدی، عدی پلیز!'' ذون تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا۔

''عدی! میں تمہارے آنسوؤں کو کیا سمجھوں اقرار یا انکار؟'' ذون نے عدویہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا، جو کہ آنسوؤں سے تر تھا، ذون کا دل چاہا کہ وہ یہ سارے آنسو چن لے لیکن وہ پہلے وفا کا اعتبار چاہتا تھا۔

''عدی! مجھے اپنے آنسو دے دو یہ میرے لئے موتی ہیں''۔ ذون کا لہجہ محبتوں سے چور تھا، عدویہ کے آنسوؤں میں اور تیزی آ گئی۔

''ذون! میں نے تین سال مسلسل آنسو بہائے ہیں اس وقت ان موتیوں کا خیال کسی کو کیوں نہیں آیا؟ آج یہ موتی کیسے بن گئے؟'' عدویہ نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر بیٹھی ذون غرق زیریں تک جا پہنچا۔

''عدی! ہم نا سمجھ تھے جو کسی کے ہر معاملے سے دور تھے، لیکن آج ہمیں وقت نے جو سکھایا ہے تو حوصلہ بھی دکھا دیا عناس بھائی تمہیں سب کے سامنے لے آئے سب کزنز نے تمہارے لئے بانہیں وا کیں اور میں تمہیں عمر بھر کے لئے اندھیروں سے نکال کر روشنیوں کا مسافر بنانا چاہتا ہوں، میری ہمسفر بنو گی عدی؟'' ذون کو عدویہ کا اعتبار مل جاتا تو پھر اسے کسی کی پرواہ نہ تھی وہ ببانگ دہل اسے اپنانے کو تیار تھا۔

''ذون! میری ایج تم سے زیادہ ہے''۔ عدویہ نے بے بسی سے کہا۔

''میرا جذبہ تم سے کہیں زیادہ ہے، میری چاہت تمہاری سوچ سے کہیں زیادہ ہے عدی! اچھا اچھا کیوں نہیں سوچتی ہو''۔ ذون کے آگے اس کی ہر دلیل ناکام ہو گئی تھی۔

''ذون! تمہیں زندگی میں کبھی یہ احساس تو نہیں ہوگا کہ یہ تو ماں جیسی ہے''۔ عدویہ اس کی جذباتی فطرت کے پیش نظر خدشہ ظاہر کرنے لگی۔

''ہاں احساس تو ہوگا''۔

''کیا......؟'' ذون کی بات پر عدی کے دل کی دھڑکن رک گئی جو کہ کچھ دیر قبل ہی دھڑکنا شروع ہوئی تھی جب کسی نے اپنے پیار کا احساس دلایا تھا۔

''مجھے یہ احساس ہوگا کہ یہ تو میرے بچوں کی ماں جیسی ہے''۔ ذون کی شرارت پر عدویہ سرخ ہو گئی اور گھٹنوں

مجھے تو کچھ پتہ بھی نہیں چلا''۔ وہ نئی فکر میں مبتلا ہوگئی۔

☆☆☆☆

''ٹھک، ٹھک''۔ دروازے پر ہونے والی دستک نے عدویہ کو نیند سے بیدار کر دیا وہ گھڑی میں وقت دیکھتی ہوئی دروازے تک آئی اور کھول دیا وہ سمجھی تھی عناس ہوگی کیونکہ اس کے کمرے میں صرف وہی آتی تھی اس لئے جلدی میں دوپٹہ تک نہ اوڑھا تھا نہ بال سمیٹے تھے لیکن سامنے ذون کو دیکھ کر وہ فوراً ادھ کھلے دروازے کی اوٹ میں ہوگئی۔

''آپ......'' وہ فوراً اعتماد سے محروم ہوگئی تھی۔

''مجھے لالہ نے بھیجا ہے ایک میسج دینا ہے''۔

''جی فرمایئے''۔ وہ عجلت میں بولی۔

''یہیں پر فرما دوں اندر تو آنے دیں مجھے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمانا نہیں آتا''۔ ذون اسی شرارت سے بولا، جو اس حویلی کے مکینوں کا خاصہ تھی۔

''وہ اندر تو کوئی بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے''۔ وہ اسے ٹالتے ہوئے بولی۔

''اچھا تو کیا اس صوفے نے آپ سے فریاد کی ہے کہ مجھ پر کوئی نہ بیٹھے''۔ ذون دروازہ دھکیل کر اندر گھستے ہوئے بولا۔

عدویہ گھبرا کر بیڈ کی طرف بڑھی اور دوپٹہ لے کر اچھی طرح کندھے پر پھیلا دیا۔ ذون اس کی حرکت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''عدی! میں ذون ہوں زیدین لالہ کا بھائی''۔ ذون اس کے حد درجہ تکلف کو محسوس کرتے ہوئے اپنا تعارف کرانے لگا۔

''جی میں جانتی ہوں''۔ عدویہ سر جھکائے ہوئے بولی۔

''آپ نے اس دن بتایا نہیں تھا کہ آپ کون ہیں؟'' ذون نے بات بڑھانے کی کوشش کی۔

''آپ جانتے تو ہیں میں عدی ہوں''۔ ذون، عدویہ کی ذہانت کا قائل ہوگیا وہ جان گئی تھی کہ ذون سب جانتے ہوئے بھی انجان بن رہا ہے۔

''عدی! میں تمہیں آپا نہیں کہوں گا حالانکہ سب کہتے ہیں''۔ وہ کچھ دیر عدویہ کی آفر کا انتظار کرتا رہا کہ وہ اسے بیٹھنے کے لئے کہے گی لیکن عدویہ تو جلد از جلد اسے بھیجنے کے چکر میں تھی، آخر وہ خود ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

''حالانکہ آپ کو مجھے آپا ہی کہنا چاہئے میں آپ سے کافی بڑی ہوں''۔ عدویہ سنجیدگی سے بولی۔

''کہاں بڑی ہیں؟ یہ لیں ناپ لیں''۔ ذون جھٹ اس کے ساتھ جا کھڑا ہوا اور ہائٹ ملانے لگا، عدویہ اس کے کندھے سے بھی نیچے تھی وہ جلدی سے ہٹ کر دروازے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

''ذون! آپ جائیں یہاں سے، کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا''۔ عدویہ نے بالآخر اسے جتا ہی دیا مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا، وہ تو عدویہ کے سوئے ہوئے حسن میں گم تھا۔

''عدی! کب تک ڈرتی رہو گی، کسی کا تو ہاتھ تھامو تا کہ وہ تمہیں پار لگا دے''۔ ذون یکلخت سنجیدہ ہوگیا، عدویہ نے چونک کر اسے دیکھا وہ اتنا سنجیدہ تھا جبکہ عدویہ تو محض اس کی شرارت سمجھ رہی تھی۔

''ذون! تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھوٹا ہے تم میرا بوجھ نہیں سہار سکتے''۔ عدویہ بڑے پن سے بولی۔

خاطر تھا، عناس نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کے مصداق نہ آگے بڑھ سکتی تھی اور نہ اتنی تیز رفتاری سے اٹھنے کے بعد دوبارہ بیٹھ جانے کی کوئی معقول وجہ دے سکتی تھی، اس نے بے بسی سے اپنے نازک پاؤں کو دباتے اس کے لمبے چوڑے پیر کو دیکھا تھا، عجیب اتفاق تھا زیدین بھی پاؤں میں کھسہ ہی پہنے ہوئے تھے اس کے ایک پاؤں نے عناس کے دونوں پاؤں کو ڈھانپ دیا تھا۔

''جاؤ دیکھ آؤ بیٹا رانیہ کو کچھ کام نہ ہو''۔ تمام تر واردات سے ناواقف تائی ماں سادگی سے بولیں، اب تو عناس کے لئے کوئی جواز رہا ہی نہ تھا مگر جائے تو جائے کیسے؟ جویریہ بھابی بھی اس کے رکے رہنے سے حیران تھیں، میز کے نیچے کیا تھا جانتی جو نہ تھیں اپنی انتہائی مضحکہ خیز حالت کے پیش نظر اس نے پہلی بار نگاہیں اٹھا کر زیدین کو دیکھا اور نگاہوں سے رہائی کی التجا بھی کی تھی۔ زیدین اس کی التجا کیسے دیکھتا کہ کانچ کے ہیروں کی سپیدی ان نکھری نکھری شفاف آنکھوں نے زیدین کے دل کی دنیا تہ و بالا کر دی، یہ پہلا موقع تھا کہ عناس نے کچھ دیر کے لئے مجبوراً ہی سہی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا ضرور تھا۔ زیدین کا پاؤں پیچھے کرنا تھا کہ اس کا نو دو گیارہ ہو جانا، وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس کے پیچھے بڑھا تھا۔

☆☆☆☆

آج دعوت ولیمہ یاران دل کے لئے زیادہ مخصوص تھی ادھر زیدین بے تاب تھا تو دوسری طرف ذون بھی موقع پاتے ہی عدویہ کا ہاتھ پکڑ کر کچن میں لے آیا تھا، جو آج خالی تھا سارے باورچی لان میں دیگیں چڑھا رہے تھے ذون کو یہ مقام قدرے مناسب لگا تھا۔

''چھوڑو ذون! اماں تائی آ جائیں گی''۔ عدویہ اس سے ہاتھ آزاد کراتے ہوئے بولی۔

''عدی! تمہیں ہر ایک کے آنے کی فکر رہتی ہے کبھی میرا انتظار کیا ہے''۔ ذون پھر اظہار کا تمنائی تھا، عدی اس کی دیوانگی پر ہنس پڑی۔

''ذون! تمہاری میری ملاقات کو کتنا وقت گزرا ہے''۔

''یہی کوئی 48 گھنٹے''۔ ذون سوچتا ہوا بولا۔

''اور ان اڑتالیس گھنٹوں میں یہ ہماری تیسری ملاقات ہے، اب خود ہی بتاؤ میں انتظار کب کروں؟'' عدویہ کی شوخی ذون کو بے انتہا بھائی، عدویہ کے خوف کو ذون کی رفاقت نے اعتماد میں بدل دیا تھا۔

''عدی لالہ سے بات کروں شادی کی؟'' ذون نے عدویہ کو اپنی طرف کھینچا، وہ اس کے سینے سے جا لگی مگر کوئی مزاحمت نہ کی۔

''ابھی نہیں ابھی عناس کی رخصتی ہو جانے دو پھر ہم اپنے بارے میں سوچیں گے''۔ عدویہ اس کے سینے پر سر رکھے بولی، انہیں زیدین سے انکار کا کوئی خوف نہیں تھا۔

''عدی! مجھ سے اب وقت نہیں کاٹا جاتا''۔ ذون اسے خود میں جذب کرنے کے لئے حد سے آگے بڑھ گیا تھا، اسی اثناء میں زیدین کی بھاری پکار نے دونوں کو کئی گز دور کر دیا، زیدین کی خونخوار نگاہوں نے دونوں کو زمین میں گاڑ دیا تھا۔

''آوارہ عورت کی رفاقت نے تمہیں اچھے برے کی تمیز بھلا دی ہے تم اب اپنی ہی بہنوں پر''۔

''لالہ پلیز! آپ غلط سمجھ رہے ہیں''۔ ذون نے زیدین کے کاٹ دار لفظوں کو بمشکل روکتے ہوئے کہا۔

''میں غلط سمجھ رہا ہوں یا تم غلط کہہ رہے ہو، تم جیسے بے بس ولا چار لڑکی سمجھ کر حد سے گزر رہے ہو وہ میری بہن

میں چہرہ چھپالیا۔ اس کی ادائے ذون کو اعتبار وفا دے دیا تھا، ذون نے فوراً اس کا چہرہ بلند کیا۔
''تھینک یو عدی! بس یونہی میرا ساتھ دینا''۔ ذون نے عدویہ کے چہرے سے بھیگے بال ہٹائے اور ہتھیلیوں سے اس کے آنسو پونچھے۔
''او کے میں چلتا ہوں رات کو ملاقات ہوگی اور ہاں خوب سنورنا اچھا''۔ ذون نے محبت سے کہا عدویہ نے سر ہلا کر اسے اثبات میں جواب دیا۔

☆☆☆☆

آج حویلی میں گہما گہمی عام دنوں سے ہٹ کر تھی یوں لگتا تھا کہ سارا لاہور شہر امڈ آیا تھا، شاہ میر جاہ کے آخری سپوت کا دعوت ولیمہ کوئی معمولی بات نہ تھی ہر طرف رنگین آنچل اور شوخیاں پھیلیں ہوئیں تھیں۔
عناس جہانگیر بھی آج طبیعت کی ناسازی کا بہانہ بنائے الگ نہ رہ سکی تھی اب حویلی ہی کے لان میں منعقد تقریب سے وہ دامن بچا بھی کیسے سکتی تھی، ہمیشہ کی طرح پنک لائٹ کلر کی گھٹنوں سے اوپر شرٹ، چست پاجامے پر اس نے میچنگ کے طور پر لیلیٰ سے مانگ کر کھسے پہن لیے تھے، بالوں کو ہلکا سا برش کر کے جوڑے میں گوندھا تھا، ہیئر اسٹائل کی ضرورت بھی کیا تھی، اس نے جوڑے کے ساتھ ہم رنگ اسکارف سر پہ باندھا تھا کان اور ہاتھ کسی بھی زیور سے محروم تھے محفل کے لحاظ سے وہ کوئی خاص تاثر نہ دے پائی تھی، مگر دو مشتاق نین خود کو اس کا طواف کرنے سے روک نہ پارہے تھے، زیدین کی نگاہیں اسے ''ہم سا ہو تو سامنے آئے'' کا سا غرور لیے جاتی تھیں وہ صرف اس کی نگاہوں سے بچنے اور کسی بھی نازک لمحے کا موقع نہ دینے کی غرض سے تائی ماں کے ساتھ چپکی بیٹھی تھی زیدین آتے جاتے، دوست احباب سے ملتے، انتظامات سنبھالتے بھی جیسے خود میں نہیں تھا اسے ایک بار قریب سے دیکھ لینے کی خواہش شدت پکڑنے لگی تو تائی ماں کی میز پر چلا آیا جو دولہا دلہن کے اسٹیج کے انتہائی قریب تھی، جس کے گرد رکھی چار کرسیوں میں سے ایک پر عناس اور دوسری پر جویریہ بھابی تھیں۔
''تائی ماں! کچھ چاہیے؟'' وہ تائی ماں کی میز کے پاس کھڑا پوچھ ان سے رہا تھا اور دیکھ عناس کو رہا تھا۔
''تائی ماں کو تو نہیں البتہ آپ کو یقیناً کچھ چاہیے''۔ تائی ماں کے بجائے جویریہ نے شوخی سے جواب دیا، اور ہاتھوں کا چلو بنا کر منہ سے لگانے کا اشارہ کیا، یعنی زیدین کو شربت دیدار چاہیے تھا، تائی ماں تو ایک طرف عناس کو بھی اس کا اشارہ خاک پلے نہ پڑا، الٹا معصومیت سے پانی کا گلاس اٹھا کر بھابی کو دینے لگی زیدین اور جویریہ کا ہنسنا فلک شگاف تھا، عناس نے منہ بسورتے ہوئے گلاس واپس رکھ دیا۔
''ارے میری جان یہاں کچھ کمی ہے کیا؟ شادی میں ایک میری بچی کی کمی ہوتی تھی، آج وہ بھی پوری ہوگئی''۔ تائی ماں نے عناس کے تقریب میں شریک ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اس کے چہرے پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔
''ٹھیک کہا آپ نے تائی ماں! جب بڑے بڑے لوگ شریک ہوتے ہیں تو محفل کا رنگ دوبالا ہو جاتا ہے''۔ زیدین نے کہتے ہی تائی ماں کے کندھے کے اوپر سے جھک کر گلاس اٹھاتے ہوئے اس کی خالی کلائی پر انگلیاں پھیر دیں منٹ کے ہزارویں حصے میں ہوئے عمل نے اس کے بدن کو لرزا دیا وہ زیدین کے تصور سے لچک جاتی تھی لمس تو کپکپا دیتا تھا۔
''ماما! بلا رہی ہیں''۔ وہ خود سے فرض کرتی وہاں سے بھاگنے کے چکر میں تھی، کھڑے ہوتے ہی قدم آگے بڑھنے نہ پائے تھے کہ ان پر زیدین کا بھاری پیر آ ٹکا وہ ہاتھ سے روک سکتا تھا نہ زبان سے تائی ماں کا لحاظ ملحوظ

آ جائے گا"۔ زیدین کوئی بات سننے کے لئے تیار نہ تھا انہوں نے زیدین کو آسان مہرہ سمجھنے کی غلطی کی تھی اسے مطمئن کرنا جان جوکھوں کا کام ثابت ہو رہا تھا۔

"لالہ! مجھے روبی سے محبت کب تھی؟ اس سے شادی بھی میں نے اس حویلی کی ساکھ قائم رکھنے کے لئے کی تھی"۔ ذون سخت بے بسی سے بول رہا تھا، زیدین اس کے جذبوں کو کھیل جو سمجھ رہا تھا، اس کی بات پر زیدین ایسے مسکرایا گویا اس نے جوک سنایا ہو۔

"ہوں..... اب ڈانسر سے شادی کرنا اس حویلی کی ساکھ کا مسئلہ بن گیا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ زوار، تیمور، حمزہ سب کو ایک ایک ڈانسر سے شادی کر لینی چاہئے تاکہ حویلی کی ساکھ مزید مضبوط ہو سکے اور اگر مزید مضبوطی کی ضرورت ہو تو مجھے بھی....."

"لالہ! کیا میں اتنا برا ہوں؟" زیدین کے بے حس تمسخر سے ذون مایوس ہو گیا تھا اور اپنے لئے زیدین کے ایسے خیالات سن کر اس کا دل کرچی ہو گیا تھا اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا زیدین کو اپنی سفاکی کا احساس ہوا وہ یکلخت نرم پڑ گیا اور صوفے پر بیٹھ کر ذون کو پکارا۔

"ذون یہاں آؤ"۔ ذون اس کے ذرا سے التفات پر کھل اٹھا اور فوراً اس کے پاس جا کر برابر بیٹھنے کے بجائے زمین پر دوزانو بیٹھ گیا۔

"لالہ! میں آج تک کبھی کلب نہیں گیا کسی ایسی ویسی عورت سے نہیں ملا، وہ تو مجھے سرراہ ملی تھی اور مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ ایک مجبور و لاچار لڑکی ہے جو اپنوں کے ستم کا شکار ہے لالہ ہماری ماں بھی تو لاوارث تھیں انہیں بھی ابو نے سہارا دیا تھا اس نیک نیتی کے ساتھ میں نے اس سے شادی کی تھی مگر اس کی حقیقت جانتے ہی تو وہ اس سے الگ ہو گیا، مجھے اس سے محبت نہ تھی صرف ہمدردی تھی وہ بھی اب نفرت میں بدل چکی ہے"۔ زیدین نے ذون کی بات بہت غور سے سنی تھی ذون نے آج تک اسے یہ سب نہ بتایا تھا، زیدین کو تو صرف اتنا معلوم تھا کہ اس نے کسی ڈانسر سے شادی کر لی اصل بات تو آج اسے معلوم ہوئی تھی۔

"ذون! تمہیں کس نے بتایا تھا کہ وہ مجبور لڑکی ہے؟" زیدین کے لہجے میں بڑے بھائی کی محبت لوٹ آئی تھی اس نے ذون کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"حنا بھابی نے"۔

"حنا....." ذون کا نام لینا تھا کہ زیدین غصے سے اٹھ کھڑا ہوا غصے سے اس کی کنپٹیاں تک کانپ رہی تھیں حنا نے ہمیشہ اسے تکلیف ہی دی تھی اور وہ انجانے میں کس قدم زخم اٹھاتا گیا تھا۔

"ذون! عدی....."

"میرے لئے انعام ہے لالہ مجھے بخش دیں"۔ ذون نے اتنی بے ساختگی سے زیدین کی بات کاٹ کر جواب دیا کہ زیدین کے لئے کچھ اور کہنے کا چارہ تک نہ رہا۔

"ہوں..... تمہارا بھائی تمہیں مایوس نہیں کرے گا"۔ زیدین کے تسلی دینے پر ذون اس سے اچھی طرح لپٹ کر باہر چلا گیا عدی کو خبر بھی تو سنانی تھی۔

"حنا بہت ہو گئی اب میں مزید تمہیں وار کرنے نہیں دوں گا، اب میری باری ہے"۔ زیدین نفرت سے سوچے چلا گیا۔

☆☆☆

ہے میں اس کا محافظ ہوں۔" زیدین کی حالت انتہائی غیر تھی اسے عدویہ کے ساتھ غیر اخلاقی حرکت کا دکھ بھی تھا اور بھائی کی بے غیرتی پر غصہ بھی، وہ سرخ چہرے کے ساتھ مٹھیاں بھینچے بمشکل خود پر کنٹرول کیے ہوئے تھا۔

"لالہ! یہ سب مذاق تھا"۔ ذون سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ایسی سچویشن میں کیا کرے جو واقعی میں اس کی غلطی تھی کسی کو چاہنا اگر درست ہے تو چاہت میں بے قابو ہو جانا سب سے زیادہ غلط ہے۔

"تو یہ مذاق تھا ایسا مذاق بہن، بیٹیوں کے ساتھ، ذون جب عزتوں کے محافظ خود ہی لٹیرے بن جائیں تو حفاظت کا نام ہی دنیا سے مٹ جائے گا"۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں لالہ! اگر حفاظت کا نام بھی دنیا میں ہے تو اس کا مطلب ہے ابھی محافظ لٹیرے نہیں ہیں"۔ ذون کی شوخی اب سنجیدگی میں بدل چکی تھی۔

"محافظ خود کو محافظ کہتے ہو تو کیا تھا یہ سب......؟" زیدین کے چہرے کی رگیں تنی ہوئی تھیں اور ان میں سے خون جیسے دوڑتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"زیدین! ذون کی نیت بری نہیں تھی"۔ عدویہ جو اس تمام عرصے میں محض سر جھکائے کھڑی رہی تھی بالآخر بول ہی پڑی، زیدین نے چونک کر اسے دیکھا، چند لمحوں تک وہ کچھ کہہ بھی نہ سکا، بس خاموشی سے دیکھے گیا، اس کے رکتے ہوئے اعصاب کچھ نارمل ہو گئے تھے، جب عورت اپنے منہ سے کہہ دے کہ اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے والے کی نیت بری نہیں تھی تو پھر کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی کہاں باقی رہتی ہے۔

"ذون میرے کمرے میں آؤ"۔ اسے ذون کی خطا میں کچھ کی نظر آئی اسے بلا کر وہ پلٹ گیا، ذون اور عدویہ آپس میں نگاہ تک نہ ملا پائے، ان کی حرکت نے انہیں زیدین کے سامنے سخت شرمندہ کر دیا تھا۔

☆☆☆☆

"معاملہ دو طرفہ ہے یا یک طرفہ؟" زیدین نے بغیر کسی تمہید کے ذون کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بات شروع کر دی۔

"لالہ! آپ نے عدی کے منہ سے خود ہی سن لیا ہے"۔ ذون اب خود پر قابو پا چکا تھا، اور کافی اعتماد سے بولا۔

"عدی ایک بند کمرے کی دنیا میں رہنے والی لڑکی ہے جبکہ تم نے بڑی بڑی پھولوں سرگی ہیں اس کے ساتھ دو طرفہ معاملہ بنانا تمہارے لیے کوئی دشوار بات تو نہیں ہے"۔ زیدین کا لہجہ انتہائی تلخ تھا، ذون نے اس کی طرف بہت زخمی نگاہوں سے دیکھا۔

"لالہ! آپ نے ہمیشہ مجھے غلط سمجھا ہے میں ایسا نہیں ہوں، جیسا آپ نے میرے بارے میں سوچ رکھا ہے"۔ ذون کا بے بس و دلگرفتہ لہجہ زیدین کو پل بھر کے لیے تڑپا گیا، مگر جلد ہی اس کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر گھوم گئے جب ذون نے ایک کلب ڈانسر کی خاطر اس کے سامنے بدزبانی کی تھی وہ ذون کو سابقہ عوامل کے پلڑے میں تول رہا تھا۔

"ذون! مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں تم میرے بھائی ہو، میں تمہارے سر پر سہرا سجانے کا بھی متمنی ہوں، مگر میں معصوم عدی کے ساتھ بھی زیادتی نہیں کر سکتا"۔

"لالہ! میں عدی سے پیار کرتا ہوں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں"۔

"پیار تو تمہیں روبی سے بھی ہو گیا تھا، شادی تو تم نے اس سے بھی کی تھی، تم نے محبت اور شادی کو کھیل تماشہ سمجھ رکھا ہے، لیکن اس بار تمہارا کھیل بہت خطرناک ہے، اس کی لپیٹ میں شاہ میر جاہ کا سارا خاندان

قریب المرگ تھی۔

''آپ اتنا بھاری کیوں بولتے ہیں؟'' عناس نے اس کے لفظوں کو ثقیل کہنا چاہا تھا مگر اردو دانی میں صفر ہونے کی بناء پر بھاری کہہ دیا، زیدین کے لئے ایک اور قہقہے کی گنجائش خود بخود پیدا ہو گئی۔

''او کے ہلکا ہلکا سا بولوں...... اوں...... آئی لو یو'' ۔زیدین کو اپنے بچکانہ پن پر خود ہی ہنسی آ گئی، عناس کے لبوں کو بھی ایک شگفتہ تبسم چھو گیا تھا، جسے دیکھنے میں زیدین اتنا مگن ہوا کہ وہ ریسنگ چیمپئن ایک بار پھر دوڑ لگا گئی تھی، زیدین ہنوز خوشگوار موڈ میں واپس لوٹ گیا۔

☆☆☆☆

''چلو بھئی صہیب چاچو بھی ٹھکانے لگے'' ۔رات وہ تھک ہار کر جلدی سو گئے تھے، آپس میں کچھ ڈسکشن بھی نہ کر سکے تھے سو صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے ہال میں اکٹھے ہوئے اور اب گفتگو اور چائے وغیرہ ساتھ ساتھ چل رہی تھی آج خلاف معمول ان کے ساتھ عدو یہ بھی تھی جسے ذون زبردستی لے آیا تھا، زیدین کی رضامندی پاتے ہی ذون نے رات سب کزنز کو اپنی پسند سے آگاہ کر دیا تھا، سب نے بہت خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اس لئے آج ذون بغیر کسی تکلف کے آنکھیں پھاڑے عدو یہ کو دیکھ رہا تھا اور وہ خود میں سمٹی جا رہی تھی۔

''اب اگلے ذون کی باری ہے'' ۔حمزہ نے اس کی حرکت پر اس کی پیٹھ پر مکا مارتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھئی ابھی ذون سے بڑا بھائی موجود ہے، پہلے لالہ کی شادی ہو گی'' ۔حفصہ نے فوراً تصحیح کر دی۔

''مشکل ہے'' ۔حمزہ کی بات پر سب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیوں مشکل کیوں ہے؟ نکاح تو ہو ہی گیا ہے بس رخصتی ہونی ہے'' ۔ پیلا فوراً اپنی معلومات جھاڑنے لگی، جواباً حمزہ نے اسے گھور کر دیکھا وہ چپ ہو کر بیٹھ گئی وہ جب بھی بات کرتی تھی سب اس بیچاری کو گھور کر کنفیوز کر دیتے تھے۔

''او بھئی جس کی لگن زیادہ ہو گی شادی پہلے اسی کی ہو گی اور ذون کی حرکات بتاتی ہیں شادی پہلے اس کی ہو گی'' ۔حمزہ نے ذون کی نگاہ بازی پر چوٹ کی۔

''تم کیسے کہہ سکتے ہو لالہ کی لگن کم ہے، ہو سکتا ہے وہ اس سے زیادہ ہو'' ۔حارث نے بحث کو آگے بڑھایا۔

''او یار! صاف نظر آتا ہے یہ دونوں ہر وقت ایک دوسرے سے آنکھ مچولی کرتے نظر آتے ہیں جبکہ ہم نے آج تک لالہ اور عناس کو ایک ساتھ ایک محفل میں بھی نہیں دیکھا تو صاف ظاہر ہے لگن کس کی زیادہ ہے'' ۔حمزہ اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا، ینگ جنریشن کے نزدیک لگن کی گہرائی یا پختگی چھیڑ چھاڑ ہی کا نام تھا۔

''ضروری تو نہیں جو ملے بات کرے اس کی لگن زیادہ ہو لالہ کی لگن کا اندازہ تو اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ انہوں نے عناس کو طفلیت میں دیکھا شباب میں بناء دیکھے اپنایا اور اب نکاح کے باوجود حدود سے تجاوز نہیں کرتے'' ۔ذون نے خود ہی مسئلہ فیثا غورث حل کر دیا، اپنی کل کی غیر اخلاقی حرکت نے اسے بہت کچھ سکھا دیا تھا، اس کی بات پر سب ہی قائل نظر آئے کیونکہ زیدین کے شائستگی مزاج سے کسی کو بھی اختلاف نہ تھا۔

☆☆☆☆

''شاہجہانی، شاہجہانی'' ۔وہ سب رات کے کھانے پر ہال کمرے میں جمع تھے کہ حنا پکارتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''کیا ہوا حنا! خیر تو ہے'' ۔زوبیہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر حنا کے پاس پہنچ گئیں۔

زیدین مسلسل کوریڈور میں ٹہل رہا تھا اس کے اندر ایک آتش فشاں سلگ رہا تھا، جو کسی بھی لمحے پھٹ سکتا تھا، حنا نے اسے ذاتی طور پر کوئی تکلیف نہ دی تھی مگر اس سے منسلک ہر رشتے کو اتنی تکلیفیں دی تھیں کہ زندگی بھر تڑپتا وہ رہا تھا، لیکن اس نے محض حنا سے قطع تعلق کے علاوہ کبھی کوئی جوابی کارروائی نہ کی تھی اسے ہمیشہ یہ احساس رہا تھا کہ کچھ بھی ہو حنا حویلی کی عزت شاہ میر جاہ کی نواسی ہے اور سب سے بڑی بات ایک عورت سے الجھنا اس کی مردانگی کو گوارہ نہ تھا لیکن ان عورتوں نے اسے بہت زک پہنچائی تھی کہ آج وہ اس قدر الجھ گیا تھا کہ کوئی اسے سلجھا نہیں پا رہا تھا۔ زیدین کی حالت اس کے دلی کرب کی غماز تھی وہاں سے جو بھی گزر رہا تھا اس کی حالت سے بخوبی اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ ذہنی خلفشار کا شکار ہے وہ ہاتھوں کو مضبوطی سے ایک دوسرے میں جمائے پیٹھ پیچھے باندھے خود کو نارمل رکھنے کے لیے واک کر رہا تھا، لیکن خود کو کنٹرول کرنے میں ناکام تھا۔

ستون کی آڑ میں کافی دیر سے کھڑی عناس کے لیے اس کی اضطرابی کیفیت تعجب خیز تھی، زیدین سے اب تک ہونے والی ہر ملاقات میں اس کا کھلکھلاتا روپ ہی نظر آیا تھا، مگر آج کی اس کی کیفیت دس سال قبل کی حالت سے مشابہ تھی جس کے نقش زیدین ہی نے اپنی سرمستیوں سے دھندلے کیے تھے۔

''عناس بی بی! یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟'' بھلا نہ ہو بالی ماں کا جنہوں نے عین وقت پر آ کر اس کی چھپن چھپائی کا پول کھول دیا تھا، جانے کب اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھیں اور گرا ہی گئی تھیں تو اتنا چلا کر مخاطب کرنے کی کیا ضرورت تھی، وہ حد درجہ بوکھلا گئی کیونکہ زیدین مکمل طور پر متوجہ ہو چکا تھا۔ بالی ماں کے اعلان پر زیدین نے یکدم سر اٹھایا اور ستون کے پیچھے سے جھانکتے عناس کے مخصوص لباس نے اسے خوشگواریت کا احساس بخشا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں اتنا مگن تھا کہ اسے عناس کی وہاں موجودگی کی بھنک نہ پڑ سکی تھی اور وہ بالکل بے خبر تھی تو سانس روکے کھڑی تھی، وہ بالی ماں کا مشکور تھا تو عناس سخت نالاں، عناس کو بھاگنے کے لیے پر تولتے دیکھ کر وہ ایک ہی جست میں اس کے سامنے تھا، عناس آگے بڑھتے ہی ان کے مضبوط و توانا وجود سے ٹکرا گئی تھی پیچھے ہٹی تو ستون نے راستہ روک لیا عناس کی بے بسی زیدین کی مسکراہٹ اور بالی ماں کی کھوجتی نگاہیں کچھ بھی تو کچھ دیر قبل کے شعلہ فشاں ماحول سے میل نہیں کھاتا تھا۔

''بالی ماں! آج حویلی کے سب کام ختم ہو گئے ہیں؟'' بالی ماں کو ٹلتے نہ دیکھ کر زیدین نے میٹھی چھری چلائی، وہ شٹپٹا کر آگے بڑھ گئیں، عناس بھی ایسے آگے بڑھی جیسے حویلی کے سارے کام اسی کے ذمے ہوں مگر ایک بار پھر زیدین نے اسے کندھوں سے تھام کر واپس ستون سے ٹکا دیا۔

''عناس! تم میرے لیے پہیلی بن گئی ہو کبھی آ کر بھی سمجھ نہیں آتی ہو''۔ زیدین نے اس کے اسکارف کی دونوں سائیڈیں پکڑ کر اپنی طرف کھینچیں۔

''بوجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟'' عناس کا پہلا اور تیکھا جواب زیدین کو باغ و بہار کر گیا، اس کے اعصاب خود بخود نارمل ہو گئے تھے، ایک دوسرے سے سختی سے بھینچے ہوئے لب مسلسل مسکرائے جا رہے تھے۔ زیدین کا اپنی زندگی کی تلخیوں میں روشن دان بنانے کے لیے عناس کا انتخاب بے جا نہ تھا وہ محض ایک جھلک دے کر ہی اس کے اندر کی تپش کو ختم کیے دیتی تھی جب سراپا اس کی بانہوں میں آئے گی تو آگ میں پھول کیسے نہ کھلیں گے۔

''عناس! یوں قطرہ قطرہ کر کے نگاہوں کی پیاس کیوں بجھاتی ہو، ایک بار ٹھنڈک اور تازگی کا جام پلا دو''۔ زیدین اپنی کیفیت پر خود حیران تھا، شاید اس کے اندر کی تپش اور حبس اب کھلی ہوا اور تازہ فضا کے لیے

تازیانے سے کم نہ تھا وہ ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہال سے چلے گئے ایک دوسرے کو دلاسہ دینے کے لیے وہ خود کافی تھے۔

''حنا! تم نے تائی ماں اور شاہجہانی کو بہت دکھ دیا ہے، تمہیں سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے تھا'' ۔ چچا جان نے حنا کو ڈپٹتے ہوئے کہا۔

''اے بھائی! بچی دکھ سے ہلکان ہے الٹا سیدھا منہ سے نکل جاتا ہے بھائی کو تو عادت ہے ہمدردیاں بٹورنے کی'' ۔ زوبیہ نا خلف بیٹی کی حمایت کرتے ہوئے بھول گئیں کہ وہ سب بہن بھائی بہت چھوٹے تھے جب تائی ماں دلہن بن کر اس حویلی میں آئی تھیں انہوں نے ساس ماں کو تخت پر بٹھا کر ساری حویلی ہی کی نہیں دیوروں نندوں تک کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں، پھر ان کی اولادوں کو بھی خلوص و پیار سے پروان چڑھایا حتیٰ کہ زوبیہ یہ بھی فراموش کر گئیں کہ پارٹیوں اور تفریحات کی شوقین وہ حنا کو تائی ماں کی گود میں ڈال کر سارا دن گھر سے باہر گزارتی تھیں۔ جب دلوں پر بے حسی وغرور کا لبادہ اوڑھ لیا جائے تو پھر محبتیں، قربانیاں اپنا وجود کھو دیتی ہیں پھر نہ تو آنسو اثر کرتے ہیں نہ زخمی نگاہیں دل دکھاتی ہیں اس سنگدلی کے نتیجے میں وہ دونوں ماں بیٹی اپنے دکھ پر تنہا آنسو بہا رہی تھیں باقی سب تو شاہجہانی، تائی ماں کے ساتھ ہال سے چلے گئے تھے یہاں تک کہ ذون بھی۔

☆☆☆☆

زایدین ایک ہفتے بعد حویلی لوٹا تھا تو اسے دو بری خبریں سننے کو ملیں ایک تائی ماں کی بیماری اور دوسری عناس کی دبئی واپسی۔ وہ افسردہ سا تائی ماں کے پاس آ بیٹھا اسے یوں لگ رہا تھا گویا دسمبر کے ماہ میں حبس ہو گیا ہو اور وہ جیسا گرمی کی شدت سے نڈھال جلتی دھوپ تلے آ بیٹھا ہو اسے حویلی بھرے ویران دکھائی دے رہی تھی، دادا کے انتقال کے بعد وہ حویلی بہت کم آتا تھا، کوشش کرتا کہ لمبے لمبے ٹورز پر رہے، ذون سے تو اس کی ملاقات ہو ہی جاتی تھی کیونکہ وہ بھی اسی کی طرح سیر و سیاحت پر رہتا تھا، جہاں معلوم ہوا بھائی فلاں شہر میں ہیں بس وہیں پہنچ جاتا ذون کے علاوہ حویلی میں زیدین کی دلچسپی صرف شاہجہانی اور تائی ماں تھیں لیکن عناس کی حویلی آمد کے بعد تو اسے حویلی مقناطیس کی مانند کھینچتی تھی، شومئی قسمت ایک ضروری کام سے کیا گیا کہ عناس اپنے والدین کے ساتھ واپس لوٹ گئی۔

''ماں! شاہجہانی سے خدمتیں کروانے کو دل چاہ رہا تھا، جو بستر پکڑ لیا'' ۔ زیدین نے تائی ماں کے نقاہت زدہ چہرے کو دیکھ کر شرارت سے کام لیا تاکہ وہ زندگی کی حرارت محسوس کریں وہ ہمیشہ یونہی کرتا تھا اور تائی ماں بہل بھی جایا کرتی تھیں مگر اس بار تائی ماں کے بدن کو نہیں روح کو تکلیف پہنچی تھی، زندگی بھر کی ریاضت منٹ بھر میں ایک ہی جملے سے ضائع ہو گئی تھی سب کتنا خیال رکھ رہے تھے، اتنی توجہ تو شاید بچہ پارٹی اپنے ماں باپ کی بیماری پر بھی نہ دیتی تھی، جو تائی ماں کے لیے وقف تھی، سب اپنی شوخیوں، شرارتوں کے ساتھ تائی ماں کے اردگرد جمع رہتے، ایک دوا پلاتا، تو ایک ٹانگیں دباتا، کوئی اپنی باتوں سے ان کا دل بہلاتا تو کوئی ان سے ماضی کے قصے سنانے کی فرمائش کرتا لیکن تائی ماں کو کوئی چیز ان کی پہلی حالت میں واپس نہیں لا پا رہی تھی وہ بستر سے جو لگی تھیں تو اب اٹھنے کے لیے تیار نہ تھیں شاہجہانی بھی بس گم صم سے رہتے تھے نہ کسی سے بات کرتے نہ کسی کی طرف دیکھتے بہت ہوتا تو تائی ماں کو ڈھارس دینے لگتے۔

''زیدین! سمجھا اپنی ماں کو، اتنا نہ ستائے ہمیں، تیری تو بات مانتی ہے میری تو اس نے کبھی سنی ہے جواب نے گی'' ۔ شاہجہانی کی آواز میں طویل رفاقت کے اختتام کا خوف تھا زیدین کی طرف اٹھتی ان کی نگاہوں سے نئی

''ممی! دعا کہاں ہے؟'' حنا روتی ہوئی بولی۔
''کیا مطلب دعا اپنے کمرے میں ہوگی''۔ تائی ماں اس کی حالت سے گھبرا گئی تھیں۔
''نہیں ہے وہ کمرے میں بلکہ تمام حویلی میں نہیں ہے تائی ماں میری بیٹی کہاں ہے؟'' حنا کی بات پر سبھی پریشان ہوا ٹھے تھے، ہاتھ میں پکڑے نوالے ہاتھ ہی میں رہ گئے۔
''حوصلہ کرو حنا! ذون کے پاس ہوگی''۔ چچا جان نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔
''چچا جان! میں یہاں ہوں''۔ ذون نے وہیں پر اپنی موجودگی کو باور کرایا۔
''شاہجہانی! سب بچے اس وقت یہاں ہیں صرف زیدین نہیں ہے''۔ تانیہ بیگم کی اطلاع پر حنا چونک اٹھی۔
''شاہجہانی دعا اسی کے پاس ہوگی''۔
''پھر تو اچھی بات ہے ناں اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟'' شاہجہانی مطمئن ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے سب اپنی اپنی پوزیشن پر واپس جا کر کھانا شروع کر چکے تھے اور حنا کھڑی انہیں دیکھتی رہ گئی، اس کے آنسوؤں کی اس کی فکر کی کسی نے پرواہ نہیں کی تھی جس طرح وہ دوسروں کے آنسوؤں کو ہنسی میں اڑا رہی تھی آج اس کا کیا اس کے سامنے آرہا تھا وہ بے بسی سے سب کو دیکھتی باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆

''ذون دیکھ کر و میری بچی مجھے لادو''۔ حنا کی حالت سخت کبیدہ تھی کل تو سب نے اس بات کو اہمیت نہ دی تھی لیکن آج دوسرا دن تھا اور نہ دعا دکھائی دی تھی نہ زیدین اب تو صحیح معنوں میں سب پریشان ہو گئے تھے، جہاں سب دعا کو تلاش کر رہے تھے وہیں زیدین کو بھی حنا کا خیال تھا کہ دعا کو زیدین اس سے دور لے گیا ہے جبکہ بقیوں کا خیال مختلف تھا کہ زیدین بھلا ایسی حرکت کیوں کرے گا۔
''بھابی پلیز! آپ حوصلہ کریں ہم تلاش کر رہے ہیں ناں مل جائے گی دعا''۔ ذون، حنا کو بمشکل سنبھال رہا تھا، اس کے سوا کوئی حنا کے قریب نہیں ہوا تھا، کیونکہ وہ کسی سے بات نہیں کیا کرتی تھی اسی لیے سب جھجک کی وجہ سے بس خاموش کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔
''حنا! ہم ہیں ناں تم کیوں فکر کرتی ہو''۔ حنا کے باپ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا زوبیہ تو لاڈلی بیٹی کو روتے دیکھ کر خود بھی رو رہی تھیں انہیں تو بیٹی کو دلاسہ تک دینے کی ہوش نہیں تھا۔
''ابو! مجھے پورا یقین ہے اسے زیدین لے گیا ہے وہ اسے میری بیٹی تسلیم نہیں کرتا تھا، اس نے موقع پاتے ہی مجھے ڈس لیا ہے''۔ حنا باپ کے بازوؤں میں مچلتے ہوئے بولی اسے کسی پل قرار نہ تھا اور دل تھا کہ زیدین کو سے جا رہا تھا۔
''بس بھی کرو حنا! میرے بچے کو کیا پڑی تھی ماں سے بیٹی کو دور کرنے کی اس نے تو خود اپنے بھائیوں کو اپنے ہاتھوں سے پالا ہے، وہ اولاد کی تڑپ کو تم سے زیادہ جانتا ہے وہ ایسی حرکت کیوں کرنے لگا؟'' تائی ماں مسلسل زیدین پر الزام تراشی برداشت نہ کر سکیں اور بول پڑیں حنا نے خونخوار نظروں سے انہیں دیکھا۔
''آپ تو یونہی کہیں گی آپ کو کیا پتہ اولاد کا درد کیا ہوتا ہے؟'' حنا کی بات تھی کہ کوئی عمارت گری تھی جس کے ملبے تلے تائی ماں کا دل چور ہوا تھا، وہ دکھ و صدمے سے نیم جاں ہو گئیں۔
''حنا! تم اپنی کم ظرفی ظاہر کرنے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتی ہو''۔ شاہجہانی اپنی شفقت بھلا کر چیخ اٹھے، ہمیشہ بھائیوں اور ان کی اولادوں کو اپنی تمام تر شفقتیں اور محبتیں نچھاور کرنے والے میاں بیوی کے لیے یہ طعنہ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ایڈ فری لنکس
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !

i. Open Paksociety Page.
ii.Click Liked.
iii.Select Get Notifications.
iv.Select See First. All Done

Liked | Message | ...
Get Notifications
Add to Interest Lists...
Unlike
IN YOUR NEWS FEED
See First — See new posts at the top of News Feed
Default — See posts as usual
Unfollow

''کوئی نہیں مرتا بچا جان کسی کے لیے اگر اپنے پیاروں سے بچھڑ کے موت آتی ہے تو اس وقت زیدین آپ کے سامنے نہ کھڑا ہوتا''۔ زیدین کے اکھڑ لہجے کے آگے بولنا انتہائی دشوار کام لگ رہا تھا۔

''زیدین! تم نے جیتی جاگتی بچی کو ماں سے دور کیا ہے اسے صبر کیسے آئے گا؟'' زوبیہ کا بس نہیں چل رہا تھا وہ زیدین کے ساتھ کیا کچھ نہ کر دیں مگر افسوس بس ہی تو بے بس تھا۔

''ماں کہتے ہوئے ایک بار تو لاج ضرور آئی ہوگی آپ کو کونسی ماں؟ جس نے دعا کے دنیا میں آنے سے قبل ہی اس کی جان لینے کے لیے کیا کیا جتن نہ کیے تھے، اک دکھاوا ہے جو وہ ایکٹ کرتی ہے اور ایک پروپیگنڈا ہے جو آپ کی ذمہ داری ہے''۔ زیدین نے زوبیہ کو وہ کھری کھری سنائی تھیں جو آج تک حویلی کے لوگ صرف دل میں کہتے آئے تھے زوبیہ کے کہاں کہاں ناں آگ بھڑکی تھی مگر زبان کمبخت آج ساتھ نہیں دے رہی تھی وہ خود ہی کو کوس رہی تھیں۔

''پرانی باتیں چھوڑ دو زیدین! اتنا بتاؤ دعا کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟'' زوبیہ کے شوہر نے دانت چبا کر کہنے کی جرات کی۔

''وہ وہیں ہے جہاں اس کے باپ نے بھیجنے کی وصیت کی تھی، یہ میری غلطی تھی کہ میں نے اپنے بھائی کی آخری خواہش پر عمل نہیں کیا، شاید میں بھی اس ڈائن کو عورت سمجھ بیٹھا تھا، مگر اس کا کام تو خون پینا تھا، یوں ہی رشتوں کو توڑتی رہی اور دلوں میں فصیلیں بناتی رہی، دعا کو اس کی غلیظ گود سے دور کرنا بہت ضروری تھا، تاکہ اسے بھی احساس ہو کہ رشتوں کی محبت سے دوریوں سے کتنی اذیت ناک ہو جاتی ہے''۔ زیدین تفصیلاً سب کو اپنے مواقف سے آگاہ کر کے بناء کسی کی طرف دیکھے اور کسی کی سنے وہاں سے جا چکا تھا، زوبیہ کھول رہی تھی تو ان کے شوہر تلملا رہے تھے زوبیہ کو اور کچھ نہ سوجھی تو ذون سے مخاطب ہوئیں۔

''ذون! دیکھا تم نے اپنے بھائی کا ستم تیری بھابی اپنی بچی کے لیے تڑپ رہی ہے اور تیری بھتیجی بھی تو اپنی ماں کے لیے بلک رہی ہوگی، جاؤ ذون دعا کو واپس لے آؤ''۔

''آنٹی! لالہ دعا سے ہم سے زیادہ پیار کرتے ہیں، انہوں نے کچھ سوچ کر ہی یہ سب کیا ہوگا، میں ان کی بصیرت آفروز سوچ تک نہیں پہنچ سکتا، وہ جو بہتر سمجھیں گے وہی کریں گے، آپ بھابی کو سمجھا دیں کہ وہ دعا کی طرف سے فکر مند نہ ہوں''۔ ذون، زوبیہ کی تمام امیدوں پر پانی پھیر کر باہر نکل گیا اور وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔

☆☆☆☆

جانی پہچانی آواز اور عربیوں کے مخصوص اسٹائل میں سلام پر جہانگیر، رانیہ اور عناس نے بیک وقت سر اٹھایا تھا، زیدین کا دمکتا چہرہ دیکھتے ہی عناس کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹ کر نیچے جا گرا اسے دل میں بھی اہلاً و سہلاً کہنے کا دھیان نہیں رہا وہ زیدین کی طرف نگاہ کیے بناء دستر خوان سے اٹھ کر اندر بھاگ گئی جبکہ جہانگیر اور رانیہ زیدین سے پرتپاک طریقے سے ملاقات کر رہے تھے۔

''کیا بات ہے زیدین! کیا خوب سرپرائز دیا ہے تم نے''۔ جہانگیر اور رانیہ بیک وقت زیدین کو گلے لگائے ہوئے تھے ایک تو ویسے ہی وہ النور حویلی کے ہر فرد کی آنکھ کا تارا تھا اور اب اکلوتے داماد کی حیثیت سے تو اس کے جتنے بھی ناز اٹھائے جاتے کم تھے۔ تاہم زیدین کے لیے اس والہانہ استقبال کی خوشی کم اور عناس کے ہمیشہ کی طرح منظر سے بھاگ جانے کی ادا زیادہ توجہ طلب تھی، اگر آنکھوں کو ادھورے دیدار کا شکوہ تھا تو سماعت اس کی میٹھی بولی کے انتظار سے نالاں تھی۔

زندگی پانے کی امید چھلک رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہے شاہجہانی! بس ماں خدمتیں کروانے کے چکر میں ہیں''۔ زیدین جان بوجھ کر ہر بات کو ہلکا پھلکا لے رہا تھا۔

''ماں! اٹھو بس بہت ہوگئی''۔ ذون تائی ماں کا سر دباتے ہوئے ضدی پن سے بولا، تائی ماں خاموشی سے سب کو دیکھ رہی تھیں۔

''اچھا ماں! یہ تو بتائیں ذون کی شادی پر اس کے لئے شیروانی بنانی ہے یا شلوار قمیض؟'' زیدین نے آخری حربہ آزمایا اور تائی ماں کی حس لطیف کو چھوا وہ اس بار اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا۔

''ذون کے لئے تو میں بعد میں سوچوں گی پہلے تیرے لئے میں شیروانی بناؤں گی''۔ تائی ماں اپنی عادت کے مطابق شفقت اور دلار سے بولیں۔

''اوہو ماں! میری بات چھوڑیں ذون کی بات کریں''۔

''کیوں تمہاری بات کیوں چھوڑوں، اب تو مجھے زندگی کے دن تھوڑے نظر آرہے ہیں میں تیرا سہرا فوراً''۔

''ماں! اگر ایسی بات کرو گی تو میں شیروانی پہننے سے انکار کر دوں گا، بلکہ تھری پیس پہنوں گا''۔ زیدین نے تائی ماں کو چھیڑا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تائی ماں کو انگریزی لباس سے چڑ ہے، اسی لئے کوٹ پینٹ کا حوالہ دیا۔

''ہوں..... خواہ مخواہ میں انگریزوں کا لباس پہنو گے، ان موؤں کو کیا پتہ شادی نکاح بندھن کیا ہوتے ہیں ان کے لباس میں وہ بات کہاں، وہ تو آج ملے، دو دن اکٹھے رہے، تیسرے دن بچھڑ، چوتھے دن! اپنے اپنے راستے پر''۔ تائی ماں حسب عادت اسٹارٹ ہو چکی تھیں ینگ پارٹی ان کی باتوں سے چسکا لے رہی تھی، اب تھوڑی دیر پہلے کی محفل کا رنگ بدل گیا تھا، سب کے چہرے مسکراہٹ سے سجے تھے۔

''زیدین دعا کہاں ہے؟'' برا ہو نظر لگانے والوں کا اچانک کمرے میں زوبیہ تیر کی مانند داخل ہوئیں، زیدین پر نگاہ پڑتے ہی پھاڑ کھانے والے انداز میں بولیں سب کے ہنستے چہرے سنجیدہ ہو گئے۔

''زوبیہ! تم لوگ میرے بچے کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟'' تائی ماں نے لاکھ خود کو سمجھایا تھا کہ اب وہ کسی معاملے میں نہیں بولیں گی مگر زیدین کی محبت نے پھر انہیں بولنے پر مجبور کر دیا۔

''زیدین! تمہیں دعا کے بارے میں کچھ پتہ ہے وہ ایک ہفتے سے لاپتہ ہے''۔ شاہجہانی نے زوبیہ کی تسلی کے لئے زیدین سے استفسار کیا۔

''وہ جہاں بھی ہے محفوظ ہے''۔ زیدین کے اطمینان سے کہنے پر سب چونک اٹھے۔

''دیکھا حنا ٹھیک کہتی تھی، دعا اسی کے پاس ہے آپ لوگ ہماری بات کا یقین نہیں کرتے تھے اب تو یقین آگیا ناں بھابی''۔ زوبیہ نے لفظ کو چباتے ہوئے ادا کیا اور تائی ماں کی طرف دیکھا۔

''زیدین! یہ کیا حرکت ہے تم بغیر بتائے دعا کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟ اس کی ماں کی حالت بہت خراب ہے''۔ شاہجہانی زیدین کو ڈانٹنے لگے۔

''شاہجہانی! دعا اب واپس نہیں آئے گی''۔ زیدین نے ایک ایک لفظ ٹھونک بجا کے ادا کیا بناء کسی تاثر کے سپاٹ چہرے پر کسی کو بھی جواب دینے کی حتمی شکل رقم تھی۔

''کیوں تم جانتے ہو ماں سے بچی کو جدا کر کے تم نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے، حنا مر جائے گی اس کے بغیر''۔ چچا جان نے بھی اپنا فرض ادا کیا۔

چھوڑ وہ کمرے سے نکل گیا وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا کرے؟ زیدین کسی طور ماں کے نہیں دے رہا تھا، اور عناس کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی وہ تو مچھلی اور مچھیرے کے درمیان ڈور بن گیا تھا۔

''عدی تم ہی بتاؤ اس سارے مسئلے کا حل کیا ہے؟ مجھے تو دونوں ہی قصوروار نہیں لگتے''۔ ذون کو ہر مسئلے کا حل عدویہ کے پاس نظر آتا تھا، اس لئے وہ زیدین کی عدویہ سے نہ ملنے کی تنبیہ فراموش کرتا اس کے پاس چلا آیا۔

''ذون! زیدین اتنا پتھر دل نہیں ہے کہ کسی ماں کو تڑپا کر خوش ہو، اس نے اگر ایسا کیا ہے تو اس میں کوئی مصلحت ہی ہے، میرا خیال ہے وہ چند دنوں بعد یہ کھیل ختم کر دے گا، جہاں اتنا انتظار کیا ہے وہاں کچھ دیر اور دیکھ لو''۔ عدی سوچ کر بول رہی تھی۔

''عدی! اس میں کیا مصلحت ہے کہ ماں سے بیٹی الگ کر دی جائے، حنا بھابی جیسی بھی ہیں ماں تو ہیں''۔

''حنا کو اس کی سابقہ غلطیوں کا اگر خود احساس نہیں تو دلانا تو پڑے گا''۔ عدی کا لہجہ بھی حنا سے کسی بھی قسم کی ہمدردی سے عاری تھی، اس سوراخ سے تو وہ بھی کئی بار ڈسی جا چکی تھی۔

☆☆☆☆

عناس بے چین سی کمرے میں گشت کر رہی تھی، جب سے زیدین آیا تھا اس نے کمرے سے جھانک کر نہ دیکھا تھا، کھانا کھانے سے انکار تو کر بیٹھی تھی مگر اب خالی پیٹ کی چیخ و پکار برداشت سے باہر تھی وہ زیدین کا سامنا کیوں نہیں کرنا چاہتی تھی یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کیا حنا کے اوپر بیتی حالیہ قیامت کے زیر اثر وہ اسے خود غرض اور خطرناک انسان سمجھتی تھی یا اس سے ہوئے ہر بار کے ٹکراؤ کی کھٹی میٹھی شرارتیں اسے گدگداتی تھیں جانے کیا تھا یہ تضاد کیفیت اسے ہلکان کئے جاتی تھی، زیدین کی طلسماتی شخصیت اسے خود میں سمیٹے جاتی تو حنا کی فریادیں بھی اس کے کان میں گونجتی رہتیں، اپنے طور پر کچھ سوچنا سمجھنا تو اسے آتا ہی نہیں تھا، وہ ماں باپ کے دوبارہ کھانے کے لئے دریافت کرنے پر اچھا خاصا روٹھ چکی تھی، کیا تھا جو ماں کھانا کمرے میں ہی لے آتی، زیدین کے لئے پکے اسپیشل کھانوں کی مہک تو اور بھی ترسا رہی تھی دروازے پر کھٹکے کی آواز سنتے ہی وہ ماں سے خوب شکوہ کرنے کے خیال سے منہ موڑ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

''خیال آ گیا آپ کو کہ کوئی یہاں بھوکا ہے''۔ منہ بسورتی عناس نے منہ موڑے بغیر کہا۔

''تمہیں تو اب بھی خیال نہیں آیا کہ کوئی وہاں بھوکا ہے''۔ زیدین کی آواز تھی کہ بم بلاسٹ وہ اسپرنگ کی مانند اچھل کر کہاں سے کہاں جا پہنچی اگر زیدین نے ہاتھ نہ تھام لیا ہوتا تو شاید کھڑکی سے باہر ہی چھلانگ لگا دیتی۔

''ارے بھوک کی حالت میں بھی اتنا اسٹیمنا''۔ زیدین اس کی اچھل کود سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ عناس اس کے ہاتھ میں دبے اپنے کپکپاتے ہاتھ کو حسرت سے دیکھ رہی تھی نگاہیں تھیں کہ زمین میں گڑھی تھیں وہ زیدین کے تصور سے بوکھلا جاتی تھی ناں کہ محض ہاتھ بھر کے فاصلے پر کھڑے مہکتے چوڑے وجود سے دور ہونے کی تگ و دو میں مصروف تھی، زیدین اس کی مزاحمت پر ہمیشہ کی طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''تمہاری اور اپنی بھوک مٹانے کے لئے مجھے ہی تمہارے در پر آنا پڑا''۔ عناس کے لئے کھانے کی ٹرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے عناس کی بھوک اور اس کے چہرے پر ہاتھ سے فضائی سرکل بناتے ہوئے اس نے اپنے دیدار یار کی بھوک کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''ایک کام سے دبئی آیا تھا سوچا آپ لوگوں سے بھی ملتا جاؤں'' ۔ زیدین ان کی محبت پر خوش دلی سے بولا۔

''ماشاء اللہ برخوردار! اب ہم لوگ ہو گئے دیکھا رانیہ اپنے لاڈلے کو'' ۔ جہانگیر مصنوعی خفگی سے بولے، وہ ہمیشہ سے زیدین کی صلاحیتوں اور شخصیت کے معترف رہے تھے۔

''بس یہ میرا نک چڑھا بھتیجا ایسا ہی ہے جب سے شادی ہو کر آئی ہوں آج پہلی بار میرے گھر آیا ہے اور وہ بھی ضروری کام سے'' ۔ رانیہ بھی شکوے شکایت کرنے میں شوہر کا ساتھ دینے لگیں، زیدین کی نقل اتارنے میں تو انہوں نے کمال ہی کر دیا تھا، تینوں نفوس کے قہقہوں میں بڑی جان تھی۔

''اور حویلی میں سب خیریت ہے؟''

''جی سب نارمل چل رہا ہے'' ۔ یہ کہتے ہوئے بھی زیدین کے سامنے وہ قیامت تھی جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ کر آیا تھا، مگر سب نارمل کہتے ہوئے اس نے نخوت سے سر جھٹک دیا۔

''کب تک ہو بیٹا یہاں پر؟'' رانیہ کو آگے کی فکر لگ گئی۔

''بس تھوڑی دیر کے لئے ابھی جا رہا ہوں'' ۔

''جا کے تو دکھاؤ جہانگیر دروازہ بند کریں ذرا'' ۔ رانیہ کے مان بھرے اصرار میں کچھ بات تھی کہ عناس سے ملنے کی چاہ زیادہ قوی تھی کہ وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ وہ مزید شام تک رانیہ اور جہانگیر کی کمپنی میں رہا جہاں بھر کی ہوئی مگر اس معطر جان و روح کی جھلک تک نہ مل سکی رات کے کھانے پر وہ پر امید تھا کہ اب تو وہ سامنے آئے گی مگر رانیہ کے اطلاع دینے پر کہ اسے بھوک نہیں ہے نے اسے اچھا خاصا بد مزہ کر دیا۔

☆☆☆☆

''ذون! تم بھی اس شخص کی حمایت کر رہے ہو، جس نے تمہاری خوشی کو ماتم میں بدل دیا تھا، وہ وقت بھول گیا جب اپنی پسند کی شادی کرنے کی پاداش میں اس نے تمہیں حویلی سے نکل جانے کا آرڈر کیا تھا تمہارا جیب خرچ بند کر دیا تھا پائی پائی کو ترسا کرتے تھے تم آج اس نے میری بیٹی کو مجھ سے جدا کر کے ایک اور ظلم کیا ہے مجھ پر میری بچی تمہاری ہی طرح کسی یتیم خانے میں پڑ رہی ہوگی، ذون تمہیں ایک ماں پر رحم نہیں آتا'' ۔ حنا ہچکیوں سے روتے ہوئے ذون کا گریبان پکڑے جا رہی تھی، اسے زندگی میں پہلی بار چوٹ لگی تھی، اس لئے درد بھی بہت زیادہ تھا، اس نے اپنی خود غرضانہ زندگی میں صرف دعا ہی سے تو محبت کی تھی اور زیدین نے بھی اس کے جسم کے سب سے نازک حصے پر ضرب لگائی تھی جس کا درد اسے چین نہیں لینے دیتا تھا، وہ ہر ایک کے سامنے فریاد کر چکی تھی مگر سب اس کے دکھ کو سمجھنے کے باوجود کچھ بھی کرنے سے قاصر تھے، زیدین کسی کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا، یہاں تک کہ تائی ماں کے واسطوں کو بھی نظر انداز کر دیا تھا بالآخر حنا ذون کے آگے فریاد کناں تھی۔

''بھابی! آپ کی تکلیف اپنی جگہ درست ہے کہ ایک ماں اپنی اولاد کے بغیر نہیں رہ سکتی لیکن بھابی یہ سوچ اپنے ذہن سے نکال دیں کہ دعا کسی یتیم خانے میں ہوگی لالہ ایسی سفاکانہ حرکت کر ہی نہیں سکتے ہیں انہوں نے......''

''وہ سب کچھ کر سکتا ہے ذون! جو شخص جائیداد کے لالچ میں اپنے باپ کو قتل اور ماں کو پاگل پن کے انجکشن دے سکتا ہے، بھائی کو شاک دے کر مار سکتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے'' ۔ حنا غصے اور صدمے سے دیوانی ہو رہی تھی اور جو منہ میں آ رہا تھا بولے جا رہی تھی، ذون عناس نہیں تھا جو ہر بات پر تسلیم خم کر دے اسی طرح سر جھٹک کر بولا۔

''بھابی! فضول بولنے سے بہتر ہے دعا کے آنے کا انتظار کریں میں بھی لالہ سے بات کرتا ہوں'' ۔ حنا کو

نظرِ بد کی حقیقت

نظرِ بد کے بارے میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ نے فرمایا : اَلْعَيْنُ حَقٌّ

ترجمہ : نظر کا لگ جانا برحق ہے (صحیح بخاری)

- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نظرِ بد سے بچنے کیلئے تعویذ استعمال کیا کریں۔ (بخاری، مسلم)
- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر ایک لڑکی کو دیکھا جس کا چہرہ زرد تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اس کے لئے دعا تعویذ کراؤ اسے نظرِ بد لگی ہے۔ (بخاری، مسلم)
- حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کرتے تھے (اسلام لانے کے بعد) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے تعویذات مجھے پیش کرو، اگر ان میں شرک نہ ہو تو ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ (مسلم)

علاج

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظرِ بد سے بچنے کے لئے دعائیہ کلمات بھی اپنی امت کو بتلائے مثلاً فرمایا کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو بَارَكَ اللّٰهُ کہو۔ (مشکوٰۃ)
- جس کی نظر لگے، اس کو کہا جائے کہ غسل کرے اور اس کے غسل کا پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈالا جائے جس کو نظر لگی ہو۔ (مشکوٰۃ)
- مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (سورۃ کہف) پڑھنا قرآن سے ثابت ہے۔
- سورۃ الفلق اور سورۃ الناس بھی نظر کے لئے بطور دم پڑھنا چاہیئے۔ (صحیح ترمذی)

الہدیٰ انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ایجوکیشن فار ویمن

اسلام آباد: 58-، عمر الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد، پاکستان۔ فون: 051-2261759 فیکس: 051-2264773 ویب سائٹ: www.alhudapk.com

کراچی: ... فون: 021-5872923-5896704 فیکس: 021-5383560

''آؤ کھانا کھالو''۔زیدین نے اس کا ہاتھ اپنی طرف کھینچا وہ قریب آ کر بھی سر جھکائے رہی۔
''کیا بات ہے عناس! نہ سلام نہ دعا بس چپ کی ادا''۔اس کی مسلسل خاموشی پر زیدین کی چھٹی حس نے آلارم دیا تھا محض حیا تھی تو کچھ کمی تو آجانی چاہئے تھی مگر یہ کیسا گریز تھا کہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا، وہ اس کی کم عمری کے عنصر کو بھی نظر انداز نہیں کرتا تھا، اس لئے اس کی شرارتیں اور لب و لہجہ اپنی عمر و مزاج سے یکسر مختلف ہوتا، وہ عناس کے لیول پر آ کر بات کرنے کی کوشش کرتا تھا، ایک بالکل مختلف زیدین جس کی زبان پھول برساتی تو آنکھیں خمار سے لبریز ہوتیں ہر ہر انداز میں محبت جھلکتی تھی اس زیدین سے تو وہ خود بھی ناواقف تھا عناس ان جذبات کو سمجھنے سے قاصر کیوں تھی۔
''عناس! کم آن میری طرف دیکھو''۔زیدین نے عناس کا چہرہ دو انگلیوں کی مدد سے اٹھایا جس کے بھیگے کنارے زیدین کو الجھن میں ڈال گئے۔
''عناس! یہ کیا، تم یہ آنسو......'' پہلی بار زیدین کی زبان میں کوماذ لگے تھے، عناس کے آنسو اسے حد درجہ مضطرب و پریشان کر گئے تھے جس کی وجہ سے وہ یکسر لاعلم تھا۔
''عناس! اپنے شریک سفر کو شریک حال نہیں کرو گی تمہارے آنسو مول دے کر بھی نہ دیکھوں، اور تم انہیں بے مول لٹا رہی ہو''۔زیدین نے اس کے گال پر بہتے آنسو کو انگلی کی پور پر اٹھایا اور سنبھالتا ہوا لبوں سے لگا لیا۔ عناس کے دل کو جانثار کی ادا نے لب دم کر دیا، وہ زیدین کے محبت و فکر سے بھرپور جذبات سے جیسے نڈھال ہو گئی، جنگ میں پسپائی دل نے وجود کو شکست خوردہ کر دیا تھا، قدموں میں لغزش کیا ہوئی زیدین نے گرتی عمارت کو بانہوں کا سہارا دے دیا، وہ اس کے سینے سے لگی اس کے پیار میں ہارتے ہوئے رو دیئے چلی گئی۔ زیدین نے اب کی بار نہ تو اس کے آنسو پونچھے نہ رونے کا سبب دریافت کیا، خاموشی سے اس کی ہچکیاں سنتا رہا اور سر کو مضبوط ہاتھوں سے سہلاتا رہا۔ چند ہی لمحوں بعد کسمسا کے الگ ہوتی عناس نے باور کرا دیا کہ وہ سنبھل چکی تھی زیدین کی طرف سے کوئی حرکت نہ پا کر وہ خاموشی سے بیڈ پر جا کر بیٹھ گئی۔زیدین نے کھانے کی ٹرالی اس کے سامنے لا کر رکھی اور اس کے برابر آ بیٹھا وہ پچھلی بات دہرا کے اس کو مزید رونے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا، اور زیدین کو سامنے پا کر اپنی بھوک سے بے نیاز عناس بھی مزید کسی حماقت کے موڈ میں نہیں تھی پہلے ہی اس کے پاس اپنے بے وقت رونے کا کوئی جواز نہ تھا مزید سوالات سے بچنے کے لئے اس نے کھانا نکالا اور کھانا شروع کر دیا۔
''عناس! آفر نہیں کرو گی، کھانا تو میں نے بھی نہیں کھایا''۔معنی خیزیت سے پر لفظ آفر نے عناس کے حلق میں نوالا اٹکا دیا، مگر زیدین کی تصحیح پر اس نے سکون کی سانس لی وہ بنا کچھ کہے اس کے لئے نئی پلیٹ اٹھانے لگی کہ زیدین نے اس کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ میں سے نوالہ لینا شروع کر دیا۔
''عناس! زندگی بھر کے ساتھی بنے ہیں تو کھانے کے لئے تکلف کیوں؟'' زیدین کے آگے تو جیسے اسے سانپ ہی سونگھ جاتا تھا، اسے لگتا کہ وہ بولنا بھی جانتی ہی نہ تھی یا خود زیدین کی مکالمہ نگاری اتنی مکمل ہوتی کہ اس میں لقمہ دینے کی گنجائش بھی نہ ہوتی جس سے بات نہ کی جاتی تھی اس نے کھانا کیا خاک کھانا تھا دو نوالے لینے کے بعد ہی دعائے شکر پڑھ چکی تھی مگر کیا کہیں زیدین کو جو یوچھنے کرنے کے تو روادار ہی نہ تھے ایک لقمہ اپنے منہ میں لیتے تو دوسرا اس کے منہ میں اتار دیتے، عناس روبوٹ کی مانند منہ کھولتی اور بند کرتی جا رہی تھی۔
(باقی آئندہ)

کے دل ہلا گیا تھا۔ ایسا کیا ہو گیا تھا دونوں میں کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ افروز بیگم بہو سے پوچھ پوچھ کر تھک گئیں مگر وہ کچھ نہیں بولی، اپنے بیٹے کا گھر اتنی جلدی اجڑتا دیکھ کر وہ دل سے رنجیدہ تھیں۔ مما کو پتا چلا تو انہوں نے فون کر کے پوچھا۔

''مجھے اب اس گھر میں نہیں رہنا، میں اس گھر میں رہ ہی نہیں سکتی''۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو وہ کسی کو بتا نہیں سکتی تھی۔ افروز بیگم نے بیٹے سے الگ پوچھا تھا کہ اس نے ربا ب سے ایسا کچھ تو نہیں کہا، جو وہ اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جانے کو تیار ہے، مگر وہ خود پریشان تھا، نہ کوئی بات نہ کوئی وجہ، وہ تو سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔

گالوں پر آنسو لڑھکے تو اسے معلوم ہوا کہ وہ رو رہی ہے، وہ حیران ہوئی تھی کہ وہ کیوں رو رہی ہے؟ کیا اسے خود اپنے اس فیصلے پر دکھ تھا یا کوئی اور بات تھی۔

مگر وہ انجان تھی اپنی اس کیفیت سے۔ آنسو صاف کر کے اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا جو



ناولٹ

وفاؤں کے چراغ

وہ دو مہینے کی دلہن تھی، مگر اس کی زبان سے طلاق کا مطالبہ سن کر سبھی حیران و پریشان ہو کر رہ گئے تھے۔

شادی کو دو سال بھی ہوئے ہوتے تب بھی یہ مطالبہ بجا تھا مگر صرف دو مہینے کے اندر اندر طلاق کا مطالبہ سب



''رباب! جلدی تیار ہو جاؤ، بازار جانا ہے''۔ وہ تکیے میں منہ چھپائے بیٹھی تھی جب امی کمرے میں آئیں تھیں۔

''مما! صبا آپی کو ساتھ لے جائیں''۔ اٹھ کر بیٹھی وہ جانے پر آمادہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

''ہر مرتبہ وہی جاتی ہے ساتھ مگر آج تمہارا شادی کا لہنگا لینا ہے تو تمہارا بھی ساتھ جانا ضروری ہے''۔ پیار سے اس کے بالوں کو سنوارتے ہوئے سدرہ بیگم نے کہا تھا۔ لاڈلی تو وہ پہلے بھی تھی مگر جیسے جیسے اس کی شادی قریب آ رہی تھی اس کے لاڈ میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''صبا آپی کو بھی بلائیں پھر، وہ ساتھ ہوں گی تو مجھے ڈریس لینے میں ہیلپ کریں گی ناں''۔ بیڈ سے اتر کر سلیپر پہنتے ہوئے وہ بولی، پھر کال کر کے صبا کو بھی آنے کا کہہ دیا۔ اس کا سسرال قریب ہی تھا اس لیے آنے میں مشکل نہیں ہوئی۔

☆............☆............☆

شام کے وقت وہ بازار کی کئی دکانیں دیکھ چکی تھیں مگر اسے اپنے معیار کا کوئی لہنگا نظر نہیں آ رہا تھا پھر بڑی مشکل سے اسے اسکن اینڈ میرون کلر کا لہنگا پسند آیا تھا۔ دکان میں سب سے خوبصورت اور مہنگا لہنگا دلہن ڈریس تھا۔ پھر تھوڑی سی اور شاپنگ کے بعد وہ گھر جانے کے لیے پلٹی تھی۔

روڈ کراس کرنے کے لیے سڑک کے کنارے کھڑی وہ ٹریفک کے ہجوم کو دیکھ رہی تھی جب بالکل اس کے سامنے سے ایک بائیک گزری۔ بلیک ڈریس پینٹ پر لائٹ گرے شرٹ پہنے اوپر سے بلو ڈارک گرے سوئٹر پہنے وہ جو کوئی بھی تھا اپنے اندر طلسمی کشش رکھتا تھا، وہ اردگرد سے بے خبر صرف بائیک چلا رہا تھا، جیسے ہجوم میں اس کے سوا کوئی اور موجود ہی نہ ہو، رباب سانس روکے پلک جھپکے بنا دور تک دیکھتی

''چلو رباب!'' صبا نے اس کی کلائی پکڑ کر کھینچی تو وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔ بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے دوبارہ اس سمت دیکھا تھا پھر سر جھٹک کر اس نے صبا کے ہمراہ قدم بڑھا دیے۔

☆............☆............☆

وہ گھر پہنچی تو ذہن ابھی تک سڑک کے اس کنارے میں ہی کہیں کھویا ہوا تھا، وہ بار بار سر جھٹک کر خود کو اس نامعلوم کیفیت سے نکالنے کی کوشش کرتی مگر ہر بار ناکام ہو جاتی، اس نے سوچا تھا کہ یہ صرف ایک وقتی اثر ہے، چند گھنٹوں بعد اسے یاد بھی نہیں ہوگا کہ اس کے سامنے سے کوئی گزرا بھی تھا، مگر یہ اس کا خام خیال تھا۔ وہ نماز پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھاتی تو وہی چہرہ اس کی آنکھوں کے پردے میں اتر آتا۔ بات کرتے کرتے وہ نہ جانے کہاں گم ہو جاتی۔ سونے سے پہلے آنکھوں کے سامنے وہی عکس جھلملاتا تو وہ جھٹ سے آنکھیں کھول دیتی، اس بڑھتی کیفیت کے زیر اثر ایک دن تو وہ بے بس ہو کر رو پڑی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ خوبصورتی پر مرنے والی لڑکی تھی یا اس نے کبھی کوئی خوبصورت انسان نہیں دیکھا تھا۔ خاندان میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکا موجود تھا، مگر کبھی اس کے دل میں ایسا ویسا خیال نہیں آیا تھا مگر اب جب چند دنوں بعد اس کی شادی تھی، وہ گھبرا گئی، خود کو ہر وقت مصروف رکھتی تاکہ وہ چہرہ دوبارہ اس کے سامنے نہ آئے، مگر ذہن پھر بھٹک کر وہیں پہنچ جاتا۔ اب امی جب بازار جاتیں تو وہ ان کے ہمراہ ہوتی اور چند سیکنڈ کے لیے اسی جگہ پر اس کے قدم ضرور ٹھہرتے، لوگوں کی بھیڑ میں بھی وہ اس ایک چہرے کو ہی تلاش کرتی مگر ہر سو ناکامی تھی۔

☆............☆............☆

پرسوں اس کی مہندی تھی، عشاء کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھائے، تو نہ جانے کتنے آنسو پلکوں پر آ رُکے

رات کے گیارہ بج رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کل یہ گھر
ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلی جائے گی۔ وہ جا کر
بیڈ پر لیٹ گئی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

زریاب کمرے میں داخل ہوا تو نظر سامنے سوئی
ہوئی رباب پر پڑی، سوتے ہوئے اس کے چہرے پر
کرب کے اثرات واضح تھے، ابھی تو ان دونوں نے
ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھا بھی نہیں تھا، ابھی تو
تکلف کی دیوار بھی نہیں گری تھی اور وہ الگ ہونے کی
بات کر رہی تھی، وہ بریف کیس ایک سائیڈ پر رکھ کر
فریش ہونے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

مرزا احسن اور سدرہ احسن کے تین بچے تھے۔
سب سے بڑی صبا پھر انس اور آخر میں میرال مرزا
تھی، رباب سیکنڈ ایئر میں تھی جب امی کی جاننے والی
عورت اس کے لیے رشتہ لے آئی، وہ تو حیران ہی رہ
گئی تھی۔ ابھی عمر ہی کیا تھی، امی بھی اتنی جلدی کسی
رشتے کے حق میں نہیں تھیں، مگر رشتہ بہت معقول تھا،
نا چاہتے ہوئے بھی مرزا صاحب اور سدرہ بیگم کو سوچنا
پڑا۔ پچھلے سال ہی لڑکا پڑھائی مکمل کر کے اپنے پاپا کا
بزنس سنبھال رہا تھا اور لڑکے سے دو سال چھوٹا اس کا
ایک بھائی پڑھائی کے سلسلے میں انگلینڈ گیا ہوا تھا، کوئی
لمبی چوڑی فیملی نہیں تھی، امیر اور اچھے لوگ تھے۔ شاید
انہیں اپنی رباب کے لئے ان سے اچھا رشتہ دوبارہ نہ
ملتا۔ ایک دو ملاقاتوں میں ہی ان کے اچھے اخلاق
کے قائل ہو گئے تھے مگر رباب کی پڑھائی کو مدنظر رکھتے
ہوئے شادی دو تین سال بعد رکھی گئی تھی، البتہ
انگوٹھیوں کا تبادلہ ہو چکا تھا جس کے ذریعے وہ
زریاب احمد کے نام سے منسوب ہو چکی تھی، وہ شکل و
صورت سے بھی خوبصورت تھی، سلیقہ شعار تمیز دار تھی
اور کیا چاہئے تھا، اس لئے اعتراض کا تو کوئی جواز ہی
نہیں تھا، اس نے چپ چاپ ماں باپ کے فیصلے کے
آگے سر جھکا دیا، لیکن اس نے اپنی لائف کے دو سال
مانگے تھے تاکہ کم از کم وہ گریجویشن تک پڑھ سکے۔
جس کی اسے بخوشی اجازت مل گئی تھی۔ اس دوران صبا
آپی کی بھی شادی ہو گئی تھی۔ انس کو کمپنی کی طرف سے
باہر جانے کی آفر ملی تو وہ دبئی چلا گیا، وہ گریجویشن کے
دوسرے سال میں تھی جب افروز بیگم شادی کی ڈیٹ
لے گئی تھیں، رباب کے پیپرز کے کچھ دن بعد کی تاریخ
دے دی گئی تھی۔

☆......☆......☆

اس کے پیپر ختم ہونے تک گھر میں پہلے سے ہی
شادی کا ہنگامہ عروج پر تھا، انس تو فون پر اسے خوب
تنگ کرتا، صبا سے زیادہ وہ انس کے قریب تھی۔

"تم پاکستان آؤ، امی سے کہہ کر تمہاری آزادی
بھی ختم کرواتی ہوں"۔ وہ بھی ہنس کر اسے چھیڑتی۔

"میری چھوڑو اپنی فکر کرو"۔ وہ لاپرواہی سے
کہتا۔

"امی! انس بھائی کی شادی پہلے ہونی چاہئے، یہ
مجھ سے بڑے ہیں"۔ فون کان سے لگائے وہ جان
بوجھ کر اونچی آواز میں کہتی اور دوسری طرف انس کا
قہقہہ دیر تک سنائی دیتا۔

"تم اس لئے ابھی تک آزاد گھوم رہے ہو کہ تم
ملک سے باہر ہو، اگر پاکستان میں ہوتے تو تمہاری یہ
ہنسی نجانے کہاں غائب ہو چکی ہوتی"۔ وہ ماتھے پر
لکیروں کا جال بچھا کر تیکھے لہجے میں کہتی۔

"تم جل رہی ہو میری آزادی سے؟" وہ مزید
تنگ کرتا۔

"نہیں، بہت مس کر رہی ہوں تمہیں"۔ وہ
آنکھوں میں نمی لے کر پوچھتی۔

"کب تک آؤ گے؟"

"ہائے میری گڑیا، میری جان ایسے نہیں کرتے،
میں آؤں گا، تم فکر نہ کرو"۔ وہ اسے تسلی دیتا۔

"اچھا میں پھر بات کروں گی"۔ دل زیادہ بھر
جاتا تو وہ مزید بات کئے بغیر کال بند کر دیتی۔

لڑکھڑاتے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"انس بھائی!" اس نے سائیڈ پر ہو کر اسے اندر آنے کے لئے جگہ دی تھی۔ انس بیڈ پر بیٹھا تو وہ نیچے اس کے پاس گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔

"رباب! ایسے کیوں بیٹھی ہو، اوپر آؤ"۔ انس نے کہا مگر وہ یونہی بیٹھی رہی، اس نے دیکھا تو وہ بے آواز رو پڑی تھی۔

"رباب! کیا بات ہے؟" وہ پریشان ہوا تھا۔

"کچھ نہیں"۔ بھرائی آواز میں نفی میں سر ہلاتی وہ اتنا ہی بولی تھی۔

"نہیں کوئی بات تو ہے جب سے میں آیا ہوں تم بہت چپ چپ سی ہو، کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ مجھے"۔ انس پوچھ رہا تھا۔ وہ بتاتی بھی تو کیا۔ انس کے ساتھ جتنی مرضی فرینک تھی مگر وہ تھا تو اس کا بھائی۔ ایسی کوئی بات تو اس کے ساتھ نہیں کر سکتی تھی۔

"آپ لوگوں سے دور جانے کا حوصلہ نہیں ہے۔" اس کے گھٹنوں پر سر رکھ کر وہ رو پڑی تھی اور رونے کے لئے اس کے پاس صرف ایک ہی بہانہ تھا۔ انس نے لب بھینچ لئے پھر ہلکا سا مسکرا کر اسے اپنے برابر بٹھایا تھا۔

"پگلی نہ ہو تو، بس ایویں رو رو کے دکھا رہی ہو ہمیں، دیکھنا پھر سسرال سے ہی نہیں نکلنا تم نے"۔ انس نے اسے چھیڑا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"اس گھر میں آج آخری دن ہے ناں تمہارا، کل سے تو مہمانوں میں پھنسا ہوا تھا اس لئے سوچا کچھ وقت تمہارے پاس بیٹھ کر گزار لوں پھر کیا معلوم دوبارہ ایسا موقع ملے نہ ملے"۔ انس بھی افسردہ ہوا تھا۔ پھر وہ دونوں ڈھیروں باتیں کرتے رہے اور گزرے وقت کو یاد کر کے ہنستے رہے۔

☆......☆......☆

اگلے دن بارات تھی، وہ شہر کے سب سے مشہور ترین اور مہنگے بیوٹی پارلر سے تیار ہوئی تھی، اس پر بہت ٹوٹ کے روپ آیا تھا مگر ظاہری طور پر وہ جتنی پیاری لگ رہی تھی اندر سے اس سے زیادہ ٹوٹ کر بکھر رہی تھی۔ جتنا وہ بار بار اپنا ذہن بدلنے کی کوشش کرتی وہ بھٹک کر سڑک کے اس کنارے جا ٹھہرتا، آج تو اس نامعلوم اجنبی شخص کی یاد اور شدت سے آ رہی تھی اور بار بار آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ کسی کے شانے پر سر رکھ کر خوب روئے اور اپنے ماضی کے یہ چند دن آنسو بن کر اس کے دماغ سے بہہ نکلیں مگر وہ تو رو رو کر بھی تھک چکی تھی، جتنا وہ اس چہرے سے پیچھا چھڑاتی وہ اتنا ہی اس کے ذہن کے پردے میں جھلملانے لگتا۔

بیوٹی پارلر سے سیدھا وہ میرج ہال میں پہنچے تھے، آپی صبا اور خالہ زاد فرح اس کے ساتھ تھیں، تھوڑی دیر بعد بارات بھی پہنچ گئی اور اس کی بے ترتیب دھڑکن مزید تیز ہو کر اس کی بے قراری میں اضافہ کا باعث بننے لگی۔

"دلہا تو بہت پیارا ہے، اتنا خوبصورت ہے کہ تم دیکھتے ہی فدا ہو جاؤ گی"۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کزنز اس کے پاس آ کر دلہا کی تعریفیں کرنے لگیں تو وہ بے بسی سے ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

"سچ میں تم دونوں کی جوڑی ایک دوسرے کے ساتھ اتنی پیاری لگے گی کہ لوگ دیکھتے رہ جائیں گے"۔ فرح نے خوشی سے بھرپور کھنکتی آواز میں کہا تھا مگر وہ اپنی پلکیں اٹھا نہ سکی جو صبح سے جھکی ہوئی تھیں۔

صبح سے اس نے پلکیں اٹھا کر دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ جس طرح ایک انسان زندگی سے ہار کر شکست تسلیم کر لیتا ہے، اسی طرح اس نے اپنی پلکوں کو گرا کر تقدیر کے سامنے ہار مان لی تھی۔

سب اس کی خاموشی اور پلکوں کی نمی کو اس گھر کی جدائی کا خیال ظاہر کر رہے تھے۔ یہ سچ تھا کہ اگر اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو وہ گھر والوں سے دور جانے پر کتنی رنجیدہ ہوتی مگر اب اسے کچھ یاد

تھے، ساری زندگی اس کے قدم کبھی نہیں لڑکھڑائے تھے اور اب وہ بری طرح ہار رہی تھی۔ کتنا ڈھونڈا تھا اسے، بے مقصد بازار کے چکر لگا لگا کر وہ تھک گئی تھی۔ جان بوجھ کر کوئی نہ کوئی چیز لسٹ میں لکھنا بھول جاتی اور پھر شام کو ایک اور چکر بازار کا لگتا اور اس کی آنکھیں پھر تلاش کے سفر پر گامزن ہو جاتیں۔ چمکتا سفید رنگ، بالکل ہلکی سی بڑھی شیو، چمکدار سیاہ بال، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو پڑی تھی۔

☆.........☆.........☆

''یا اللہ! یہ کیا میرے ساتھ جو میری منزل نہیں کیوں ان راستوں پر لگا دیا مجھے، یا رب مجھے اتنی توفیق دے کہ میں اس چہرے کو بھول جاؤں اور جس کے ساتھ زندگی شروع کرنے جا رہی ہوں صرف اسی کا خیال میرے دل و دماغ پر حاوی رہے''۔ منہ پر ہاتھ پھیر کر وہ جائے نماز سے اٹھ گئی، مگر دل کی بے چینی کسی صورت بھی کم نہ ہوئی تو وہ امی کے پاس چلی آئی۔

''امی! مجھے ابھی شادی نہیں کرنی پلیز''۔ امی کی گود میں سر رکھ کر اس نے آہستہ سے کہا تھا، امی ہنس پڑیں، وہ سمجھیں شاید ماں باپ کا گھر چھوڑنے پر وہ ایسا بول رہی تھی۔

''میں آپ لوگوں کے بغیر کیسے رہوں گی امی؟'' رونے کے لئے بس بہانہ چاہیے تھا اور وہ رو پڑی تھی۔

''بیٹیوں کو تو ایک دن اپنے گھر جانا ہی ہوتا ہے، دکھ تو ہوتا ہے مگر...'' امی کی آواز بھی بھرا گئی تھی۔

''امی! کچھ دن اور مانگ لیں پلیز''۔ وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

''پاگل ہو گئی ہو، پرسوں مہندی ہے تمہاری اور شادی سے تین دن پہلے ہم ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں، لوگوں کی باتیں سنی ہیں کیا؟'' امی کو غصہ آیا تھا اور وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ آئی۔

☆.........☆.........☆

''رباب!'' وہ کزنوں کے جھرمٹ میں گم صم سی بیٹھی تھی جب اسے کسی نے پکارا تھا۔

''انس بھائی...!'' اس کے لب ہلے تھے۔

وہ بھاگ کر بھائی کے شانے سے جا لگی، پھر تو جو رونا شروع ہوئی تو اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

''رباب چپ کرو''۔ اس کے سر کو تھپکتے ہوئے اس کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

''اب بس کرو، میں بڑی ہوں میری باری بھی آنے دو''۔ صبا نے پاس آ کر اسے الگ کیا تھا۔

''اور تم... بڑی بہن کی ذرا فکر نہیں ہے، ہے ناں''۔ انس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے صبا نے افسردہ تاثرات کو زائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

''السلام علیکم آپی! کیسی ہیں آپ''۔ آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلتے ہوئے مسکرا کر اس نے صبا کو ساتھ لگایا تھا جب تک امی بھی آ گئی تھیں، بیٹے کو خود سے لپٹا کر خوب پیار کیا تھا، سب سے ملتے ہوئے بھی اس کی نگاہیں بھٹک کر رباب تک پہنچ جاتی، وہ بھی بار بار اسے ہی دیکھ رہی تھی مگر ملنے ملانے والوں کا اتنا رش تھا کہ وہ چاہ کر بھی دوبارہ رباب کے پاس نہیں جا سکا۔

☆.........☆.........☆

اگلے دن مہندی کا فنکشن بھی بہت دھوم دھام سے ہوا تھا۔ اس کے سسرال سے اس کی مہندی اور جوڑا آیا تھا، اس کی بار بار آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ آخری موڑ پر وہ کیسے خود سے دغا کھا گئی تھی، خود کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کرتے ہوئے وہ گھٹنوں پر سر رکھ کر سسک پڑی تھی۔ وہ ایک نظر کیسے اسے دھوکہ دے گئی تھی، وہ بے نام منزل کی مسافر بن چکی تھی، کاش وہ اسے کہیں مل جائے تو وہ اسے کہیں جانے نہ دیتی۔

دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے سر اٹھا کر پہلے دروازے کی طرف دیکھا پھر اپنے گالوں پر

"کیا...؟ کیا کہا آپ نے؟ آپ اس شادی کے لئے تیار نہیں تھیں، ہماری انگیجمنٹ کو تقریباً ڈھائی سال ہو چکے ہیں اور آپ کہہ رہی ہیں کہ..." اسے حیرت ہی نہیں دکھ بھی ہوا تھا، وہ بت بنی خاموش بیٹھی رہی اور ہاتھوں کی انگلیوں کو مسلتی رہی۔

"او کے آپ چینج کر لیں"۔ زریاب نے نرمی سے کہہ کر بہت بڑے حوصلے کا ثبوت دیا تھا۔ وہ ایک نظر اس وجیہہ شخص پر ڈال کر جو اب اس کا مقدر تھا آہستہ سے اٹھی تھی، چوڑیوں کی کھنک نے اس خاموشی میں عجیب سا سحر طاری کیا تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر وہ ایک ایک زیور اتارنے لگی تھی، دوپٹے کو نجانے کتنی پنیں لگائی گئی تھیں، وہ الجھ گئی تھی، جب اچانک اسے آئینے میں اپنے بالکل پیچھے زریاب کا عکس دکھائی دیا تھا، اس کے ہاتھ وہیں پر تھم گئے۔

"لائیے میں اتار دیتا ہوں"۔ اس نے آگے بڑھ کر آہستہ سے دوپٹے کو پنوں کی قید سے آزاد کیا تھا، پھر باہر نکل گیا۔

زریاب کچھ دیر کھڑی بند دروازے کو دیکھتی رہی پھر چینج کرنے چلی گئی۔ جب واپس آئی تو زریاب نائٹ بلب جلائے آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا ہوا تھا، وہ بے آواز چلتی دھیرے سے بیڈ کے کنارے لیٹ گئی۔

زریاب نے بازو ہٹا کر ایک نظر اسے دیکھا تھا پھر دوبارہ آنکھوں پر بازو رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆.........☆.........☆

اگلے دن ولیمہ تھا اور وہ صبح جلدی اٹھ گئی تھی۔ اس نے کمرے میں ہی نماز ادا کی تھی جب تک زریاب بھی اٹھ گیا تھا، وہ نہا کر شاکنگ پنک کلر کا موتی ستاروں والا سوٹ پہن کر نکلی تھی، بال بنا کر ہلکا سا میک اپ اور ہونٹوں پر ہلکے شیڈ کی لپ اسٹک لگا لی۔

ولیمے کا فنکشن تو رات کو تھا اس لئے وہ یونہی ہلکا سا تیار ہو گئی۔ کندھے پر دوپٹہ ڈال کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ناشتہ اس نے کمرے میں ہی کر لیا تھا، جب تک زریاب بھی کلف لگے وائٹ شلوار قمیض میں آ گیا۔

وہ آنے والے وقت کو اچھے طریقے سے گزارنے کے بارے میں سوچ رہی تھی جب زریاب کی کزنز نے کمرے میں ہلہ بول دیا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے ہونٹوں کو مسکرانے پر مجبور کیا تھا مگر جیسے ہی اپنے قدموں کے پاس بیٹھے وجود کو دیکھا تو وہ سانس لینا بھول گئی تھی، ہونٹ ساکت ہو گئے تھے، آنکھیں پتھرا گئی تھیں، وہ چہرہ جسے وہ نجانے کہاں کہاں تلاش کرتی رہی تھی اب اس کے قدموں میں بیٹھا تھا، بلیک پینٹ اور لائٹ پنک شرٹ میں وہ بس ہلکے سے مسکرا رہا تھا۔

"بھابی! جلدی کریں ناں"۔ زریاب کی کزن نے اس کے کندھے کو چھوا تو وہ جیسے ہوش میں آئی تھی، پھر دوبارہ اپنے پاس بیٹھے شخص کو دیکھا جو کس روپ میں سامنے آیا تھا۔

"سیماب! تم بھی کچھ بولو ناں"۔ زریاب کے ایک کزن نے اسے کہنی ماری تھی۔

"میں کیا بولوں"۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بس اتنا ہی بولا تھا۔

"دفع ہو تم، بھابی ہم نے دس ہزار سے کم نہیں لینا، زیادہ جتنے مرضی دے دیں"۔ زریاب کا وہی کزن بولا تھا مگر اس کے ہونٹ تو جیسے سل گئے تھے، وہ قدرت کے اس کھیل پر حیرانی کی حدوں کو چھو رہی تھی۔

"میری بیگم کو تنگ نہ کرو تم لوگ"۔ زریاب بھی میدان میں کود پڑا تھا۔

"زریاب بھائی! آپ لڑکے والے ہیں، پارٹی نہ بدلیں"۔ ان سب نے دہائی دینی شروع کر دی تھی۔

نہیں تھا، وہ دل میں بس ایک ہی دکھ بسائے بیٹھی تھی۔

نکاح کے وقت جب اس نے تین مرتبہ ''قبول ہے'' کہا تو پلکوں کا بوجھ مزید بڑھ گیا تھا۔ دو شفاف موتی ٹوٹ کر گالوں پر لڑھک آگئے تھے، نکاح نامے پر سائن کرتے ہوئے ہاتھ سے بال پوائنٹ پھسل گئی تھی۔

کچھ دیر بعد اسے لا کر زریاب احمد کے پہلو میں بٹھا دیا گیا تھا۔ اس کے اندر کوئی تجسس نہیں جاگا تھا کہ وہ ایک نظر اپنے ساتھ بیٹھے اس شخص کو دیکھ لے جس کے نام وہ اپنی ساری زندگی کر چکی ہے۔ اس کی نگاہیں بدستور اپنے حنائی ہاتھوں پر مرکوز تھیں جس پر مہندی کا بہت گہرا رنگ آیا تھا، مگر اسے سب بے رنگ اور پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا، بار بار آنکھوں میں نمی چھلکتے اور ہونٹ کاٹتے کاٹتے وہ تھک گئی تھی۔ چہرے پر سنجیدگی اسے انوکھا روپ بخش رہی تھی، اسے نہیں ہوش کہ کب اس پر چادر لا کر اڑھائی گئی اور اسے زریاب احمد کے سنگ رخصت کر دیا گیا۔ رخصتی کے وقت کون رویا تھا، انس کتنی دیر اسے ساتھ لگائے کھڑا رہا، اسے کچھ بھی یاد نہیں بس یاد تھا تو اتنا کہ وہ کسی اجنبی کے دکھ پر کتنے ہی آنسو انس کے شانے پر گرا چکی تھی، کتنی سسکیاں وہ اس دہلیز پر چھوڑ گئی تھی۔

☆.........☆.........☆

سسرال کا گھر بہت بڑا اور نہایت خوبصورت تھا، یہاں پر بھی کئی رسمیں ادا کی گئی تھیں۔ گھر کی پہلی شادی تھی ہر ایک نے اپنے دل کے ارمان پورے کیے تھے مگر اس کی پلکیں اس کے ہاتھوں پر ہی جھکی ہوئی تھیں، اس کا دل جیسے اس سارے ہنگامے سے بہت دور کہیں بھٹک رہا تھا۔

بیٹھے بیٹھے وہ تھک گئی تھی۔ رات کے شاید دس بج رہے تھے جب افروز بیگم کے کہنے پر ہی اسے کمرے میں لے جایا گیا تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی سوچوں کی وادی میں نہ جانے کہاں بھٹک رہی تھی جب دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے اپنی پلکوں کو اٹھا کر آنے والے کی طرف دیکھا تھا۔ کریم کلر کی شیروانی میں اونچا لمبا زریاب احمد سچ میں بہت خوبصورت اور ہینڈسم تھا۔ وہ دوبارہ پلکیں جھکا گئی۔ وہ آہستہ سے چلتا اس کے مقابل آ کر بیٹھا تو وہ خود میں جیسے سمٹ سی گئی۔

''السلام علیکم!'' کمرے کی پرسکون خاموشی میں زریاب کی مدھم سی آواز گونجی تھی مگر وہ چاہ کر بھی ہونٹ ہلا کر سلام کا جواب نہ دے سکی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ مزید بولا تھا۔

''ٹھیک ہوں''۔ بڑی مشکلوں سے وہ دو لفظ ادا کر پائی تھی، نمایاں طور پر لرز کر رہ گئی تھی۔

زریاب نے منہ دکھائی میں بریسلٹ پہنانے کے لیے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما تو اس نے آہستہ سے آنکھیں بند کی تھیں، پلکوں کی باڑ پھر نم ہونے لگی۔

''سب لوگوں سے بہت تعریف سنی تھی آپ کی تب تو میں ہنس کر ٹال جاتا مگر اب یقین ہوا سچ ہی کہتی تھیں وہ''۔ اس کے خوبصورت چہرے پر نگاہیں جما کر وہ محبت سے بولا تھا، رباب نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا، زریاب نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے میں صبح سے دیکھ رہا ہوں آپ بہت چپ چپ ہیں، بولنا تو دور آپ نے کسی کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا''۔ مقابل نے شاید اچھی طرح اس کا جائزہ لیا تھا۔ اب سنجیدگی سے کہہ رہا تھا، وہ ہونٹ بھینچ کر خاموش رہی۔

''نہیں... ایسی بات نہیں ہے۔ وہ... دراصل میں ابھی شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھی اس لیے...'' وہ گڑبڑا کے بات ادھوری چھوڑ گئی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بولے جبکہ زریاب کو اس کے جواب پر جھٹکا لگا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



"دونوں بھائی ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں، زریاب تو بچپن میں مجھے تنگ کرلیا کرتا تھا مگر سیماب نے کبھی مجھے تنگ نہیں کیا۔

زریاب اس سے پانچ سال بڑا تھا چھبیس ستائیس سال کا خوبصورت نوجوان تھا مگر زریاب کو ابھی بھی وہ ذہنی طور پر قبول نہیں کر پائی تھی۔ وہ بہانے سے آنٹی کے پاس سے اٹھ آئی مگر لاؤنج میں ہی اسے سیماب مل گیا، وہ شاید کہیں جا رہا تھا۔

"مسٹر... سیماب"۔ لرزتی آواز میں نجانے کیوں وہ اسے پکار بیٹھی تھی۔

"جی..." وہ پلٹا تھا۔ رباب کی آنکھیں بھر آئی تھیں وہ نفی میں سر ہلا گئی۔ وہ حیران ہوتا باہر چلا گیا، وہ بھی واپسی کے لئے مڑی تو کچھ فاصلے پر زریاب کھڑا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ پاس آیا تھا۔

"کچھ نہیں" آہستہ سے بول کر وہ کمرے میں چلی آئی۔

رات کو کھانا بھی نہیں کھایا، سونے کے لئے لیٹی تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، کروٹ پر کروٹ بدل کر وہ تھک چکی تھی، زندگی ایک عذاب لگنے لگی تھی، جس میں سانس لینا بھی بہت تکلیف دہ لگ رہا تھا۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب وہ وضو کر کے نوافل ادا کرنے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے بیٹھی تھی۔

"یا اللہ! کیوں کیا میرے ساتھ ایسا؟ وہ میری قسمت میں نہیں تھا تو کیوں میری زندگی میں آیا۔ میں اپنی سوچوں کو صرف زریاب تک محدود رکھنا چاہتی ہوں، اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی مگر میں ایسا نہیں کر پا رہی ہوں۔ یا اللہ! میں خود کو سنبھال لیتی اگر وہ زریاب کا بھائی نہ ہوتا۔ روز اس سے سامنا نہ ہوتا، اسے دیکھ کر میں بے بس ہو جاتی ہوں۔ مولا تیری عبادت میں اطمینان ہے، مجھے بھی اس بے چینی سے نجات دلا دے، میں مر جاؤں گی، میں اب کسی کی بیوی ہوں مگر میں جانتی ہوں میں زریاب کے ساتھ ناانصافی کر رہی ہوں، اسے دھوکہ دے رہی ہوں۔ مولا میری مدد فرما، مجھے سکون نصیب کر دے"۔ اس کے ہونٹ خاموش تھے مگر آنکھیں بارش کے قطروں کی طرح برس رہی تھیں، آنسو گالوں پر لڑھک کر ہتھیلی پر گرتے جا رہے تھے، اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا، وہ پلٹی تھی زریاب بھی گھٹنوں کے بل اس کے برابر بیٹھا تھا۔

"زریاب..." دھیرے سے پکار کر وہ اس کے سینے سے لگ بچوں کی طرح رو پڑی تھی۔

☆.........☆.........☆

وہ خود سے ہارتے ہارتے تھک گئی تھی۔ آخر اس کا مطالبہ طلاق پر آ کر ختم ہوا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا نہ تو وہ زریاب کے ساتھ رہ کر اسے دھوکہ دے گی اور نہ یہاں رہ کر خود کو مزید اذیت سے دوچار کرے گی۔ افروز آنٹی نے کتنی بار اس سے پوچھا تھا۔ ماما، صبا آپی، انس بھائی سب کے باری باری فون آ چکے تھے مگر اس کے لبوں پر جامد خاموشی تھی۔ اس کے پاس کسی کو بتانے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ زریاب نے بھی اس سے پوچھا تھا۔

"میں آپ کے قابل نہیں ہوں زریاب"۔ اس کے سوا وہ کچھ نہیں بول پائی۔

وہ صبح صبح اٹھ کر اپنے کپڑے پیک کرنے لگ گئی تھی جب ایک جھٹکے میں دروازہ کھولتا سیماب احمد کمرے میں آیا تھا، کپڑے تہہ کرتے اس کے ہاتھ تھم گئے تھے۔

"بھابی..." سیماب اصل رشتہ لے کر سامنے آیا تھا، آنسو ٹوٹ کر پلکوں پر گر رہے تھے، وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی، وہ جو کبھی ضرورت پڑنے پر اس سے مخاطب نہ ہوا تھا اب اس کے کمرے میں کھڑا تھا۔

"سیماب! نہیں تم نے بھی تو یاری نہیں بدل لی، کچھ بول ہی نہیں رہے ہو"۔ زریاب کی ایک کزن نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر چہرہ جھکا گیا۔

"یہ لو پکڑو، جان چھوڑو تم لوگ"۔ زریاب نے اپنے والٹ سے رقم نکال کر سیماب کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"بھائی میں خود نہیں آیا، یہ سب لوگ مجھے زبردستی لے کر آئی ہیں"۔ اس نے صفائی دی تھی۔

"سیماب کے بچے ایک تو تیری جیب گرم کروائی اور اوپر سے تم ہماری شکایتیں لگا رہے ہو"۔ سبھی تڑپ گئے تھے اور وہ ہنستے ہوئے باہر نکل گیا، اور زریاب بے یقینی کے بھنور میں پھنسی ابھی تک ساکت بیٹھی تھی۔

☆...☆...☆

ولیمے کا فنکشن بھی زور و شور سے کیا گیا تھا۔ وہ جو خود کو ذہنی طور پر اس نئے رشتے کے لئے تیار کر رہی تھی اب ساری کوششیں دم توڑ گئی تھیں۔ ولیمے کے بعد دعوتوں کا سلسلہ چلا، وہ چپ چاپ ہر جگہ زریاب کے ساتھ جا رہی تھی۔

مہمان چلے گئے تو گھر کی رونق بھی جیسے ختم ہو گئی۔ گھر میں افراد ہی کتنے تھے۔ زریاب اور انکل صبح سے آفس میں ہوتے، سیماب جو تقریباً دو مہینے پہلے انگلینڈ سے آیا تھا وہ بھی آفس جانے لگا تھا، پیچھے رباب اور افروز آنٹی رہ جاتے۔ کام وغیرہ سارا ملازم کرتے جن کی نگرانی آنٹی کے ذمہ تھی اور وہ فارغ ہی ہوتی۔ سیماب سے سامنا ہوتا تو وہ کوشش کرتی کہ سامنے سے ہٹ جائے۔ سیماب کے لئے اس کے خیالات بالکل درست نکلے تھے۔ جب اس نے پہلی بار اسے دیکھا تھا تبھی وہ اردگرد سے بے پرواہ لگا تھا، وہ بالکل ایسا ہی تھا بس اپنے کام سے کام رکھنے والا، بڑوں کا ادب کرنے والا اور غصہ تو شاید اسے چھو کر نہیں گزرا، وہ بہت کم بولتا تھا مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ کوئی اسے مخاطب کرے تو وہ روکھے لہجے میں جواب دے، ایسا تو بالکل نہیں لگتا تھا کہ وہ انگلینڈ جیسے ماحول میں رہ کر آیا ہے۔

چپ کے خول میں سمٹی وہ چڑچڑی ہو گئی تھی، سسرال میں چند دن رہنے کے بعد وہ میکے چلی گئی تھی۔ تقریباً ایک مہینہ وہ وہاں رکی تھی۔ سیماب کے سامنے جا کر وہ بے بس ہو جایا کرتی تھی۔ اس میں مقناطیسی کشش تھی، اس نے کبھی غور سے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا مگر پھر بھی وہ اپنے دل و دماغ پر پہرے نہیں لگا سکتی تھی اس لئے اس نے فرار کی راہ منتخب کی تھی اور ابھی بھی اس کا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر وہاں سے مسلسل فون پر فون آ رہے تھے اور ایک شام آفس سے واپسی پر زریاب اسے لینے آ گیا، اسے مجبوراً واپس آنا پڑا۔

☆...☆...☆

"رمیلا! میں چاہتی ہوں کہ سیماب کی بھی شادی کر دوں"۔ وہ افروز آنٹی کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی جب انہوں نے کہا، وہ چونکی تھی۔

"جی..." ہونٹ کپکپا گئے تھے۔

"میں تو پچھتا رہی ہوں، زریاب کے ساتھ ہی اس کی شادی بھی کر دیتی، عمر تو اس کی بھی شادی کی ہو گئی ہے، تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہو تو بتاؤ تم"۔ وہ کچھ بول نہیں پائی۔

"زریاب کی شادی بھی ہم نے جلدی کر دی تھی مگر جب تمہارا رشتہ زریاب سے طے ہوا تب سیماب کو انگلینڈ گئے ابھی سال ہی ہوا تھا۔ اتنی جلدی واپس نہیں آ سکتا تھا اور میرے دو ہی تو بیٹے ہیں، بھلا کیسے میں ایک بیٹے کے بغیر دوسرے بیٹے کی خوشیاں دیکھ سکتی تھی اور اس طرح تمہیں بھی پڑھنے کا موقع مل رہا تھا ورنہ پڑھائی تو شادی کے بعد بھی ہو سکتی تھی"۔ آنٹی بول رہی تھیں اور وہ چپ چاپ سن رہی تھی۔

سیماب اپنے کمرے میں بیٹھا ابھی بھی بے یقین تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ کاش جو کچھ اس نے سنا وہ غلط ہو لیکن انسان کے چاہنے نہ چاہنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' وہ ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھا تھا جب زریاب کی آواز پر چونک کر سیدھا ہوا۔

''کچھ نہیں''۔

''رباب کے بارے میں سوچ رہے ہو؟'' زریاب یقین سے بولا تھا۔

''نن... نہیں بھائی''۔ وہ بلاوجہ گڑبڑا رہا تھا۔

''بہت اچھی لڑکی ہے وہ''۔ زریاب نے کہا تو سیماب نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''اس سے شادی کر لو سیماب، بہت پیار کرتی ہے وہ تم سے''۔

''بھائی! ایسا نہیں ہو سکتا''۔ وہ بے بسی سے بولا تھا۔

''ہمارے درمیان میاں بیوی والا کوئی رشتہ نہیں تھا اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ ذہنی طور پر اس شادی کے لیے تیار نہیں تھی اس لیے اسے کچھ وقت چاہیے۔ جس طرح وہ اس گھر میں داخل ہوئی تھی بالکل ویسی ہی گئی ہے''۔

''بھائی پلیز...'' اس کی بات کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا اس لیے بھائی کی بات کاٹ دی تھی۔

''جانتے ہو سیماب، اس کے دل میں جو شخص تھا وہ سارے اختیار اسے ہی دینا چاہتی ہے اور اس کے دل میں صرف تم ہو''۔

''بھائی وہ آپ کی بیوی ہے''۔ سیماب نے یاد دلایا تھا۔

''بیوی تھی، ہے نہیں''۔ زریاب بولا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے حیرانگی سے زریاب کی طرف دیکھا تھا۔

''میں اسے طلاق دے چکا ہوں''۔

''کیا؟'' سیماب ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا، بے یقینی سے زریاب کو دیکھنے لگا۔

''بھائی یہ کیا کیا آپ نے''۔

''میں نے کچھ نہیں کیا، یہ رباب کا ہی فیصلہ تھا اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا''۔ زریاب بول رہا تھا اور سیماب شرمندگی سے اس کے پاس نیچے بیٹھ گیا۔

''آئی ایم سوری بھائی''۔ اس کے لہجے میں بے بسی نمایاں تھی۔

''اس میں تمہارا کیا قصور، میں نے تو بس یہ سب اس لیے بتایا کہ اگر تم اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہو تو تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو''۔

''مگر بھائی...''

''میری ٹینشن نہ لو، میری شادی بھی ہو جائے گی''۔ سیماب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''کس سے بھائی؟''

''رانیہ سے (امی کی کزن کی بیٹی) تم جانتے تو ہو وہ کس حد تک مجھ سے محبت کرتی ہے، اس کے جذبات سے تقریباً سارا خاندان واقف تھا اور جب میری منگنی ہوئی تھی تو یاد ہے تمہیں کہ تم نے مجھ سے کتنا جھگڑا کیا تھا کہ میں رانیہ کے حق میں فیصلہ کروں مگر میں نے اس کے بارے میں ایسا ویسا نہیں سوچا تھا اس لیے سارے اختیارات امی کو دے دیئے۔ مگر اب مجھے لگتا ہے رانیہ کی محبت میں زیادہ طاقت تھی جو یہ سب ہو گیا۔ میں واپس جاؤں گا اور مجھے یقین ہے وہ آج بھی میری منتظر ہو گی۔

زریاب بتا کر جا چکا تھا اور سیماب وہیں بیٹھا اس پل پل بدلتی تقدیر پر حیران رہ گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

لٹا کر ہر چیز منزل عشق کی راہ میں
میں ہنس پڑا ہوں آج خود کو برباد دیکھ کر

اسے طلاق کے کاغذات مل چکے تھے اور وہ

"کیوں کر رہی ہیں آپ ایسا؟ بھائی سے لڑائی ہوئی ہے آپ کی، مجھے بتائیں میں بات کروں گا بھائی سے مگر پلیز آپ یوں گھر چھوڑ کر نہ جائیں۔ یہ رشتے اتنے کمزور نہیں ہوتے کہ انہیں یوں اچانک چھوڑ دیا جائے"۔ رشتے میں چاہے اس سے چھوٹا سہی مگر عمر میں اس سے تین سال بڑا تھا، شاید اسی لئے آ گیا تھا، وہ خاموشی سے آنسو بہائے گئی۔

"کوئی وجہ تو ہوگی جو آپ نے اتنا بڑا فیصلہ کیا۔ مجھے بتائیں پلیز کیا بات ہے، دیور نہ سہی دوست سمجھ کر بتا دیں"۔ وہ اس کے سامنے کھڑا اصل وجہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ جو ہر کسی کے پوچھنے پر خاموشی اختیار کر لیتی تھی اب کی بار اسے لگا کہ وہ کمزور پڑ رہی ہے۔

"میں وعدہ کرتا ہوں جہاں تک ہو سکا اس مسئلے کو حل کرانے کی کوشش کروں گا"۔ سیماب نے اسے تسلی دی تھی۔

وعدہ کرو پھر تم اس کا نام نہیں پوچھو گے"۔ آنسو صاف کرتے نجانے کیسے اس کی زبان سے نکلا تھا، سیماب خاموش ہی رہا اور وہ جو روانی میں بولنا شروع ہوئی تو بولتی چلی گئی۔

"میری زندگی بہت سادہ اور اچھی گزر رہی تھی، عمر میں سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے میں گھر بھر کی لاڈلی تھی، ماں کی آنکھ کا تارا تو بھائی کے لئے کسی گڑیا سے کم نہیں تھی، اپنی زندگی کو میں نے ہمیشہ حقیقی رشتوں تک ہی محدود رکھا تھا، کبھی کسی کے بارے میں ایسا ویسا نہیں سوچا۔ میں سیکنڈ ایئر میں تھی جب زریاب کا رشتہ آیا۔ میں مطمئن تھی اور شاید خوش بھی کیونکہ میری پڑھائی ڈسٹرب نہیں ہوئی تھی۔ بات صرف منگنی تک تھی، جب میرا گریجویشن کمپلیٹ ہوا تو شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اور اس دن میں اپنی شادی کا لہنگا لینے گئی تو... تو میری نظر سامنے سے گزرتی بائیک پر پڑی، نجانے کیا بات تھی اس میں کہ میرا دل بھی اس کے ساتھ کھنچا چلا گیا۔ گھر آنے کے بعد بھی وہی چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھومتا رہا۔ میں سر جھٹک جھٹک کر اس چہرے کو اپنے ذہن سے دور کرتی مگر اگلے ہی پل وہی چہرہ میرا سکون برباد کر دیتا، شادی کو صرف مہینہ رہ گیا تھا اور میری یہ کیفیت تھی۔ میں نے بہت کوشش کی اسے بھلانے کی، رب سے دعائیں بھی مانگیں رو رو کے تھک گئی مگر کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ایسے ہی میری شادی زریاب سے ہو گئی، میں نے ہر ممکن کوشش کی اس رشتے کو نبھانے کی، زریاب کو قبول کرنے کی، میں اسے بھول بھی جاتی مگر تم ہی بتاؤ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے جب وہ روز کا میرے سامنے رہے گا تو کیسے..." سیماب چونکا تھا اور وہ بولتے بولتے ایک دم رکی تھی، گالوں پر لڑھکتے آنسو بھی ٹھہر گئے تھے، جو راز وہ چھپانا چاہتی تھی روانی میں وہ اسی راز کو بیان کر گئی اور پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

"آئی ایم سوری"۔ سیماب کو دیکھے بغیر وہ بیگ گھسیٹتی باہر نکل گئی اور سیماب کمرے میں ساکت کھڑا رہ گیا تھا، کمرے میں کھڑا سیماب ہی نہیں بلکہ دروازے کے باہر کھڑا زریاب بھی ساکت رہ گیا۔

☆..........☆..........☆

وہ گھر واپس آ گئی تھی مگر اس کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی، انس کو معلوم ہوا تو وہ فوراً دو دن بعد پاکستان چلا آیا۔ گھنٹہ اس کے پاس بیٹھ کر سر کھپاتا رہا مگر وہ کچھ نہیں بولی۔

بتانے کے قابل کوئی بات ہوتی تو بتاتی، سب اپنی اپنی جگہ پریشان تھے۔ انس بھی تین چار دن بعد واپس چلا گیا تھا اور اسے اپنا دل دور دور تک ویرانیوں میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

☆..........☆..........☆

چلی گئی۔ دل کی حالت بھی عجیب ہو رہی تھی۔ بلیک اینڈ گولڈن شیفون کے سوٹ میں اس کی گوری رنگت مزید نمایاں ہو گئی تھی۔ وہ باہر آئی تو سیماب احمد امی کی کسی بات پر دھیرے سے مسکرا رہا تھا، وہ پاس آئی تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

پانچ دس منٹ یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے تھے، دونوں خاموش تھے۔ رباب تو مسلسل باہر بھاگتے دوڑتے مناظر میں محو تھی جب سیماب احمد نے گلا کھنکار کر خاموشی کو توڑنے کی کوشش کی تھی، وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کیسی ہو؟'' سامنے دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہوں، گھر میں سب کیسے ہیں؟'' ہمت کر کے اس نے بھی بات کو آگے بڑھایا تھا۔

''ٹھیک ہیں سب گھر میں، جن کا حال تم پوچھنے کی کوشش کر رہی ہو وہ تو تمہارے سامنے ہی ہے۔'' اس کی جانب دیکھتے ہوئے وہ ہلکے سے مسکرا کر بولا تو رباب نے حیران نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ جس کی آنکھوں میں آج انوکھے رنگ رقص کر رہے تھے، اتنے میں اچانک گاڑی رکی تھی، رباب نے دیکھا تو وہ قریبی پارک تھا، وہ مزید حیران ہوئی تھی، سیماب کی جانب دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا۔

''آؤ...'' گاڑی بند کرتے ہوئے وہ اترنے لگا تھا۔

''مگر... مجھے آنٹی نے بلایا تھا ناں''۔

''پہلے آنٹی کے بیٹے کی بات تو سن لو پھر آنٹی کی بھی سن لینا''۔ مسکرا کر کہتا وہ باہر نکل گیا تھا۔ آج تو اس کا ایک ایک انداز حیران کن تھا۔ رباب بھی گاڑی سے نکل کر اس کے پیچھے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی چل پڑی۔

پارک میں لوگوں کی آمد و رفت تھی وہ ایک قدرے پرسکون گوشے میں آ کر بنچ کے پاس کھڑا ہو گیا اور رباب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتی کنفیوژ ہوتی بیٹھ گئی مگر اگلے ہی سیکنڈ جب سیماب احمد بھی اس کے برابر بیٹھا تو وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی تھی۔

''بیٹھو!'' سیماب نے اس کی کلائی پکڑ کر دوبارہ بٹھایا تو اس کا دل جیسے مٹھی میں دھڑکنے لگا تھا۔

''مجھ سے شادی کرو گی؟'' الفاظ تھے یا کچھ اور، وہ تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچی، اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ آج سیماب احمد کا روپ نیا اور انوکھا تھا۔

''جی...؟'' حیران ہوتی بے یقینی سے وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''جی؟ مطلب ہاں ہو گئی''۔ وہ ہنسا اور رباب گڑبڑا گئی۔

''نہیں میرا مطلب...'' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ زندگی میں کبھی ایسی صورتحال کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔

''میں نے امی سے بات کی ہے، انہیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے اور آج بھی امی کو بتا کر آیا ہوں''۔ سیماب بتا رہا تھا۔

''آپ نے یہ فیصلہ کیوں کیا؟'' اس نے دھیرے سے پوچھا تھا۔

''ہوں... میں یہ نہیں کہوں گا کہ مجھے کوئی طوفانی قسم کا عشق ہو گیا ہے تم سے مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم حد سے زیادہ پیار کرتی ہو مجھ سے اور وہ لڑکی جس نے صرف میرے لئے خود کو برباد کیا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایسا کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا۔ شادی تو مجھے بھی کسی نہ کسی سے کرنی تھی پھر وہ لڑکی کیوں نہیں جو مجھ سے محبت کرتی ہو اور مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ تمہارا سچا پیار مجھے بھی تم سے محبت کرنے پر مجبور کر

نجانے کیوں امی کے گلے لگ کر بہت بری طرح سے رو پڑی تھی، اسے دکھ اس بات کا تھا کہ وہ اس شخص کے لئے برباد ہوئی جو کبھی اس کا نہیں ہو سکتا تھا۔ صبا آپی نے خوب دل کی بھڑاس نکالی تھی، امی خاموش تھیں اور انس نے تو اس سے رابطہ ہی نہیں کیا تھا۔ اس نے خود فون کیا تو اس نے اٹھایا ہی نہیں۔

پھر ایک دن حالات سے ٹکراتے ٹکراتے تھک گئی تو امی کو سب بتا دیا، امی بے یقینی سے اسے دیکھتی تھیں اور وہ رو رو کر اپنے دل میں چھپے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر ان کی گود میں ہی سر رکھ دیا۔

''مگر بیٹا! لوگ کیا کہیں گے؟'' انہیں برا تو لگا مگر یہ سوال سب سے اہم تھا جس کا جواب خود رباب کے پاس بھی نہیں تھا۔

''امی! زمانہ تو تب کچھ کہے گا ناں جب سیماب احمد مجھے اپنائے گا، اپنے بھائی کی چھوڑی ہوئی بیوی کو وہ کس طرح قبول کرے گا۔ جبکہ اس کے دل میں میرے لئے کوئی ایسا ویسا جذبہ بھی نہیں ہے اور وہ بھی آپ کی طرح یہی سوچ رکھتا ہوگا کہ لوگ کیا کہیں گے۔ امی وہ کبھی نہیں آئے گا، کبھی نہیں''۔ آخر وہ مزید ٹوٹ گئی تھی اور سدرہ بیگم نہ جانے کن سوچوں میں ڈوب گئی تھیں۔

☆.........☆.........☆

مجھے معلوم ہے میرا مقدر تم نہیں ہو
میری تقدیر سے چھپ کر مجھے اک بار مل جاؤ

چھ ماہ گزر گئے تھے اسے طلاق ہوئے، وہ خاموش ہو گئی تھی۔ اس دن کے بعد اس نے اپنی زبان پر سیماب احمد کا نام نہیں لیا تھا۔ پرائیویٹ ایم اے کا ایڈمیشن بھیج کر وہ پڑھائی میں مصروف ہو گئی تھی اور ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھانے بھی لگی تھی۔ اس طرح وہ خود کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھ کر ان یادوں سے چھٹکارا چاہتی تھی جن میں کوئی ایک بھی خوشگوار لمحہ نہیں تھا۔

اس شام وہ امی کے ساتھ بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھی اور گود میں رکھی کتاب بھی پڑھ رہی تھی جب پورچ میں گاڑی رکی تھی، اس نے پلکیں اٹھا کر دیکھا تو سامنے گاڑی سے اترنے والی شخصیت کو دیکھ کر وہ سانس لینا بھول گئی، چائے کا کپ لرزا تو چائے چھلک کر ہاتھ پر گر گئی اور کتاب پر بھی نشان چھوڑ گئی۔

بلیک ڈریس پینٹ پر بلیک شرٹ پہنے وہ سیماب احمد ہی تھا جو انہیں دیکھ کر اسی طرف چلا آیا تھا۔ امی بھی حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''السلام علیکم آنٹی!'' اس کی آواز کا طلسم پھیلا تو وہ ہوش کی دنیا میں آئی۔ امی نے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار دیا اور اسے بیٹھنے کے لئے کرسی پیش کی۔

''کیا حال ہیں آنٹی؟'' وہ اب حالات دریافت کر رہا تھا اور رباب کی دھڑکنیں نجانے کیوں اتنی تیز ہو گئی تھیں کہ اسے اپنے کانوں میں دل دھڑکنے کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

''آنٹی! وہ دراصل امی نے رباب کو بلایا ہے، کچھ بات کرنی ہے انہیں، اس لئے انہوں نے رباب کو لینے کے لئے بھیجا ہے''۔ مجھے یہ بات بالکل غیر متوقع تھی، دونوں نے بے یقینی سے سیماب کی جانب دیکھا تھا۔

''یہ لیں آپ خود امی سے بات کر لیں''۔ اس نے ان دونوں کی بے یقینی محسوس کرتے ہوئے جیب سے موبائل نکالا تھا۔

''نہیں نہیں بیٹا! ایسی بات نہیں ہے''۔ سدرہ بیگم نے جلدی سے کہا تھا۔ اب ان لوگوں کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رہا تھا تو پھر افروز بیگم نے کیوں بلایا تھا۔ وہ اسی سوچ میں گم تھیں۔

''جاؤ بیٹا آنٹی کی بات سن آؤ جا کر''۔ امی نے اجازت دی تو وہ ایک نظر سیماب احمد پر ڈال کر اندر

فضائل قرآن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

★ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے۔

★ حق سبحانہ وتقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی، میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہ کے کلام کو سب کاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوق پر۔

★ حسد دو شخص کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن شریف کی تلاوت عطا فرمائی اور دن رات اس میں مشغول رہتا ہے دوسرے وہ جس کو حق سبحانہ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس کو خرچ کرتا ہے۔

★ حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ عطا کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست و ذلیل کرتا ہے۔

★ قیامت کے دن صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا۔ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا۔ بس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔

★ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لئے اس حرف کے عوض ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارا (الم) ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، میم ایک حرف ہے۔

★ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اسکے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی اگر وہ آفتاب تمہارے گھر میں ہو۔ بس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عامل ہے۔

★ جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرمادیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمادیں گے جن کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہو۔

★ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزل ویران گھر کے ہے۔

★ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ ان کی صفائی کی کیا صورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

★ تم لوگ اللہ جل شانہ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں تقرب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے جو خود حق سبحانہ سے نکلی ہے یعنی کلام پاک۔

★ جو شخص ایک آیت کلام اللہ کی سنے اس کیلئے دو چند نیکی لکھی جاتی ہے اور جو تلاوت کرے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

★ کلام اللہ کو آواز سے پڑھنے والا اعلانیہ صدقہ کرنے والے کے مشابہ ہے اور آہستہ پڑھنے والا خفیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے۔

★ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کلام پاک سے بڑھ کر کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا نہ کوئی نبی نہ فرشتہ وغیرہ۔

★ اگر تو صبح کو جا کر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سیکھ لے تو نوافل کی سو 100 رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب علم کا سیکھ لے خواہ اس وقت وہ معمول بہ ہو یا نہ ہو تو ہزار رکعات نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔

★ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ان سے خلاصی کی کیا صورت ہے انہوں نے کہا کہ قرآن شریف۔

دے گا۔" سیماب احمد کی بات پر وہ اپنی لرزتی پلکیں نہیں اٹھا پائی تھی۔

"اور زریاب...؟" وہ خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔

"ان کی ٹینشن مت لو، وہ شادی کر چکے ہیں اور ملک سے باہر ہوتے ہیں اور اپنی لائف میں بہت خوش ہیں"۔

"مگر سیماب لوگ کیا کہیں گے"۔ وہی ڈر جو امی کے دل میں تھا۔ جس کا جواب خود اس کے پاس نہیں تھا وہی ڈر سوال بن کر اس کے لبوں پر آ گیا تھا۔

"زندگی ہمیں گزارنی ہے رباب، لوگوں نے نہیں"۔ اس نے ایک جھٹکے سے سیماب کی طرف دیکھا تھا، وہ ہنس کر اثبات میں سر ہلا گیا۔

"ہم کیوں لوگوں کی پرواہ کریں، یہ زمانہ نہ تو رونے والوں کے ساتھ ہوتا ہے اور نہ کسی کو ہنستے ہوئے دیکھ سکتا ہے، ہمیں صرف خود کو دیکھنا چاہئے، ہماری خوشی کس میں ہے۔ لوگ تو دو دن بول کر چپ ہو جائیں گے، بس پھر وہ کرنا چاہئے جو دل کو اطمینان دے اور جس کام سے اللہ نے منع نہ فرمایا ہو"۔ رباب کا ہاتھ تھام کر اس نے جواب دیا تھا اور رب کی اس نعمت پر اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

"مجھے یقین نہیں ہو رہا سیماب کہ رب نے آپ کو مجھ تک پہنچا دیا۔ میں نے تو آپ کی طرف سے کبھی کوئی امید نہیں رکھی تھی"۔

"رب کی رحمت بہت وسیع ہوتی ہے انسان کو کبھی اس کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے، جو ہمارے لئے بہتر ہوتا ہے وہ ہمیں ضرور ملتا ہے۔ چلو اب یہ بتاؤ اسی گھر میں دوبارہ دلہن بن کر کیسا لگے گا"۔ وہ آخر میں شوخ ہوا تو رباب نے گلابی ہوتے چہرے کے ساتھ مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"بتاؤ ناں...؟" وہ تنگ کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ"۔

"دیکھ لو کبھی سوچا نہیں تھا کہ دیور بن کر جس لڑکی کی ساری رسمیں ادا کیں وہی پلے پڑ جائے گی۔ پر خبردار اگر اب کی بار رخصتی کے وقت اتنا روئی تو"۔ انگلی اٹھا کر وہ مصنوعی رعب سے بولا تھا۔

"آپ کو کیسے پتہ؟"

"میڈم میں بھی وہیں موجود تھا، بھائی کی دوسری طرف"۔ شادی کے دن جس شخص کو یاد کر کے وہ اتنا رو رہی تھی وہ اس کے کتنا قریب تھا اور وہ دیکھ ہی نہیں سکی۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا"۔

"کون سا سوال...؟"

"جو سب سے پہلے پوچھا تھا"۔

"کیا پوچھا تھا آپ نے؟"۔ وہ ناسمجھی سے بولی تھی۔

"یہی کہ مجھ سے شادی کرو گی؟" وہ نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

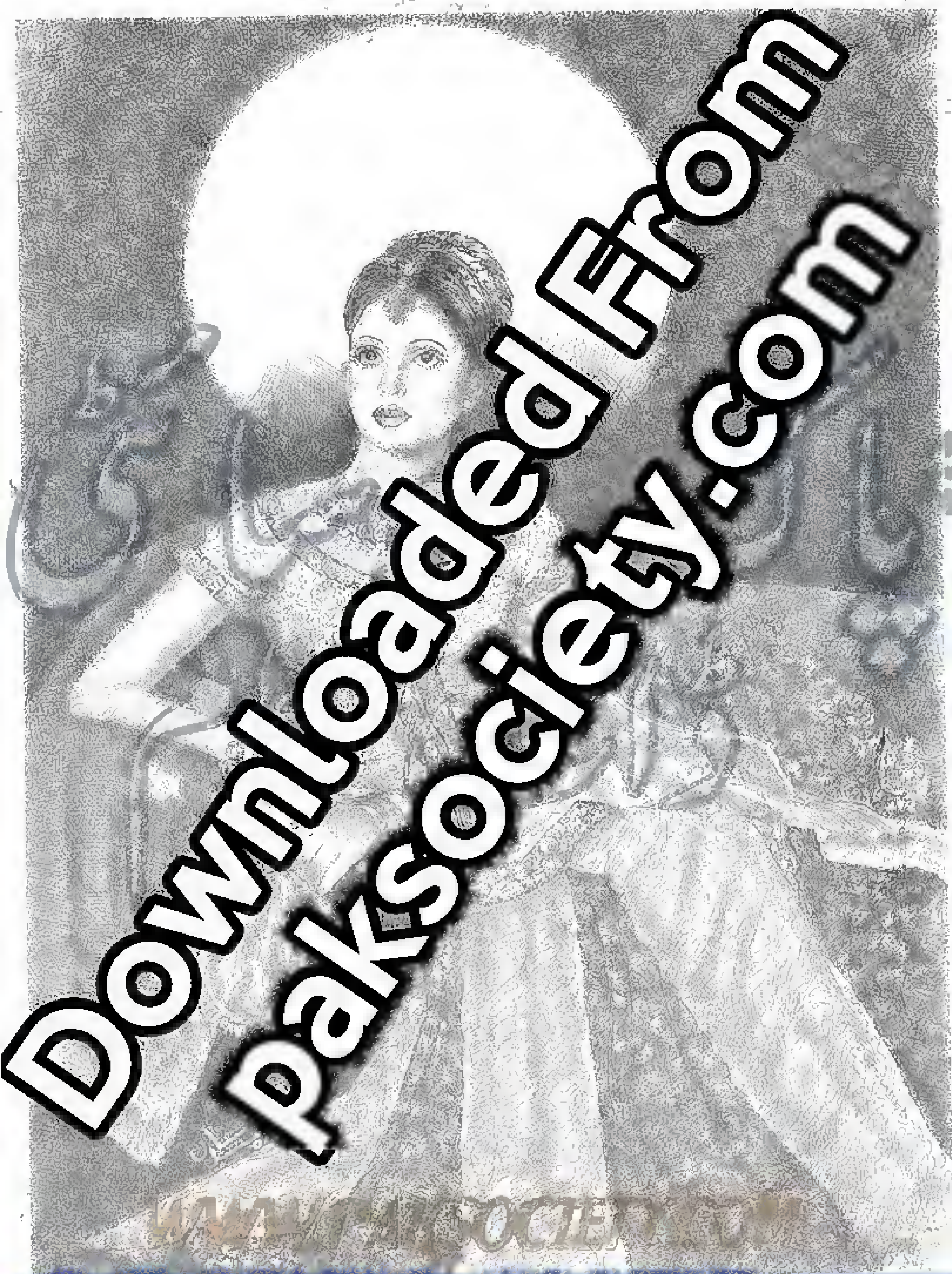
"امی ویٹ کر رہی ہوں گی، چلیں؟" وہ جانے کو پر تولنے لگی تھی۔

"ہاں چلو پر اب زیادہ دن میکے نہیں رہنے دوں گا، کل امی آئیں گی بات کرنے، میرے سامنے نہ سہی مگر ان کے سامنے ہاں کر دینا"۔ سیماب کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے اس سے چند قدموں کے فاصلے پر چلتی وہ مسکرا رہی تھی اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ آج کل بھی معجزے ہوتے ہیں۔

ورنہ سیماب احمد کا ملنا کہاں ممکن تھا۔ اس کی دعائیں رائیگاں نہیں گئی تھیں۔

میری تکمیل میں ہے شامل کچھ تیرے حصے
ہم اگر تجھ سے نہ ملتے تو ادھورے رہ جاتے

☆............☆............☆



ثناء کنول اللہ دتہ

افسانہ

محبت قربانی اور عید

اپنے سامنے سنک میں ڈھیروں ڈھیر برتنوں کو پھیلائے وہ بری طرح انہیں دھونے میں مصروف تھی اس وقت رات کے 8 کا ٹائم تھا ڈنر کرنے کے بعد بڑی امی اور بڑے ابو اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وردا کے پیپر ہو رہے تھے تو وہ اسے کمرے سے باہر خود نکلنے ہی نہیں دیتی تھی' جبکہ برہان ہاؤس میں کوئی نوکر نہیں تھا' جو کہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ بڑی امی نے جان بوجھ کر نہیں رکھا تھا' اسی لئے سارے گھر کی ذمہ داری اس کے ناتواں کندھوں پر تھی۔ گھر کی صفائی' کچن کا کام' لان کے پودوں کو پانی دینا' بڑے ابو کا پرہیزی کھانا تیار کرنا' بڑی امی کے لئے وقت بے وقت چائے بنانا اور یہ سب کرنا اسے برا بھی نہیں لگتا تھا ہاں مگر اس کے دل میں شدت سے خواہش ضرور تھی کہ کاش بڑی امی اس کی بنائی کسی چیز کی تعریف ہی کر دیں' نجانے بڑی امی کو اس سے کیسا خدا واسطے کا بیر تھا جو مجال ہے کہ کسی بھی چیز کی تعریف کر دیتیں ہاں مگر بے وجہ نقص نکالنے سے بعض نہیں آتی تھیں' لیکن وہ اک امید پر زندہ تھی کہ کسی دن تو بڑی امی اس سے پیار سے باتیں کریں گی اس کے دل میں بچپن سے ہی خواہش تھی کہ وہ بڑی امی کی گود میں سر رکھ کر بالکل وردا کی طرح لاڈ کرے ضد کرے فرمائش کرے اور بڑی امی پیار سے مسکرا کر اس کے ماتھے پر پیار کریں اور اس کی ضد کو پورا کریں جس طرح وہ وردا کی کرتیں تھیں۔

اسے ماں کیا ہوتی ہے پتہ نہیں تھا اور باپ وہ ہو کر بھی نہ ہونے کے برابر تھا اس کے والد عبدالسلام کو اپنی بیٹی کی کوئی پروا نہ تھی' انہوں نے کبھی اسے دیکھا تک نہ تھا' کیوں کس لئے یہ وہ نہیں جانتی تھی باپ کا ماں کا پیار اسے دونوں کا ہی نصیب نہ ہوا تھا' برہان ہاؤس میں صرف وردا تھی جسے اس کی فکر رہتی تھی' اس کی ماں اس کے بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھی اور ابو عبدالسلام اس کی ماں کے مرنے کے بعد ایسا امریکا گئے کہ پھر مڑ کر پیچھے نہ دیکھا' بقول وردا کے اس کی ماں جل کر مر گئی تھی شاید گیس لیک تھا اور وہ چائے بنانے گئی تھیں وہیں آگ لگ گئی اور وہ چیخ چیخ کر مر گئیں۔ عبدالسلام اور عبدالستار دونوں بھائی تھے بڑا بھائی عبدالستار کا بزنس تھا اور چھوٹا عبدالسلام ہارٹ سرجن تھا۔

یہ سب باتیں اسے وردا نے بتائی تھیں' جو کہ تایا کی بیٹی تھی اور اس کا ایک بھائی برہان اسلام تھا جو کہ اکثر باہر رہتا تھا' ماں اور بابا کو یاد کر کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے صبح سے اسے بخار بھی تھا زکام بھی بے حد ہو رہا تھا اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا' اتنے بڑے گھر میں کوئی نہ تھا جسے وہ اپنا حال سنا سکتی' مارے بے بسی کے وہ رونے لگتی اس کا جسم آگ کی طرح تپ رہا تھا کہ اسے ایکدم زور سے چکر آیا اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گرتی اس سے پہلے کسی مضبوط ہاتھوں نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔

''درشہوار! تم ٹھیک تو ہو؟'' برہان پریشانی سے اس کی پیشانی پر اپنے ہاتھ کی تپش رکھتے ہوئے بولا۔

''آپ کب آئے؟''

''تمہیں تو بہت تیز بخار ہے او مائی گاڈ کس قدر

مسکرا کر برہان کی طرف دیکھا پھر سکون سے بولی۔
''چلو ناشتہ کرلو''۔
''ایک شرط پر''۔
''کیا؟''
''تمہیں میرے ساتھ مارکیٹ چلنا پڑے گا''۔
''کیوں؟''
''وہ بتانا ضروری ہے کیا؟''
''لیکن تائی امی''۔وہ جھجک رہی تھی۔
''وہ شام تک آئیں گی تب تک ہم لوگ واپس آجائیں گے پلیز''۔وہ منت بھرے لہجے میں بولا تو درشہوار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
''ٹھیک ہے' تم ناشتہ کرلو میں کچن صاف کر کے آتی ہوں''۔زندگی میں بہار کیسے آتی ہے یہ اسے آج پتہ چلا تھا زندگی کی خوشیاں نے کھلکھلا کر اس اپنے پر پھیلا لیے تھے اور وہ ان خوشیوں میں ایسی گم ہوئی تھی کہ کسی کا ہوش ہی نہ رہا تھا' وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا جارہا تھا' اسے زندگی سے ایکدم سے ہی پیار ہونے لگا تھا جینے کی خواہش بڑھتی چلی جارہی تھی۔کچھ لوگ کیسے اتنے کم پل میں ہی آپ کے دل پر نقش ہوجاتے ہیں۔برہان اسلام نے بھی کچھ ہی دنوں میں اس کے دل پر اپنے نقش جمالیے تھے اور شاید یہ نقش کبھی نہ مٹتے مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور قسمت کا لکھا کون بدل سکتا ہے سوائے اللہ کے۔

☆☆☆☆

''آپ یہاں؟''
''آپ نہ کہا کرو تم کہا کرو پاگل سی لڑکی''۔درشہوار برہان کو رات کے دس بجے اپنے کمرے میں دیکھ کر جتنی حیران تھی برہان اتنا ہی مطمئن۔وہ کھڑکی میں کھڑی باہر برستی بارش کے مناظر دیکھنے میں مگن تھی جب اچانک وہ چلا آیا۔
''بڑی امی دیکھ لیں گی کہاں لے کر جارہے ہو مجھے؟''وہ اس کا ہاتھ پکڑے اسے باہر لے کر جارہا تھا تو وہ خوف سے بولی مگر جواب ندارد تو مجبوراً اسے چپ چاپ اس کے ساتھ چلنا پڑ رہا تھا۔لان میں برستی بارش کے نیچے لاکر برہان نے محبت سے اسے دیکھا پھولوں پر گرتی بارش' شور کرتی ہوا کھلکھلاتے درخت جھومتے پھول اس منظر نے تو درشہوار کو مسرور کیا ہی تھا لیکن دوسرا جھٹکا اسے تب لگا جب برہان نے سرخ گلاب کی کلی اس کی طرف بڑھائی۔
''برہان! تمہیں تو بارش اچھی نہیں لگتی نا اور گلاب سے تمہیں الرجی ہے''۔وہ حیرت سے بولی۔
''ہاں اس وقت تک جب مجھے تم سے محبت نہیں ہوئی تھی اور اب جب میرے دل پر تم میرے دل کی ملکہ بن کر حکومت کررہی ہو تو تمہاری ہر بات مجھے اچھی لگتی ہے یہ برستی بارش یہ کھلکھلاتے درخت اور تمہاری محبت یہ سب کچھ اب میری زندگی بن چکا ہے''۔وہ دھیمے انداز میں بولتا ہوا اسے بڑا پیارا لگا تھا۔
''اتنی محبت میں تو بہت عام سی لڑکی کیوں برہان''۔درشہوار حیرت سے بولی جبکہ وہ مگن سے انداز میں بولا۔
''تم اس وقت تک عام سی لڑکی تھیں جب مجھے تم سے محبت نہ تھی لیکن اب میری محبت نے تمہیں بہت ہی خاص بنادیا ہے''۔
''ایسی کیا خاص بات ہے مجھ میں جو تم اتنی محبت کرتے ہو''۔بارش ان پر رحمت بن کر برس رہی تھی اور وہ دونوں قسمت کے فیصلے سے انجان اپنی اپنی محبت میں گم تھے محبت ایسی ہی تو چیز ہے جسے ہوجائے اسے کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہتا نہ اپنا نہ کسی دوسرے کا سوائے محبوب کے اور اس وقت بھی انہیں صرف اپنا ہوش تھا جو آہستہ آہستہ گم ہوتا جارہا تھا۔
''خاص بات درشہوار! تم خود بہت خاص ہو تمہاری یہ جاگتی ہوئی آنکھیں ہیں تمہارے یہ گلاب سے ہونٹ خاص ہیں تمہارے رخسار خاص ہیں میری محبت نے انہیں خاصیت بخش دی ہے''۔

"کیئرلیس لڑکی ہو تم چلو آؤ"۔ وہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتا اسے اس کے کمرے میں لے آیا پین کلر اس کے ہاتھوں میں دے کر بولا۔

"جلدی سے کھاؤ اسے' انشاء اللہ صبح تک بخار ٹھیک ہو جائے گا"۔ وہ پریشانی سے بولا پریشانی اس کے ہر انداز سے ظاہر تھی جبکہ اس کا دل پگھل پگھل کر اس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔

"آپ کب آئے؟"

"کچھ دیر پہلے آیا تھا چائے کی طلب ہو رہی تھی تو سیدھا کچن میں چلا آیا' ایسے کیوں کرتی ہو تم شہوار! اتنا نہ سہی میرا ہی سوچ لیا کرو' مر جاؤں گا میں تمہارے بغیر کیوں نہیں سمجھتیں تم' پلیز تم میری زندگی بچالو پلیز"۔ وہ کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا جبکہ در شہوار کے لبوں پر مسکراہٹ ابھر کر فوراً غائب ہوگئی آغاز تو اچھا تھا پر ان کی اس محبت کا انجام خوفناک تھا وہ سوچ کر بے اختیار بیڈ پر گر کر پھر سے رونے لگی تھی اسے اپنی محبت کے انجام سے بہت ہی خوف آتا تھا وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے ایک بار اس منزل کی طرف قدم بڑھا دیئے تو راستے کہیں گم ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆

"در شہوار! جوس کہاں ہے؟"

"یہ لیں"۔ قمر النساء کے پوچھنے پر اس نے جلدی سے جوس کا گلاس انہیں تھما دیا۔ رات بھر رونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں وہ برہان سے نظریں چرائے چرائے پھر رہی تھی۔ قمر النساء نے گھور کر اسے دیکھا پھر اٹھ کر نفاست سے اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی پورچ کی طرف بڑھ گئیں کے انہیں کسی میٹنگ میں ضروری جانا تھا' جبکہ عبدالستار ناشتے سے فارغ ہو کر آفس کے لئے روانہ ہو گئے تھے اور در دانہ پیپر دینے کالج کے لیے' برہان اپنے کمرے میں تھا اور وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے ناراض ہے اسی لئے ناشتے پر بھی نہیں آیا تھا' برتن سنک میں رکھ کر وہ ایک ٹرے میں برہان کا ناشتہ لئے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی ناک کرنے پر لیس کی آواز پر وہ دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر چلی آئی' اس کا دل بے حد دھڑک رہا تھا لیکن برہان کو منانا بھی تو ضروری تھا' سو ہمت کر کے اس نے نظریں اٹھائیں وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بکھرے بالوں اور میلے کپڑوں میں آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی برہان گھمبیر آواز سے بولا۔

"میرے خوابوں کے نقش مٹا دے کوئی
سوکھے پتوں کا ڈھیر جلا دے کوئی
میری پہچان کا اک شخص اس گھر میں ہے
میں ابھی زندہ ہوں اس کو بتا دے کوئی"

"ایسے تو نہ کہو برہان"۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"تو پھر کیا کہوں شہوار! تمہارے لئے میری محبت کی کوئی اہمیت نہیں ہے نا"

"ایسا تو نہیں ہے"

"تو پھر کیسا ہے؟"

"میں ڈرتی ہوں"۔ وہ نم آواز میں بولی۔

"کس سے خود سے یا مجھ سے یا پھر زمانے سے؟"

"اپنے مقدر سے برہان!"

"کیوں؟"

"بہت بدنصیب ہوں میں کبھی ماں کی گود نصیب نہ ہوئی کبھی باپ کا شفقت بھرا ہاتھ میرے سر پر نہیں آیا اور ایک تم ہو جسے میں کھونا نہیں چاہتی"۔

"ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے در شہوار! تم میری زندگی ہو اور کوئی زندگی کو بھی چھوڑ سکتا ہے پاگل میرا یقین کرو تم"۔

"کیسے کرلوں میں تمہارا برہان یقین' تائی امی مجھے پسند نہیں کرتیں وہ مجھ سے نفرت کرتی ہیں بھلا کیسے وہ مجھے اپنی بہو مان لیں گی"۔

"یہ سب کچھ تم مجھ پر چھوڑ دو بس ایک بار ہاں کہہ دو تمہیں میری قسم"۔ اس کی بات پر در شہوار نے

سے اچھی ہماہیں"۔ وہ خوشی سے ان کے گلے میں جھول سا گیا جبکہ وہ اپنے اندر کی کیفیت چھپا کر مسکراتے ہوئے بولیں۔

"لیکن میری ایک شرط ہے"۔

"وہ کیا مما! مجھے آپ کی ہر شرط قبول ہے آپ نہیں جانتیں کہ آپ کی ایک ہاں نے مجھے کیا دیا ہے میں بیان ہی نہیں کر سکتا کہ میں کتنا خوش ہوں"۔

"اگلے مہینے کی 30 تاریخ کو درشہوار کی برتھ ڈے ہے تو میں اسی دن تم دونوں کی منگنی کر دوں گی تب تک تم یہ بات کسی سے نہ کہنا درشہوار سے بھی نہیں میں اسے سرپرائز دوں گی رائٹ"۔ وہ مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا کر بولیں تو برہان نے بھی مسکرا کر ان سے وعدہ کر لیا' حالانکہ اس کا دل تو کر رہا تھا کہ ابھی جائے اور درشہوار کے سارے ڈر دور کر دے' مگر مما نے اس کی بات مانی تھی تو اسے بھی تو ان کی بات ماننی تھی۔

☆☆☆☆

لائٹ مہرون کلر کا سوٹ پہنے اچھی طرح دوپٹے کو سر پر لیے وہ ہاتھوں میں پائپ پکڑے لان کے پودوں کو پانی دینے میں مصروف تھی جب قمر النساء اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئیں اور گھورتی ہوئی بولیں۔

"شام کو ادریس آ رہا ہے ڈنر کا خاص اہتمام کرنا اور ہاں اس کے کمرے کی صفائی بھی کر دینا"۔

"جی"۔ وہ سر جھکا کر بولی تو وہ اسے گھورتی ہوئیں وہاں سے نکلتی چلی گئیں۔

"پہلے اس کی ماں نے مجھ سے میری بہن کی خوشیاں چھینی تھیں اور پھر اب یہ مجھ سے میری بھانجی وریشہ کی خوشیاں چھیننا چاہتی ہے پاگل لڑکی اس کی ماں تو کامیاب ہو گئی تھی لیکن میں اسے کامیاب نہیں ہونے دوں گی ایسا برباد کروں گی اسے کہ یاد رکھے گی"۔

لان میں برہان اور درشہوار کو بارش میں کھڑا اور باتیں کرتا دیکھ کر ان کا خون کھول اٹھا تھا غصے سے کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے انہوں نے موبائل فون اٹھایا اور نساء کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھیں فون پر بات کرنے کے بعد ان کے چہرے پر شاطرانہ سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور اب وہ اپنا آگے کا لائحہ عمل طے کر رہی تھیں اس بات سے انجان کہ وہ جسے برباد کرنا چاہتی تھیں وہ تو نہیں ہاں مگر وہ خود ضرور برباد ہو جائیں گی قمر النساء کو حسرت سے جاتے دیکھ کر درشہوار نے پائپ رکھا نل بند کیا اور گیسٹ روم صاف کرنے کے لیے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ نساء قمر النساء کی بہن کا بیٹا ادریس آ رہا تھا وہ بھی پانچ سالوں کے بعد اچانک وہ خود بھی حیران سی تھی مگر اس گھر میں اسے حیران تک ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

گیسٹ روم کی صفائی کے بعد اس نے دوبارہ سے پورے گھر کی صفائی کی اور پھر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ بریانی' قسٹرڈ' حلیم' سپانس رول' اور بھی بہت سی ڈشز اس نے تیار کر لیں تھیں اور اب مارے تھکن کے اس کے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا' دل تو کر رہا تھا کہ اپنے کمرے میں جا کر سکون سے سو جائے۔

"کاش میری ماں زندہ ہوتی تو میں اس کی گود میں سر رکھتے ہی سو جاتی وہ مجھے دنیا کے ہر سرد و گرم سے بچا لیتی"۔ ایک بار پھر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگی تھیں جنہیں وہ ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگی جبھی باہر ہارن کی آواز سنائی دی تو وہ دوبارہ سے سارا سالن پھر سے گرم کرنے لگی۔

"ادریس میرا بیٹا! کیسے ہو بیٹا؟" قمر النساء محبت سے اسے گلے لگا کر بولیں۔

"آئی ایم فائن ہاؤ آر یو آنٹی؟"

"فائن' یہ وردا ہے میری بیٹی اور برہان سے تو تم مل ہی چکے ہونا"۔

"جی آنٹی! ہائے وردا"۔

"السلام علیکم بھائی"۔ وردا اس کے ہائے کے جواب میں دانت پیس کر بولی جبکہ وہ مسلسل ڈھیٹوں

"بس کرو برہان اور نہیں"۔ اسے بے اختیار برہان سے بے حد شرم آئی تھی وہ اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے بولی۔

"ہوں کیا تمہیں میں نہ بتاؤں کہ میرے دل میں تمہارے لیے کیا ہے"۔

"تمہاری اسی محبت کی شدت سے مجھے بے حد ڈر لگا سکتا ہے برہان! کہیں میں تمہیں کھو نہ دوں"۔

"سنو! یہ بارش گواہ ہے یہ بادل گواہ ہیں یہ پھول یہ فضا اور تمہارا اور میرا دل گواہ ہے کہ ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے آئی لو یو"۔ وہ اس کے کان کے قریب گوشی کرتا ہوا بولا تو مارے حیا کے اسے وہاں پر مزید ٹھہرنا دوبھر ہو گیا وہ ہنستی ہوئی لان سے نکلتی چلی گئی تھی جبکہ برہان کا قہقہہ فضا میں گونجا تھا۔

☆☆☆☆

"کیا بات ہے برہان بیٹا! بڑے خوش نظر آ رہے ہو تم آج کل"۔ ناشتے کی ٹیبل پر قمر النساء برہان کو کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں تو درشہوار نے بے اختیار گھبرا کر برہان کو دیکھا تھا۔

"لگتا ہے ان کے بھیا کو کسی سے پیار ہو گیا ہے اسی لیے تو سارا دن مسکراتے رہتے ہیں ہمارے ساتھ ہو کر بھی ہمارے پاس نہیں ہوتے کیوں بھیا میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا"۔ وردا شرارت سے مسکرا کر بولی جبکہ درشہوار کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

"تم صحیح کہہ رہی ہو وردا"۔ اس کی بات پر بے اختیار برتن اٹھاتے درشہوار کے ہاتھ سے گلاس زمین پر گرا تھا اسی لمحہ سے ہی تو وہ ڈرتی تھی، قمر النساء کی نفرت وہ بچپن سے ہی برداشت کر رہی تھی، قمر النساء نے چونک کر اسے دیکھا تھا جبکہ برہان نے جلدی سے اپنی بات پوری کی تھی۔

"پر ایک بات غلط کہہ رہی ہو تم میری پیاری بہن، مجھے پیار نہیں ہوا پر خوشیوں کو شاید مجھ سے پیار ہو گیا ہے"۔

"آپ بھی نا بھیا! سچ مجھے تو پریشان ہی کر دیا تھا"۔ وہ وردا خفگی سے بولی۔

"وہ کیوں بھلا؟"

"میں چاہتی ہوں کہ جس لڑکی کو میں پسند کروں وہی آپ کی پسند ہو"۔ وردا بولی۔

"کیا پتہ تمہاری پسند کیسی ہو میں تے اپنی پوری زندگی خراب نہیں کرنی"۔ وہ شرارت سے بولا۔

"میری پسند وہی ہے بھیا کہ"

"چپ کرو تم دونوں اور برہان تم ادھر اسٹڈی روم میں میری بات سنو"۔ قمر النساء نیپکن سے ہاتھ صاف کرتیں اٹھ کر اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گئیں اور برہان درشہوار کو مسکراتی نظروں سے دیکھتا ہوا اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گیا جبکہ اس کے بڑھتے قدم اسے درشہوار اور اس کی محبت سے دور کر رہے تھے ایسا تو ہونا ہی تھا قسمت کا لکھا پورے ہونے والا تھا۔

"یہ کیا چکر چل رہا ہے برہان؟" قمر النساء اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولیں۔

"کیسا چکر مما! میں کچھ سمجھا نہیں"۔ برہان کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔

"میں تمہارے اور درشہوار کے چکر کے بارے میں بات کر رہی ہوں تمہارا بار بار اسے دیکھنا اس کا شرمانا اور پھر کل رات لان کے منظر نے مجھ پر بہت کچھ واضح کر دیا ہے اس لیے میں تم سے پوچھ رہی ہوں کیا تم درشہوار کو پسند کرتے ہو یا پھر؟"

"مما! میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، میں کچھ دنوں سے آپ سے بات کرنے کا سوچ رہا تھا مما شہوار میری زندگی ہے پلیز آپ ہمارے رشتے کے لیے مان جائیں"۔ برہان کی بات نے تو قمر النساء کو ساکت کر دیا تھا پھر وہ سنبھل کر بولیں۔

"دیکھو بیٹا! ویسے تو مجھے تمہاری پسند پر اعتراض نہیں ہے درشہوار اچھی لڑکی ہے گھر کی بچی ہے، جس میں میرے بیٹے کی خوشی ہے اسی میں میری بھی خوشی ہے"۔

"او مما! تھینک یو سو مچ، سچ میں آپ میری سب

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

نجانے کون سا پہر تھا جب اس کے دروازے پہ دستک ہوئی اس کا دل ایکدم ہی تیز تیز دھڑکنے لگا "برہان ہوگا"۔ سوچ کر اس نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا' برہان کی جگہ قمر النساء کو پا کر وہ حیران رہ گئی۔

"شہوار! ادریس کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے نہ تو عبدالستار گھر پہ ہیں اور نہ ہی برہان تم پلیز ادریس کے کمرے میں جا کر اسے دیکھو تب تک میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں جلدی کرو"۔ وہ گھبرائی آواز میں بولیں اور لاؤنج کی طرف بڑھ گئیں تو وہ بھی گھبرائی ہوئی ادریس کے کمرے کی طرف چلی آئی' ادریس قالین پر آڑھا ترچھا لیٹا ہوا تھا آنکھیں بند کیے وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور بے اختیار اس کی نبض چیک کرنے لگی اسے احساس تک نہیں ہوا کہ کسی نے اس کے پیچھے دروازہ بند کر دیا تھا اور ادریس نے اس کو اپنی بانہوں میں جکڑ لیا اس سے پہلے کہ وہ مذمت کرتی۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟" برہان اس کے کان کے پاس دھاڑا تھا اور بے اختیار ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا تھا' اس نے بے یقینی سے برہان کو دیکھا تھا پھر عبدالستار اور قمر النساء کے پاس کھڑی ورد۔ سب کی نظروں میں صرف شک ہی نظر آ رہا تھا اسے۔

"نہیں برہان میں"

"خبردار جو تم نے ایک لفظ بھی کہا بدکردار لڑکی' ادریس کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے تجھے شرم نہ آئی' ہماری عزت کا تمہیں ذرا سا خیال بھی نہ آیا' ارے بچپن سے تجھے پالا پوسا اتنا بڑا کیا اور تم نے ہمارے احسانوں کا ہمیں یہ بدلا دیا"۔ قمر النساء چیخ کر بولیں جبکہ در شہوار کو صرف ایک لفظ بار بار سنائی دے رہا تھا' بدکردار لڑکی یہ لفظ بار بار اسے اپنا مذاق اڑاتے محسوس ہو رہے تھے' اس نے ایک آس اور امید سے دوبارہ برہان کو دیکھا تھا جو ایک نفرت بھری نظر اس پر ڈال کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا' عبدالستار قمر النساء پتہ نہیں اسے کیا کہہ رہے تھے' اسے کچھ پتہ نہیں تھا اسے کچھ سنائی بھی نہیں دے رہا تھا' دل تو کر رہا تھا کہ تائی کے قدموں میں گر کر ان سے کہے کہ انہوں نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا آخر کس غلطی کی سزا دی تھی انہوں نے اسے۔

☆☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں پڑی بری طرح رو رہی تھی اور لاؤنج میں اس کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا تھا' تبھی برہان اس کے کمرے میں داخل ہوا' سوجی آنکھیں بکھرے بال مسلے کپڑے نظریں جھکائے وہ بولتے ہوئے اسے تو کوئی دوسرا ہی برہان لگ رہا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم کچھ ایسا کرو گی تمہیں بار بار ادریس کے ساتھ دیکھنے کے باوجود میرا دل کہتا تھا کہ مجھے غلط فہمی ہو رہی ہے میری شہوار ایسی نہیں ہے۔ لیکن آج تمہیں ادریس کی بانہوں میں دیکھ کر میرا تم پہ جو یقین تھا وہ ٹوٹ گیا' میں کتنا خوش تھا مما ہماری شادی کے لیے مان گئی تھیں' ہمارے بچے' مستقبل اور ہنی مون نجانے کیا کیا سوچ رکھا تھا مگر تم نے میرا محبت پر سے یقین تک توڑ دیا"۔

"تم تو مجھے جان کہتے تھے ناں"۔ وہ اک امید سے بولی۔

"اسی لیے تم نے میری جان نکال لی' مجھے جیتے جی مار دیا' نہ ہنسنے دیا نہ رونے' خیر میں جا رہا ہوں صبح تمہارا تمہارے عاشق سے نکاح ہے مبارک ہو"۔ خبر تھی کہ دھما کہ وہ نجانے کتنی ہی دیر تک سکتے میں رہ گئی تھی۔ ایسا بھی ہوتا ہے جسے آپ سب سے بڑھ کر چاہیں وہی آپ سے نفرت کرنے لگے تو دل ایکدم ٹوٹ سا جاتا ہے بکھر کر کرچیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور وہی کرچیاں آپ کو ہر لمحہ لہولہان کرتی رہتی ہیں بڑی عجیب سی حالت ہو جاتی ہے اس وقت کاش

کی طرح مسکرائے جارہا تھا۔

"تم فریش ہو کر آؤ پھر ہم سب مل کر ڈنر کرتے ہیں"۔ عبدالستار کے کہنے پر وہ برہان کے ساتھ چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"ارے یہ تو شہوار ہے نا' شی از سو بیوٹی فل آنٹی"۔ وہ ڈنر پر کھانا سرو کررہی تھی جب اچانک ادریس اسے دیکھ کر بولا' ایک پل کے لیے وہ ساکت رہ گئی پھر بے اختیار اس نے برہان کو دیکھا تھا' جو غصے سے ادریس کو گھور رہا تھا پھر اسے منظر سے ہٹانے کے لیے بولا۔

"درشہوار! پلیز پانی دینا"۔

"جی"۔ وہ جو جانے کے لیے پر تول رہی تھی جلدی سے کچن میں چلی گئی۔ قمر النساء نے غور سے برہان کے بدلتے رنگ کو دیکھا اور تمسخرانہ مسکرا کر رہ گئیں آخر ان کا پہلا وار کام کر گیا تھا اب انہیں آگے اپنے پلان پر عمل کرنا تھا' سوچتے ہوئے انہوں نے جوس اٹھالیا تھا۔ ادریس کے حوالے سے وہ برہان کی ناگواری دیکھ چکی تھی اسی لیے وہ پوری کوشش کرتی کہ ادریس کے سامنے کم کم جائے جبکہ قمر النساء اس کی اسی کوشش کو ناکام بنانے میں مصروف تھیں' ادریس جب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا ہوتا تو قمر النساء اسے لاؤنج میں صفائی کے بہانے بھیج دیتیں جبکہ وہ لاکھ کوشش کے باوجود انکار نہ کرپاتی۔ جلدی جلدی صفائی کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ایک بار گلدان زمین پر گر کر ٹوٹ گیا تو ادریس جو اسے دیکھنے میں مصروف تھا بے اختیار گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے ساتھ قالین پر سے گلدان اٹھانے لگا' تبھی لاؤنج میں داخل ہوتے برہان کی نظر ان دونوں پر پڑ گئی' وہ غصے سے درشہوار کو گھورتے ہوئے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

"میں اسے منالوں گی آخر محبت کرتا ہے مجھ سے زیادہ دیر کیسے ناراض رہ سکتا ہے"۔ وہ دل گرفتگی سے سوچتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی اور پھر ہزار کوشش کے باوجود اسے موقع ہی نہیں ملا کہ وہ برہان سے بات کرسکتی گھر کا کام بڑھ گیا تھا سارا سارا دن اب اس کا کچن میں گزارتا تھا کھانے پر نجانے کتنی چیزیں اسے اکیلی کو بنانی پڑتی تھیں' ورداس کے ساتھ مل کر تائی سے چوری کوئی نہ کوئی کام کرنے میں اس کی مدد ضرور کروادیتی تھی۔ رات دن کام کرنے کے بعد ڈھیر ساری تھکن ہونے کے باوجود اسے رات رات بھر نیند نہیں آتی' برہان کی ناراضی اس کی جان لیتی تھی وہ ہر روز رات کو عہد کرتی کہ صبح کو برہان کو منالوں گی اور ہر شام ناامیدی ہوجاتی۔

☆☆☆

وہ لان میں کھڑی صفائی کررہی تھی قمر النساء لان کے ایک طرف بڑی کرسی پر بیٹھی اس پر نظر رکھے ہوئے تھیں تبھی ادریس اس کے پاس آکر کھڑا ہوگیا اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا تو مجبوراً اسے جواب دینا پڑ رہا تھا وہ اگر اس کی کسی بات کا جواب نہ دیتی یا وہاں سے چلی جاتی تو اسے یقین تھا کہ قمر النساء اسے زندہ نہ چھوڑتیں۔

"آپ تو بالکل گلاب کی پتیوں کی طرح گلابی گلابی سی ہیں گلابوں کی ملکہ معلوم ہوتی ہو تم مجھے کبھی کبھی تو اور"

"پلیز ادریس صاحب اور نہیں پلیز"۔ کیسی بے بسی تھی کہ وہ اپنی عزت کے لیے سختی بھی نہیں کرسکتی تھی' مارے بے بسی کے اس کی آنکھوں میں آنسو چلے آئے جنہیں چھپانے کی کوشش میں ادھر ادھر دیکھتے اس کی نظر ساکت ہوگئی' بڑھی ہوئی شیو میلے کپڑے آنکھوں میں بے اعتباری لیے وہ بالکونی میں جھکا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا جبکہ قمر النساء اسے نظر نہیں آرہی تھیں۔ درشہوار کی نظر پڑتے ہی وہ شکستہ قدموں سے چلتا وہاں سے نکلتا چلا گیا اور اس کے بڑھتے قدم درشہوار کے دل پر پڑ رہے تھے جدائی محبت کو دور کرتی ان کے درمیان اپنا گھر کرتی جارہی تھی۔ رات کا

تمہیں سمجھیں عبدالسلام میری بہن النساء کا منگیتر تھا
لیکن تمہاری ماں درمیان میں آ گئی' عبدالسلام اس
سے محبت کر بیٹھا اور لاکھ روکنے کے باوجود عبدالسلام
نے ناز کرن سے شادی کر لی' بس تبھی میری بہن کا
دماغی توازن خراب ہو گیا۔ بڑی مشکلوں اور بڑی
کوششوں کے بعد جا کر وہ ٹھیک ہوئی ہے اور سہیل
سے اس کی شادی ہوئی اور اب تم ادریس یعنی النساء
کی بہو بنی ہو' آگے وہ جانے اور اس کا کام اور ہاں
برہان کا رشتہ میں بہت پہلے ہی النساء کی بیٹی سے طے
کر چکی ہوں تو تمہیں برہان کے دل سے نکالنے اور
النساء کی بہو بنانے کے لئے مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑا
آگے تمہاری قسمت الوداع میری جان''۔ وہ مسکراتی
ہوئی اٹھیں اور وہاں سے نکلتی چلی گئیں تھیں۔

☆☆☆☆

کراچی سے لاہور تک کے سفر نے اسے اچھا
خاصا تھکا دیا تھا۔ گاڑی ایک بڑے سے بنگلے کے
سامنے جا کر رکی تھی ادریس فرنٹ ڈور کھولتا ہوا باہر نکلا
اور اسے مخاطب کئے بغیر آگے بڑھ گیا' وہ مرے
مرے قدموں سے گاڑی سے نکلی اور بیگ اٹھائے
چپ چاپ اس کے پیچھے چلتے ہوئے لاؤنج میں
داخل ہوئی وہ لاؤنج میں آنے کے بعد سیڑھیاں
چڑھتا کہیں غائب ہو گیا تھا' تبھی اس کی نظر
سامنے کھڑی النساء پر پڑی جو طنزیہ مسکراہٹ لئے
اسے گھورنے میں مصروف تھیں' پھر تمسخرانہ انداز
میں بولیں۔

''تو تم ہو درشہوار! آئی سی لان کے ایک طرف
جو کوارٹر ہے اس میں رہو گی تم اور ہاں یہاں پر تم
آرام کرنے کے لئے نہیں آئی ہو تو اپنا یہ بیگ لان
میں رکھ کر کچن اور سارے گھر کو سنبھالو آج ہی میں
نے سارے نوکروں کو چھٹی دی ہے' ظاہری بات ہے
اب مفت کی نوکرانی کے لئے میں دوسرے نوکر تو نہیں
رکھ سکتی جاؤ اب''۔ وہ جانتی تھی کہ ایسا ہی ہو گا اسی
لئے تابعداری سے بولی اور مڑ گئی جبکہ النساء جو سوچ
رہی تھیں کہ وہ لڑکی ان کے سامنے روئے گی التجا
کرے گی تو ایسا کچھ بھی نہ ہوا تھا بلکہ وہ آرام سے جی
کہہ کر چلی گئی تھی اور پھر پانچ منٹ بعد ہی وہ کمر پر
دوپٹہ لٹکائے کچن کی صفائی میں مصروف تھی بالکل ایک
روبوٹ کی طرح اور النساء پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ
رہے تھے وقت گزرتا رہا وہ صبر کئے کام کرتی رہی'
النساء کی ہر بات ماننا اس کا فرض تھا ادریس اکثر
رات کو ہی گھر آتا تھا اور اس پر ایک نظر ڈالنا تک
گوارا نہیں کرتا تھا' اس طرح نجانے کتنا عرصہ گزر گیا
تھا' آہستہ آہستہ درشہوار کا صبر دیکھ کر النساء بھی
بدلنے لگی تھیں انہیں اپنی غلطیوں کا احساس پھر
شدت سے ہونے لگا تھا اور پھر ایک رات ہلکی
ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی رات کا وقت تھا موسم بھی
ویسا ہی تھا بادل بھی ویسے تھے لیکن اب دلوں میں
محبتوں کے دریا نہیں تھے وہ لان میں چلی آئی اور
آسمان کی طرف دیکھ کر بولی۔

''اے میرے اللہ! مجھ پر رحم کر بچپن سے لے کر
اب تک میرے مالک میں نے دکھ ہی دیکھے ہیں
بدکردار نہ ہو کر بھی بدکردار ٹھہرائی گئی میں چپ رہی
سزاوار نہ ہو کر بھی میں نے سزا پائی میں چپ رہی
نیک شوہر کی خواہش میں ادریس جیسے شوہر کو پایا تب
بھی میں نے شکوہ نہ کیا لیکن میرے اللہ اب میرے
حال پر تو رحم فرما اب اور مجھ سے برداشت نہیں ہوتا
صبر ختم ہوتا جا رہا ہے امید دم توڑتی جا رہی ہے اب تو
خوشیوں کو مجھ پر مہربان فرما دے''۔ دعا کرتے
ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تو اس کے پیچھے
کھڑی النساء کو اسی لان میں اپنا کھڑا ہو کر رونا یاد آیا
تھا بالکل ایسی طرح انہوں نے بھی رو رو کر دعا کی تھی۔

''تو کیا جیسی زندگی میں نے گزاری ہے ویسی
ہی یہ گزارے گی جو غلطی اس نے کی ہی نہیں ہے اس
کی سزا اسے کیوں ملے؟'' وہ بے چین ہوئی تھیں اور

کوئی سمجھ سکتا۔ وہ روتے ہوئے بیڈ پر بیٹھتی چلی گئی پھر ہمت کر کے اک امید سے بولی۔

''برہان! تم نے کہا تھا نا کہ درشہوار یہ بادل گواہ ہیں یہ بارش گواہ ہے یہ پھول یہ فضا اور تمہارا اور میرا دل گواہ ہے کہ ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے تو پھر یہ جدائی کیسی برہان میرا یقین کرو میں تم سے محبت کرتی ہوں اور......''

''بس اور کچھ میں نہ تو سننا چاہتا ہوں اور نہ ہی یاد کرنا چاہتا ہوں پلیز مجھے کچھ بھی نہ بتاؤ اور ہاں تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ جو تم نے چاہا وہ پالیا''۔ وہ کٹھور پن کی انتہا پر تھا اور رحم کی ذرا سی بھی امید بیکار تھی وہ چپ چاپ برہان کو جاتے دیکھتی رہی تھی اس میں اب مزید کچھ کہنے کی ہمت نہیں تھی۔

کبھی کبھی آپ کی زندگی میں کچھ ایسا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے آپ کو زندگی سے ہی نفرت ہونے لگتی ہے دل کرتا ہے یا تو مر جائیں یا پھر اس زندگی اس گھر سے کہیں دور چلے جائیں جہاں کوئی نہ جانتا ہو کسی کو ہمارے نام تک کا پتہ نہ ہو تنہائی، مگر سکون تو ہو چاہے نہ ہو مگر اپنی ذات پر یقین تو ہو، لیکن ازل سے انسان بے بس رہا ہے وہ چاہ کر بھی حالات سے فرار حاصل نہیں کر سکتا تو پھر اس سے بہتر نہیں ہے کہ جو ہے جیسا ہے جیتے جاؤ جب تک ہے جان۔ اس نے دل ہی دل میں سوچ لیا تھا آخر خود کو ہمت تو دینی ہی تھی نا۔ کیونکہ ہمارے رونے سے پریشان ہونے سے حالات بدل تو نہیں جائیں گے ویسے ہی رہیں گے جیسے کہ ہیں پھر کیوں نا ہم سمجھوتہ کر لیں اپنے آپ سے اپنے حالات سے کیونکہ ایک سمجھوتہ ہی پریشانیوں کو آپ سے دور کرتا ہے یہ تھوڑا مشکل ضرور ہوتا ہے لیکن پھر وقت کے ساتھ ساتھ انسان کو عادت سی پڑ جاتی ہے۔

وہ سوچ کر ایکدم پرسکون سی ہو گئی تھی دل میں کہیں ہلچل سی مچ گئی تھی پر اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا، کب وہ درشہوار عبدالسلام سے درشہوار ادریس بن گئی اسے خود بھی پتہ نہیں چلا تھا، احساسات تو بس کہیں کھو سے گئے تھے ہاں مگر صرف ایک سوچ تھی جو اسے پریشان کر رہی تھی آخر قمر النساء نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا تھا کیا وجہ تھی ایسی کون سی غلطی کر دی تھی اس نے جس کی یہ سزا اس کا مقدر بنی تھی؟ وہ اسی سوچ میں گم تھی جب وردا اس کے کپڑے پیک کر کے بیگ لے آئی اور لاؤنج میں رکھ کر ایک دکھ بھری نظر اس پر ڈالتی مڑی چلی گئی تھی عبدالستار اپنے اسٹڈی روم میں بند ہو گئے تھے برہان پتہ نہیں کہاں چلا گیا تھا اور قمر النساء اس کے سامنے بیٹھی طنزیہ مسکراہٹ اپنے چہرے پر سجائے اسے دیکھنے میں مصروف تھیں، ملگجے حلیے میں سوجی سوجی آنکھوں بکھرے بال اور قفل زدہ ہونٹ ایسے جیسے کبھی نہ کھلنے کی قسم کھا رکھی ہو۔

''تو درشہوار ادریس کیسا لگا میرا سرپرائز جس دن تمہاری منگنی کا کہا تھا بالکل اسی دن تمہارا نکاح کر دیا میں نے وہ بھی اس سے جو دنیا کا عیاش ترین انسان ہے جس کا کام ہر دوسری لڑکی کو استعمال کر کے اسے چھوڑ دینا ہے تو کیسا لگ رہا ہے تمہیں، تم نے تو سوچا تھا کہ میرے بیٹے برہان کو پھانس لوں اور ہماری ساری دولت کی اکیلی مالک بن جاؤ گی دیکھی اپنی ماں والی سوچ مگر میں نے تو تمہارا حشر اس سے بھی برا کیا ہے تم اب نہ جی سکو گی اور نہ ہی مر سکو گی۔ ہاہاہا''۔ تائی ہنسنے لگیں۔

''آخر کیوں کیا آپ نے! کس غلطی کی سزا دی ہے آپ نے مجھے یہ بات آپ بھی جانتی ہو اور میں بھی کہ مجھے ادریس کے کمرے میں بھیجنے والی آپ تھیں تو آخر کیوں؟''

''بہت پرانا حساب نکلتا ہے تمہاری طرف درشہوار''۔ وہ غصے سے چیخ کر بولی تھیں۔

''تمہاری ماں نازگرن کی غلطی کی سزا ملی ہے

کی تھی وہ اسے النساء سے بات بھی نہیں کرنے دیتا تھا جب بھی فون آتا کہہ دیتا کہ وہ سو رہی ہے نہا رہی ہے وغیرہ۔ انہیں آئے تقریباً 15 دن ہو گئے تھے اور ان 15 دنوں میں وہ ہر پل جیتی اور ہر پل مرتی تھی پر شکوہ ندارد۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی چوڑیاں پہن رہی تھی جب وہ کمرے میں داخل ہوا مارے خوف کے اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ نیچے کیے تھے۔

''آؤ میں تمہیں چوڑیاں پہناتا ہوں''۔ وہ کہہ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے چوڑیاں پہنانے لگا تو خوف سے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

''جب سے ہماری شادی ہوئی ہے میں نے پل پل تمہیں اذیت دی ہے اور اب ایک نئی اذیت یا پھر خوشخبری دے رہا ہوں' ہم شام کو واپس جا رہے ہیں تم برہان ہاؤس جاؤ گی تم چاہو تو میرے ساتھ اپنی زندگی گزار سکتی ہو یا پھر خلع لے سکتی ہو میری طرف سے تم آزاد ہو''۔ اس نے حیرت سے آنکھیں کھولیں تھیں جبکہ وہ اسے چوڑیاں پہنا کر جا چکا تھا اور پھر اسے ایکدم چپ لگ گئی کیا ادریس اس کے بغیر رہ سکتا ہے یہ سوچ کر وہ خاموشی سے برہان ہاؤس چلی آئی' پہلا سامنا اس کا برہان سے ہی ہوا تھا' سرخ آنکھیں بڑھی ہوئی شیو بڑھی بکھری سی حالت۔

''آئی ایم سو سوری در شہوار! مجھے معاف کر دو کہ میں نے تمہارا یقین نہیں کیا تھا' مجھ سے یہ بات برداشت ہی نہیں ہوئی تھی کہ تم میرے سوا کسی اور کو چاہو' میں بھول گیا تھا کہ جب ہم کسی سے پیار کرتے ہیں تو ہمیں اس کا اعتبار بھی کرنا چاہئے' کل ادریس کا فون آیا تھا' اس نے ہی مجھے ابو کو سب کچھ سچ سچ بتایا تھا آئی ایم سو سوری''۔ اس کی بات پر وہ ایک نگاہ اس پر ڈال کر مڑی اور بھاگتی ہوئی لان میں آئی ادریس گیسٹ روم کے پاس ہی کھڑا تھا امید بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ آگے بڑھی اور بے اختیار اس کے گلے سے لگ کر بولی۔

''ادریس! آج تک تم نے جو کیا میں چپ رہی برداشت کیا مگر اب میں نہ چپ رہوں گی اور نہ ہی برداشت کروں گی' پتہ ہے آج تک میری خاموشی کا مطلب کیا تھا تمہاری محبت ہاں ادریس آئی لو یو''۔

☆☆☆☆

''تم ادریس کو چھوڑ کیوں نہیں دیتیں میں آج بھی تمہارا ہوں''۔ برہان نے کہا تھا۔

''میں ایک بیوی ہوں ایک محبوبہ تو بے وفا ہو سکتی ہے لیکن ایک بیوی نہیں''۔ وہ بولی تھی۔

''تم جاؤ ہمیشہ کے لئے اب کبھی نہ آنا گو ناؤ''۔ برہان نے کہا تھا۔

''ارے تم ابھی تک کھڑے ہو کب جا رہے ہو بکرا لینے''۔ وہ ادریس سے بولی تھی۔

''10 دن بعد عید ہے اور تم ابھی تک کھڑے ہو کیا عید پر قربانی نہیں کرنی''۔

''ہاں ایک بات کہوں یہ عید تو میرے لئے لاکھوں خوشیاں لے کر آئی ہے''۔

''رومینٹک ہونے کی ضرورت نہیں ہے سیدھا بکرا منڈی جاؤ''۔

''تم بھی چلو ناں تمہارے بغیر دل بالکل بھی نہیں لگتا قسم سے کہیں بغیر دل کے ہی بکرا نہ لے آؤں میں سوچ لو''۔

''میرا دل تو تمہارے ہی پاس ہے ادریس اسی لئے تو میں نے تمہاری ہر بات بھلا کر اس عید پر تمہیں دل سے معاف کر دیا ہے یہ عید قربانی کرنا سکھاتی ہے اللہ کی راہ میں اور میں نے اپنا تن من دھن سب کچھ تمہارے پیار پہ قربان کر دیا''۔ وہ سوچتے ہوئے مسکرا دی اور ادریس کے ساتھ چل پڑی کے وہ اس کے بغیر کبھی نہ جاتا اسے یقین تھا یہ عید اس کے لئے لاکھوں کروڑوں خوشیاں لے کر آئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

اسے گلے سے لگا لیا اور بولیں۔
''میری بیٹی مجھے معاف کر دو میں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا' کیا ضروری ہے کہ جس نے ہمارے ساتھ اچھا نہ کیا ہو تو ہم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کریں میں غلط تھی''۔
''نہیں آنٹی''۔
''نہیں امی کہو مجھے ارے ساس ہوں تمہاری''۔
اس کی بات پر وہ مسکرا کر بولیں۔
''مگر ادریس''
''اس کی فکر تم نہ کرو جب تمہیں دلہن کے روپ میں دیکھے گا ناں تب بدل نہ جائے تو پھر کہنا''۔ اور پھر اس کے لاکھ روکنے کے باوجود انہوں نے ایک زور دار ولیمے کا اہتمام کیا جتنا ادریس حیران تھا اتنی ہی قمر النساء لال کلر کے تیز لہنگے اور چولی میں فل میک اپ کیے لبوں پر مسکراہٹ اور دل میں ہزاروں خدشے لیے اسے جب کمرے میں لا کر بٹھایا گیا تب ایک پل کے لیے کمرے میں داخل ہوتا ادریس بھی ساکت رہ گیا تھا۔
''تو تم نے آخر میری ماں کو بھی اپنے قابو میں کر ہی لیا جس طرح سب کو کر لیا ہو تمہارے جیسی میں نے تیز لڑکی آج تک نہیں دیکھی' ویری ڈیل ڈن' ویسے لگ بہت خوبصورت رہی ہو مگر کیا فائدہ کون سا تمہارے اس طرح بیٹھنے سے میں تمہیں بیوی سمجھ لوں گا''۔ وہ بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا تھا یہ دیکھے بغیر کہ اس کی باتوں پر وہ بھی سگریٹ کی طرح سلگنے لگی تھی۔
''تمہارے ہاتھوں پہ مہندی کتنی اچھی لگتی ہے''۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پیار سے کہا پھر جلتا سگریٹ اس کے نازک ہاتھ کی پشت پر رکھ کر مسل دیا' ایک ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکلی اور پھر کیا تھا وہ اسے بغیر وجہ کے مارنے لگا ہاتھوں' لاتوں اور مکوں سے اسے جب مار مار کر تھک گیا تو اس پر نفرت بھری نگاہ ڈال کر بیڈ پر سکون سے سو گیا۔
درشہوار اپنے زخمی جسم کو سمیٹے کراہ کر اٹھی اور صوفے پر بیٹھ کر بے آواز رونے لگی' روتے روتے اس کی کب آنکھ لگی اسے پتہ ہی نہیں چلا صبح اس کی آنکھ بار بار دروازے پر ہونے والی دستک کی آواز سے کھلی۔ باہر ملازم دونوں کو بلا رہے تھے۔ اس نے ایک نظر کمرے کو دیکھا قالین پر جا بجا اس کی چوڑیاں ٹوٹ کر بکھری پڑی تھیں ادریس شاید واش روم میں تھا۔ سیج کی لڑیاں ادھر ادھر بکھریں پڑی تھیں پورے کمرے کا حشر نشر ہو رہا تھا جسم کا جوڑ جوڑ الگ دکھ رہا تھا وہ بمشکل اٹھی اور جلدی سے کمرے کی حالت درست کرنے لگی وہ بیڈ کی چادر درست کر رہی تھی جب وہ واش روم سے نکلا اور اس پر نفرت بھری نظر ڈال کر بولا۔
''تمہاری صبح سنا رہی ہے رات کا فسانہ''۔ طنزیہ آواز میں گنگناتے ہوئے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا جبکہ درشہوار اس سے چھپنے کی خاطر جلدی سے واش روم میں گھس گئی۔ ضروری تھوڑی ہے کہ دکھ پریشانیاں صرف غریب لوگوں کے گھر پر ہوں کبھی کبھی امیر لوگوں کے گھر میں بھی پریشانیاں دکھ اور تکلیفوں سے بھرے پڑے ہوتے ہیں۔ وہ ٹیبل پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی جب ادریس النساء سے بولا۔
''امی! میں اور درشہوار ہنی مون کے لیے مری جانا چاہتے ہیں''۔
''کیوں نہیں ضرور جاؤ تم لوگ بلکہ کل ہی روانہ ہو جاؤ''۔
''جی تھینک یو امی جان''۔ وہ مسکرا کر بولا جبکہ درشہوار نے ایک خوف بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی دوسرے دن وہ لوگ مری کے لیے روانہ ہو گئے تھے مری جو خوبصورتی کا شہر مانا جاتا ہے وہاں آ کر اب ادریس اور آزاد ہو گیا تھا' ہر چھوٹی سے چھوٹی بات پر اسے مارتا' لیکن اس نے کبھی بھی منہ سے اف تک نہ

زندگی کیسے گزرے گی تمہاری نظر کی کمزوری کے ساتھ''۔ پہلا جملہ اونچی آواز میں اسے سناتے ہوئے اور دوسرا دل ہی میں کہہ سکا۔

''اوہو...... آپ بھی کیا صبح صبح جالے لے کر بیٹھ گئے ہیں' آج مشتاق بھائی آئیں گے شام کو یاد ہے ناں''۔ امرحہ نے مجھے یاد دہانی کروائی اسے پتہ تھا میں تھوڑا بھلکڑ ہوں۔

''ہوں......'' میں نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

''مشتاق بھائی ہی ہیں جو تگڑا بکرا بھی قابو کر لیتے ہیں جب ہی تو مجھے ان کے آنے کا انتظار ہے''۔

''ایک بکرا نہیں لے کر آسکتے اکیلے''۔ امرحہ کی ہنسی اڑاتی دلی دبی آواز میرے کانوں میں پڑی مگر میں نظر انداز کر گیا۔

''چلو اب میں دفتر کے لیے اٹھوں''۔ میں نے ناشتے سے ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔

''مشتاق بھائی واپسی پر میرے ساتھ آئیں گے میں نے کہہ دیا ہے ان کو وہ میرے دفتر آجائیں''۔ اٹھتے ہوئے میں نے دیواروں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''جالے ضرور صاف کر لینا''۔ اس نے ناشتے کے برتن اٹھاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور میں باہر کی طرف نکل گیا' تقریباً پانچ منٹ ہی ہوئے ہوں گے مجھے اسٹاپ پر کھڑے ہوئے کہ بس آگئی میری عادت تھی کہ بس میں بیٹھے ہوئے باہر کے نظاروں سے ضرور لطف اندوز ہوتا تھا ورنہ جو کراچی کی بسوں کی اندرونی حالت ہے اللہ دہائی' بس مسافروں کو بس میں بھرتے ہی جاتے ہیں۔ اس ٹائم پر مجھے اکثر اسکول و کالج جاتے ہوئے بچے دکھتے تھے۔

''ارے یہ کیا! وقاص سگریٹ پی رہا ہے وہ بھی اسکول کے کپڑے پہنے ہوئے۔ لگتا ہے گھر سے اسکول کا کہہ کر نکلا ہے اور یہاں یہ سب کر رہا ہے''۔ بس سے باہر سڑک کے کنارے پان سگریٹ کے کھوکھے پر جو میں نے وقاص کو اس حالت میں دیکھا تو میرا تو خون ہی کھول اٹھا۔ راشدہ آپا نے کس محنت سے اپنے یتیم اکلوتے بیٹے کو پال پوس کر بڑا کیا تھا' اسکول بھیجا تھا اور آج وہ یہ دن دکھا رہا ہے راشدہ آپا کو اس کی اس حرکت کا پتہ چلے گا تو ان کو تو صدمہ ہی لگ جائے گا' میں اسی وقت بس سے اتر گیا' میرا غصہ تو کسی طرح کم ہی نہیں ہو رہا تھا' وقاص کی پٹائی کرنے کے بعد ہی شاید میرا غصہ اترتا' میں چلتے چلتے اس کے قریب پہنچ گیا اور قریب۔

''ارے یہ کیا...... یہ تو وقاص نہیں کوئی اور ہی لڑکا تھا اور اسکول کے یونیفارم میں نہیں بلکہ گھر کے ہی کپڑوں میں تھا''۔ میں نے مارے شرمندگی کے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ روک لیا۔

''بھائی صاحب! کچھ پوچھنا ہے آپ کو......'' اس لڑکے نے مجھے اس طرح دیکھا تو پوچھ بیٹھا۔

''ہاں...... نہیں...... ہاں...... ''مجھ سے الفاظ ہی نہیں بن پائے میں نے وہاں سے دوڑ لگائی اور سیدھا اپنے دفتر آ کر رکا۔

☆☆☆☆

''وہ دیکھو وہ بکرا کیسا لگ رہا ہے تم کو......؟''

مشتاق بھائی نے مجھے دور کونے میں کھڑے ایک خوفناک بکرے کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔

''وہ بکرا...... بالکل نہیں' شکل کتنی ڈراؤنی ہے اس کی''۔ میں نے صاف بات کی۔

''دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا صبح سے پوری منڈی گھوم لی مجال ہے جو تم کو ایک بکرا بھی اچھا لگا ہو' بس دور سے ہی دیکھتے ہو اور ریجیکٹ کر دیتے ہو''۔ مشتاق بھائی کا صبر ایکدم جواب دے گیا' سچ بات تھی آج صبح سے ہی وہ میرے ساتھ منڈی میں قربانی کے لئے بکرا پسند کروا رہے تھے' مگر میں کیا کرتا مجھے کوئی بکرا ہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اب کی بار وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے زبردستی گھسیٹ کر اسی بکرے کے

شیریں تبسم

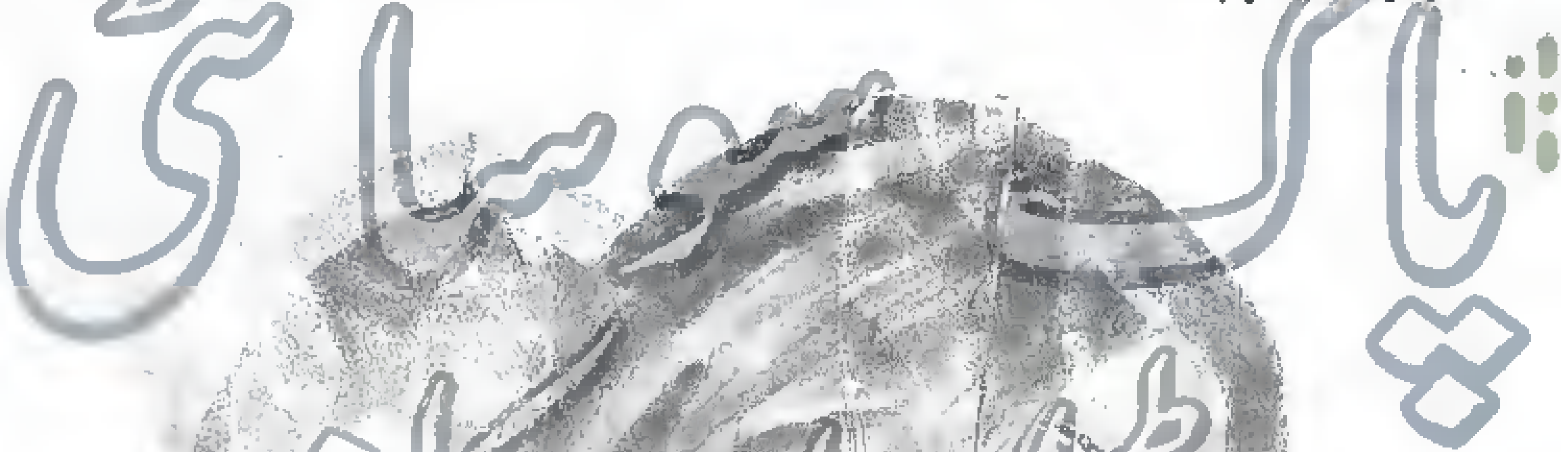
افسانہ

بدلے نظارے

"دیواروں پر دیکھو کتنے جالے لگے ہیں' تم سے یہ نہیں ہوتا کہ تھوڑی سی گھر کی صفائی بھی کر لو"۔ مسلسل کچھ دنوں سے مجھے دیوار پر لٹکے جالے کوفت دلا رہے تھے آج تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور صبح صبح ہی امرحہ کو بے بات کی سنا دیں

"کہیں جالے کہاں ہیں جالے......؟ مجھے تو نہیں دکھ رہے"۔ امرحہ نے دیواروں پر چاروں طرف نظر دوڑائی بلکہ چھت تک کو تک لیا' مگر مجال ہے اسے ایک جالہ تو کیا مکڑی بھی دکھ گئی ہو

"تم اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ



قریب چلے گئے۔

"دیکھو اسے کدھر ہے ڈراؤنا......؟"

"ارے ہاں واقعی یہ تو بڑا معصوم اور بھولا بھالا بکرا ہے"۔ میں نے ان کی پسند کو دل سے سراہا' اب مجھے وہ اور اردگرد کے سارے بکرے اچھے لگ رہے تھے اور دور کھڑے سارے بکرے ڈراؤنے لگ رہے تھے۔

"مجھ پر سایہ تو نہیں ہو گیا......؟" میں نے دل ہی دل میں خوف محسوس کیا اور آیت الکرسی کا ورد شروع کر دیا۔

"شکر ہے کوئی بکرا پسند تو آیا تمہیں......" مشتاق بھائی نے طنز کا تیر پھینکا جو میں نے خوشی خوشی قبول کر لیا' کیونکہ بکرا سنبھالنا بھی انہیں تھا' میں تو بس دور دور ہی رہتا تھا بکرے سے بچپن سے ہی' گھر آ کر بکرے کو اس کے ٹھکانے سے باندھ کر بٹھا دیا۔ امرحہ نے اس کے لیے پانی چارہ سب کچھ رکھ دیا تھا' اسے بڑا لاڈ تھا قربانی کے بکروں سے۔ کھانا کھانے کے بعد رات دیر تک میں اور مشتاق بھائی باتیں ہی کرتے رہے' کتنے دنوں بعد جو مل بیٹھنے کا موقع ملا تھا۔ ورنہ تو مشتاق بھائی کو اپنی دکان سے اور مجھے اپنے دفتر سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی' کچھ دیر اور گزری تو مشتاق بھائی کو نیند نے آ گھیرا' میں نے انہیں شب بخیر کہا اور اٹھ کر بکرے کی طرف چلا آیا کہ وہ بس تین دن کا مہمان تھا' بکرا ابھی جاگ رہا تھا اور بالکل پرسکون سا بیٹھا ہوا تھا' میں چلتے چلتے اس کے قریب آیا اور اسے پیار کیا اور پانی کا خالی برتن پانی سے بھر کر اس کے قریب رکھ دیا اور وہاں سے واپس چلا آیا' کچھ دور پہنچنے کے بعد میں نے اسے پھر مڑ کر دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے' بکرے کا منہ پھر سے ڈراؤنا ہو گیا تھا میں نے ہانپتے کانپتے صحن کا دروازہ بند کیا۔

صبح اٹھا تو بہت تیز بخار تھا' ڈاکٹر کو دکھایا' سر درد بہت شدید تھا' ڈاکٹر نے دوائیں دیں اور آئی اسپیشلسٹ کے پاس بھیج دیا۔

"میری نظر بالکل ٹھیک ہے ڈاکٹر بس پیسے بٹورنے کے چکر میں ہیں"۔ میں نے ڈاکٹر کے روم سے باہر نکلتے ہی بخار کی حالت میں ہلکا سا احتجاج کیا۔

"ارے اتنے پیسے تھوڑی لگتے ہیں بس نظر ہی تو چیک کروانی ہے"۔ امرحہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"نظر کی کمزوری سے بھی سر میں درد ہوتا ہے"۔ اس نے مزید وضاحت دی۔

"کیسا لگ رہا ہے چشمہ......؟" امرحہ نے کل کے لیے عید کا جوڑا استری کرتے کرتے جو مجھے آئینے میں کھڑا دیکھا تو پوچھ بیٹھی۔

"ہوں...... صحیح ہے"۔ میں صوفے پر بیٹھ گیا اور گھر کا تنقیدی جائزہ لینے لگا' مجھے ہر چیز صاف ستھری اچھی لگتی تھی کیونکہ کل عید تھی سب لوگوں کا آنا جانا رہتا ہے۔

"ارے واہ تم نے تو گھر بالکل چمکا دیا ہے سارے جالے صاف کر دیئے"۔ میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"شاید جالے گھر میں نہیں آپ کی آنکھوں پر لگے تھے جسے چشمے نے صاف کر دیا اور مشتاق بھائی بتا رہے تھے کہ آپ کو منڈی میں سارے بکرے ڈراؤنے لگ رہے تھے"۔ یہ کہتے ہی امرحہ نے قہقہہ لگایا۔ اور مجھے دیواروں کے جالے' وقاص سے لے کر بکرا منڈی اور گھر میں بندھے بکرے کی ڈراؤنی صورت والی بات سمجھ میں آ گئی اور اچھا ہوا عید سے ایک دن قبل ہی مجھے چشمہ لگ گیا ورنہ پوری عید اسی خوف میں گزرتی' ویسے امرحہ کہتی ہے چشمہ لگا کر تو میں بالکل شاہد کپور جیسا دکھتا ہوں' اب امرحہ کے قہقہے میں میرا قہقہہ بھی بلند ہو گیا تھا۔

☆☆......☆......☆☆

چارپائی پر بیٹھتے ہوئے رشید نے کہا۔

''ہاں! بھلا میں لالی کو کھلانا بھول سکتی ہوں' میں خود کھاؤں یا نہ کھاؤں لالی کو پہلے کھلاتی ہوں''۔ سکینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی میں تو بھول گیا تھا' لالی تو تیری لاڈلی ہے''۔ رشیدہ نے صحن میں باندھی لالی کو محبت سے دیکھا' جو اب وہ بھی کھیل کر ارد گرد چکر کاٹنے لگی' جیسا کہ اس کے پاس آنا چاہتی ہو۔ لالی چھوٹی سی تھی جب اس کی ماں مر گئی تب سکینہ بہت روئی تھی رشید نے اسے بہت سمجھایا کہ یہ اللہ کی مرضی تھی تب سکینہ لالی کی طرف متوجہ ہوئی' شروع شروع میں لالی بہت شور کرتی تھی اور سکینہ کو اس پر بہت ترس آتا تھا' پھر وہ اس کا بہت خیال رکھتی تھی' سکینہ کے اپنے بچے تو تھے نہیں لالی اس کو بالکل اپنے بچوں کی طرح لگتی تھی۔

''صبح نماز کے بعد وہ لالی کے پاس جاتی تھی پھر ناشتہ بنا کر رشید کو دیتی تھی' لالی کو آخر میں کھلاتی تھی' رشید کو اس پر بہت ہنسی آتی تھی' سکینہ کو لالی سے جنونی محبت تھی' اگر کبھی لالی کھانا نہ کھاتی تو دوڑ کر فوراً حکیم صاحب کو بلا لیتی تھی' اور حکیم صاحب کی پھکی سے لالی کا افاقہ ہو جاتا تھا' سکینہ بھاگ کر شکرانے کے نفل ادا کرتی تھی' محلے کے قصائی نے رشید سے لالی کو خریدنے کی بات کی' سکینہ نے سنا تو وہ رشید کے ساتھ لڑ پڑی۔

''آج میں فضل بھائی کے ساتھ منڈی گیا تھا' بہت مہنگے جانور ہیں اس بار' چھوٹا سا بکرا تھا' قیمت 20 ہزار روپیہ تھی' فضل تو قیمت سن کر واپس آ گیا' کہنے لگا' حکیم کے ساتھ مل کر گائے میں قربانی کروں گا''۔

''ہر بار اتنی ہی قیمت ہوتی ہے' تم نے ٹھیکیدار سے بات کی کہ عید سے پہلے رقم دے دیں''۔

''میں نے بات تو کی تھی مگر مجھے نہیں لگتا کہ وہ عید سے پہلے رقم دے دیں' بہت زیادہ ہوا تو میرا حساب چار ہزار بنتا ہے' اس میں نہ بکرا آتا ہے اور نہ گائے میں قربانی''۔

''1200 میرے پاس ہیں''۔ سکینہ نے کہا۔

''کل 5200 ہو گئے''۔

''تم دوسری منڈی میں جانا شاید وہاں قیمت کم ہو''۔ سکینہ نے رشید کو کہا۔

''5200 میں کوئی بکرا نہیں ملے گا' اگر مل بھی جائے تو قربانی کے قابل نہیں ہوگا''۔

''تم لالی کو پانی دو' پھر میں اسے باہر چرانے لے جاؤں گا''۔ رشید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ سکینہ رات کے لئے سبزی کاٹ رہی تھی' رضیہ ان کے پاس آ گئی۔

''السلام علیکم آپا''۔

''وعلیکم اسلام بہت دنوں بعد آئی ہو رضیہ''۔

''ہاں آج خیال آیا کہ پتہ کروں''۔ رضیہ نے چارپائی پر بیٹھ کر کہا۔

''آپا سکینہ ٹھیک تو ہو''۔

''ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں' کبھی کبھی شوگر بڑھ جاتی ہے''۔

''قربانی کا ارادہ ہے آپ لوگوں کا یا نہیں......؟'' رضیہ نے پوچھا۔

''بس دعا کریں کوئی وسیلہ بن جائے' جانور تو بہت مہنگے ہیں' رشید کوشش کر رہے ہیں''۔

''ہاں جانوروں کی قیمتیں تو آسمان سے باتیں کر رہی ہیں کل شاید اپنے دوست کے گھر سے 20 ہزار کا بکرا لایا تھا' مگر بہت کمزور تھا' میں نے کہا کہ میں اس کمزور بکرے کی قربانی نہیں کروں گی' تسلی تب ہوئی جب وہ واپس لے گیا' صبح منڈی سے پھر 40 ہزار کا لے آیا' بہت خوبصورت ہے جیسا میں چاہتی تھی''۔

''اچھا ماشاء اللہ' اللہ آپ کی قربانی قبول کرے''۔ سکینہ نے کہا۔

ماہم علی

افسانہ



''آ گئے تم......؟'' دروازہ کھول کر رشید کو راستہ دیتے ہوئے سکینہ بی بی نے کہا۔

''ہاں آ گیا''۔ رشید نے ریڑھی دیوار کے ساتھ کھڑی کرتے ہوئے کہا۔

''کھانا لاؤں تمہارے لئے......؟''

''ماں میں ہاتھ دھولوں' لالی کو کچھ کھلایا''۔

عید میں صرف تین دن رہ گئے تھے سکینہ کی پریشانی عروج پر تھی' رشید کا ٹھیکیدار کراچی گیا ہوا تھا وہ رشید کو رقم نہ دے سکا۔

''رشید! قربانی کا کیا ہوگا......؟'' سکینہ نے فکر مندی سے کہا۔

''آج میں جارہا ہوں تم اندر سے دروازہ بند کردو' اللہ خیر کرے گا''۔ سکینہ دور دور تک رشید کو دیکھتی رہی' پھر دروازہ بند کیا اندر آئی لالی سے باتیں کرنے لگی اور گلوگیر آواز میں کہا۔

''اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے کہ ہمارا دل قربانی کے لیے کتنا بے تاب ہے' مگر پیسے پورے نہیں ہورہے ہیں اللہ تو جانتا ہے ہماری نیت''۔ لالی سکینہ کو پریشان دیکھ کر بے چین ہوگئی۔ پھر وہ کھڑی ہوگئی دو قدم چلی تو خیال آیا اور واپس مڑ گئی' ایک نظر لالی کو دیکھا۔

''نہیں نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے میں بھی تو کیا سوچنے لگی ہوں' لالی تو میرا پیارہے' لالی میری دوست ہے' ہم کیسے اس کی قربانی کرسکتے ہیں''۔ پھر خیال آیا۔

''قربانی تو اس چیز کی کی جاتی ہے جو آپ کو بہت پسند ہو' پیاری ہو' جس سے بہت محبت ہو''۔ اس کے اندر سے آواز آئی۔ سکینہ جھٹک کر اندر چلی گئی مگر وہ اس خیال کو جھٹک نہ سکی' شام کو رشید آیا۔

''کیابات ہے' آج تم بہت چپ چپ ہو''۔

''رشید میرے دل میں آج ایک خیال آیا ہے' ہم لالی کی قربانی کریں گے''۔

''لالی کی قربانی......'' رشید اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

''ہاں لالی مجھے بہت پیاری ہے' بہت محبت کرتی ہوں' اللہ کی راہ میں پیاری چیز کی قربانی دیں گے ہم حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے بیٹے سے بہت محبت کرتے تھے تو ہماری لالی حضرت اسماعیلؑ سے بڑھ کر تو نہیں ہے''۔

''مگر سکینہ! لالی کیسے کیا یہ ہی تو ہمارے پاس بچی ہے اور تم خود بھی کہتی ہو کہ لالی میری دوست ہے''۔ رشید نے تذبذب سے کہا۔

''نہ تم خود ہی تو کہتے ہو' اللہ اور دے گا پھر دل کیوں چھوٹا کرتے ہو' جہاں تک بات ہے دوستی کی' بے شک لالی میری دوست ہے' مگر سوچو اللہ کی راہ میں قربانی ہورہی ہے اس راستے سے بڑھ کر اور کچھ کیا ہے''۔ سکینہ دل سے بولی۔

''اچھا چلو بھئی جیسے تم خوش''۔ دوسرے دن سکینہ نے لالی کو مہندی لگائی پھر خوب اچھی طرح سے نہلایا۔

آخر کار وہ دن بھی آگیا تھا' جب سکینہ کی لالی کو قربان ہونا تھا' رشید نماز پڑھ کر آیا تو سکینہ لالی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

''عید مبارک جی''۔

''خیر مبارک''۔ سکینہ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

''کیا باتیں ہورہی ہیں لالی سے''۔

''کچھ نہیں بس یونہی''۔

''اچھا تم لالی کو پیار کرلو قصائی باہر آگیا ہے''۔ سکینہ نے لالی کی رسی کھول کر رشید کو تھما دی اور پیار سے لالی پر ہاتھ پھیرا۔

رشید دروازہ کھول کر لالی کو باہر لے جانے لگا' لالی مڑ مڑ کر سکینہ کو دیکھتی رہی' سکینہ کے دل کو کچھ ہوا مگر ضبط رکھا' ایک الوداعی نظر لالی پر ڈالی اور دروازہ بند کیا' لالی سے جدائی بہت تکلیف دہ تھی مگر اس نے قربانی دینی تھی اور لالی سے بڑھ کر اس کے نزدیک کچھ قیمتی نہیں تھا' لوگ تو اللہ کی راہ میں جانیں تک قربان کردیتے ہیں یہ تو پھر ایک لالی تھی وہ خوش اور مطمئن تھی' آخر کار لالی ایک بہترین راہ میں قربان ہونے جارہی تھی کیا اس راستے سے بڑھ کر کچھ اور ہے' اللہ ہم سب کی قربانی قبول فرمائے سکینہ نے بلند آواز میں کہا۔ آمین۔

☆☆......☆......☆☆

''یہ بڑے لوگ بھی نا.....!''

اسے ملاقات کے لیے ان صاحب نے ہی بلایا تھا جو اس وقت بے پروائی سے اردگرد سب کچھ نظر انداز کرتے ہوئے گاڑی بھگا کر لے گئے تھے۔ وہ وسیع و عالیشان بلڈنگ کے پارکنگ ایریا میں کھڑا تھا۔ پاس کرسی پر گن لیے بیٹھے چوکیدار کی طرف متوجہ ہوا۔

''سر! اب کب آئیں گے آفس؟'' بے حد تھکی آواز اس کے حلق سے نکلی۔

''صاحب کوئی ٹیم (ٹائم) نہیں ہے یہ کبھی بھی آتا جاتا ہے آخر صاب لوگ اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔''

چوکیدار نے اسے ٹکا سا جواب دیا۔ صمیم ہونٹ بھینچے کچھ دیر وہیں کھڑا سوچتا رہا اس جگہ سے گھر کا راستہ کافی طویل تھا اور تھکن حد سے سوا تھی۔ وہ یونیورسٹی سے سیدھا اپائمنٹ ٹائم سے آدھا گھنٹے پہلے ہی اس جگہ پہنچا تھا۔ وہاں دو گھنٹے کے انتظار کے بعد اسے مدعو کرنے والا شخص خود بلڈنگ کی بیرونی سیڑھیاں اترتا اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر جاتا اس نے دیکھا تھا اب گھر جانے کا مسئلہ تھا۔ جیب میں سے شاید رکشہ کے کرایہ کے لیے پیسے نکل ہی آتے



سحر حسین

مکمل ناول

جنگوں کی فلائٹ

"سر، سر پلیز رکیے تو سہی۔ بات سنیں۔" صیم پکارتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا تھا مگر وہ گاڑی زن سے نظروں سے اوجھل ہوئی تھی۔ صیم نے بے بسی سے دانت پیستے ہوئے مٹھیوں کو بھینچا تھا۔



''آرام کرو میرا بیٹا! پریشان نہیں ہوتے۔ اللہ بہتر کرے گا سب۔'' امی خالی برتن اٹھائے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگیں۔ اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

وہ پریشان ہونا نہیں چاہتا تھا مگر پریشانی خوامخواہ سے اس پر چڑھائی کیے جا رہی تھی۔ اس پر عجیب سی جھنجھلاہٹ سوار ہوئی تو تکیے کو پکڑ کر دور پھینکا اور وہیں امی کے بستر پر ہی نیم دراز ہو گیا۔

☆......☆

اوائل گرمیوں کے دن تھے۔ رات کی تاریکی ہر سو پھیل چکی تھی۔ ان گنت ننھے ستاروں کی جھلملاہٹیں عروج پر تھیں مگر اکلوتے چاند بادشاہ کی چاندنی غرور سے سر اونچے کیے ہر سو براجمان تھی۔ صحن میں انرجی سیور کی روشنی بجھی گہری شفاف سی چاندنی کا منظر پیش کر رہی تھی۔ اس نے نظر کا چشمہ ٹھیک سے آنکھوں پر ٹکایا اور کتاب ہاتھ میں لیے صحن میں آ گئی۔ کل ایں کا ٹیسٹ تھا اور اس کی تیاری ابھی شروع ہونے جا رہی تھی۔ اردگرد سے بے نیاز وہ رٹے مارنے میں مصروف تھی۔ واک کرتے ہوئے رٹے مارنے سے ہی اسے سب یاد ہوتا تھا۔ یہی عادت اس کی پختہ ہو چکی تھی۔ اردگرد کے گھروں کی بتیاں گل ہو چکی تھیں۔ اس نے سرسری سی نظر اردگرد دوڑائی تو گھومتی نظر سامنے نچلے فلور پر واقع کمرے پر ٹک گئی۔ جس کا دروازہ ادھ کھلا تھا اور روشنی کی لکیریں صحن تک آ رہی تھیں۔ تجسس سے بھری فطرت سے مجبور ہو کر اس نے ذرا اور آگے ہو کر جھانکا اور ماتھے کی شکنوں میں اضافہ ہو گیا۔ اندر کا منظر اس کے دانت پیسنے کو کافی تھا۔ وہ وہیں کھڑی کافی دیر تک چشمے کے پیچھے سے ہی گھورتی رہی۔

ہائے...... باریک نسوانی آواز پر گیٹ پھلانگتا صمیم رکا تھا۔

''ہیں کیا ہو گیا جی؟'' اس نے اچھلنے کی بھرپور اداکاری کی۔ سامنے ہی کالج جانے کے لیے تیار کھڑی سونیا تھی۔ وہ ابھی سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تھی اور صمیم کے ساتھ ہی گیٹ کراس کر کے گھر سے باہر نکلی تھی۔

صمیم کے ایسے ردعمل پر اس کی ٹھنڈی ٹھار ''ہائے'' نے گرم ہونے کی ٹھانی۔ تیوریوں نے جھٹ سے ماتھے کا احاطہ کر لیا۔

''ایکسکیوز می۔'' وہ قدرے ناگواری سے بولی۔

''او ہیلو ہمسائی! کیسی ہو؟'' صمیم نے اس کے لہجے کی رتی برابر پروا نہ کی۔ غالباً آج وہ قدرے فریش موڈ میں تھا اور کچھ وہ اسے چڑا کر اس کے تاثرات سے محظوظ ہو رہا تھا۔

ہمسائی کا ضبط جواب دے گیا۔

''سنو! جب تم یہ پورشن ہمیں رینٹ پر دے رہے تھے تو تم نے کہا تھا گھر میں صرف تمہاری امی ہوتی ہیں۔''

بھاڑ میں گئی تمہید وہ ایسے ہی شروع ہو گئی تھی۔

''جی......! تو کیا ہوا اب؟ امی غائب ہو گئیں کیا؟''

وہ معصومیت اور قدرے حیرت سے آنکھیں پٹپٹانے لگا۔

سونیا کا دل چاہا وہ کوئی چیز اس کے سر میں دے مارے۔ صمیم بھی اسے چڑانے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

''جسٹ شٹ اپ! میں سیریس ہوں اور میرے پاس تمہارے ان واہیات جوکس کے لیے ٹائم نہیں۔''

سونیا نے ناک پر آئے چشمے کو درست کیا اور قدرے ناگواری سے دانت پیس کر بولی۔ صمیم سنجیدہ ہو گیا یا سنجیدہ ظاہر کرنے لگا۔ آنکھوں کی شوخی تو یونہی برقرار تھی۔

''او کے...... او کے ٹھیک ہے۔''

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ 5.L/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

اس کا تھکن اور بھوک سے تو برا حال تھا ہی، گھنٹوں کی خواری اور پھر مایوسی تو سونے پر سہاگا ثابت ہوئی تھی۔
وہ جی بھر کر بے زار اور بدمزہ ہوا تھا۔ چوکیدار نے جب کافی دیر تک اسے اضطراب کی کیفیت میں وہیں کھڑے دیکھا تو ''ناؤ یو گیٹ لاسٹ'' سی نگاہوں سے اسے گھورا۔ صمیم سمجھتا ہوا باہر نکل آیا وہاں رش نہیں ہونا چاہیے تھا۔
صائم شیراز کی زندگی کو بیان کرنے کے لیے بھٹو کے نعرے میں ذرا سی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ روٹی، کپڑا اور مکان کی بجائے روٹی، کپڑا اور ماں زیادہ بہتر رہتا ہے۔
جی ہاں! صائم شیراز کی زندگی روٹی، کپڑا اور ماں کے گرد گھومتی ہے۔ تعلیم؟ تعلیم کے لیے اسے خود سے زندگی کو گھما نا پڑتا ہے۔ پارٹ ٹائم نوکریاں اور دیگر کام، وہ ہمیشہ سے اچھا پہننے، اوڑھنے، کھانے، پینے کا عادی رہا تھا۔ اکلوتی نرینہ اولاد ہونے کی بدولت اس کی یہ عادتیں کافی پختہ ہو چکی تھیں۔ زندگی کافی آسان اور مزے میں تھی مگر ابا کی چند برس پہلے کی وفات سے زندگی میں خاصی تبدیلی آ گئی تھی۔ زندگی ویسی پرسکون اور سہل نہ رہی تھی۔ وہ اپنے والدین کی شادی کے کئی سال بعد پیدا ہوا تھا اور اس وقت ماسٹرز کے پہلے پارٹ میں تھا۔
مگر امی میں کافی ہمت اور حوصلہ تھا۔ وہ کافی باہمت خاتون تھیں جو ابھی تک اسے زندگی کے سرد و گرم سے بچائے آ رہی تھیں مگر صائم میں احساس ذمہ داری تھا اور وہ بساط بھر کوشش بھی کرتا ذمہ داریوں کو نبھانے کی۔
وہ پڑھنے کا ارادہ رکھتا تھا گو کہ بہت شوقین نہیں مگر پڑھائی کی ضرورت و اہمیت سے واقف تھا۔ سو یونیورسٹی تک پہنچ چکا تھا۔
ابا نے پچھلے وقتوں میں ایک عدد ذاتی گھر بنوایا تھا اور مہنگائی کے اس دور میں وہ گھر ان لوگوں کے لیے غنیمت ہی ثابت ہو رہا تھا۔ گھر کا سودا سلف، گھر کے اوپر والے پورشن کو کرائے پر چڑھا کر پورا ہوتا آ رہا تھا۔ گھر میں وہ اور ماں ہی تو تھے اور جیسے تیسے گزارا تو ہوتا ہی چلا آ رہا تھا۔
صمیم نے سمسٹر کی فیس بھرائی تھی مگر جس اسٹور پر وہ پارٹ ٹائم کام کرتا تھا وہاں کی نوکری سے جواب مل چکا تھا اور کوئی اور نوکری مل کر نہیں دے رہی تھی۔ شاید قسمت بھی خاص مہربان نہیں تھی آج کل یا پھر اس کی آزمائش چل رہی تھی۔
آج بھی وہ اسی سلسلے میں خوار ہو رہا تھا۔ وہ صاحب اسے ایک مارکیٹ میں ملے تھے۔ صمیم وہاں پر سیلز مین کی کسی خالی سیٹ کے لیے بلایا گیا تھا۔ دراصل اس کا ایک دوست بھی اسی مارکیٹ میں سیلز مین تھا۔ وہیں رسمی باتوں کے دوران انہوں نے اسے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا تھا اور دو دن بعد ملنے کو کہا تھا۔

☆......☆

وہ گھر پہنچا تو اس نے معمول کے مطابق امی کو اپنے انتظار میں پایا۔ جانے کب سے روٹیاں ڈھکے وہ درود شریف پڑھنے میں مصروف تھیں۔ صمیم کو دیکھا تو کھل اٹھیں۔
''جا جلدی سے میرا بچہ منہ ہاتھ دھو آ۔ جانے کب سے بھوکے پھر رہے ہو۔'' انہوں نے جانے کتنی بلائیں لے ڈالیں اس کی۔
صمیم غسل کے بعد وہیں امی کے کمرے میں چلا گیا گو کہ اس کی تھکن غسل کے بعد کافی حد تک اتر چکی تھی مگر دن بھر کی خواری اور نا امیدی کی مایوسی اس کے تاثرات سے عیاں تھی۔ امی نے اس سے کسی قسم کا کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ خود اس کا دل بھی بولنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ سو چپ کیے نوالے حلق سے اتارتا رہا۔

''ہاں تو بچے شکل و صورت ماشاءاللہ سے اچھی پائی ہے تم نے، بس اب دیکھنا باقی ہے کہ تم میں کچھ کر دکھانے کی صلاحیت بھی ہے کہ نہیں۔ میرے پاس ایک ڈیلیسنبز کے کمرشل ایڈ ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی صلاحیت آزماؤ، خدا موقع دے رہا ہے تمہیں۔ تمہاری معاشی مشکلات بھی حل ہوں گی اور تمہیں آگے بڑھنے کے مزید مواقع بھی میسر آئیں گے۔ بس نیت، محنت اور لگن سے کام کرنا ہے۔''

انہوں نے لمبی چوڑی گفتگو کی۔ جانے وہ صیم کی کس بات سے اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ جو بھی تھا قسمت اس پر مہربان ہوا چاہتی تھی اور اب اسے بھی دل لگا کر کام کرنا تھا۔

☆......☆

اس دن پھر وہ پرجوش گھر پہنچا تو امی گھر پر نہیں تھیں۔ شاید محلے میں کسی کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ وہ بغیر منہ ہاتھ دھوئے وہیں صحن میں نیم کے درخت تلے بچھی چارپائی پر لیٹ گیا۔ وہ آج بڑے دنوں بعد بہت سکون محسوس کر رہا تھا۔ موڈ بھی کافی خوشگوار تھا۔ وہ وہیں لیٹے امی کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

''آنٹی!'' سونیا ہاتھ میں کوئی پلیٹ پکڑے سیڑھیاں اترتے ہوئے بے دھیانی سے بولی۔ صیم کے کان آواز پر کھڑے ہوئے۔ اس نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر ذرا سا گردن موڑ کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔

''میں تمہیں آنٹی نظر آتا ہوں؟'' آنکھوں میں شوخی تاہم لہجے میں حیرت تھی۔

''میں نے تمہیں تو نہیں کہا۔'' سونیا نے برا سا منہ بنایا۔ وہ سیڑھیاں اتر کر صحن میں آ گئی تھی اور ادھر ادھر شاید آنٹی کو ہی کھوج رہی تھی۔

''اس وقت گھر میں تو میں ہی ہوں۔ پھر مجھے ہی کہا۔'' وہ بضد ہوا، سونیا بخوبی واقف تھی وہ اسے چڑا رہا ہے۔

''میں آنٹی کے لیے کھیر لے کر آئی ہوں۔'' کان میں بات پڑی ہی تھی کہ صیم اچھل کر اٹھا۔

''واؤ...... لاؤ جلدی پکڑاؤ۔'' صیم نے شور مچایا۔

''یہ آنٹی کے لیے ہے۔'' سونیا نے جتایا۔

''اوہو امی کو تو شوگر ہے۔'' وہ اس کے ہاتھ سے پلیٹ پکڑ چکا تھا اور پھر وہیں چارپائی پر بیٹھتے ہی کھانے کا ارادہ کیا تو کچھ یاد آنے پر بولا۔

''وہ پلیز کچن سے ایک چمچ بھی لا دو۔'' سونیا مرد تا برا منہ بناتی چمچ لینے چلی گئی۔

''آنٹی کہاں گئی ہیں؟'' اس نے اسے چمچ پکڑانے کے بعد پوچھا۔

''امی شاید محلے میں کسی کے گھر گئی ہیں۔ میں جب گھر آیا تھا وہ موجود نہیں تھیں۔'' سونیا نے سر ہلایا اور واپسی کے لیے مڑی۔

''اچھا سنو!'' صیم بے اختیار بولا۔ سونیا مڑی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ پلیٹ تو لیتی جاؤ بعد میں مجھے دھو کر دینی پڑے گی۔'' صیم مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا تھا۔ سونیا بھی بے اختیار مسکرا دی۔ خلاف توقع وہ ہمسائے تھے اور ہلکی پھلکی نوک جھونک کے دوران ہی ذرا بے تکلفی ہو گئی تھی۔

☆......☆

امی شام ہونے کو تھی جب گھر آئی تھیں۔ صیم وہیں چارپائی پر لیٹے لیٹے سو گیا تھا۔

''آ گیا میرا بیٹا، میں صدقے، میں واری۔'' امی اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئی تھیں۔ صیم کی آنکھ ان کی آواز

"وہ میں کہہ رہی تھی....."

"آپ کہہ رہی تھیں جب آپ نے گھر رینٹ پر لیا....." سونیا بولتے بولتے کچھ یاد کرنے لگی تو صیم نے قدرے فرمانبرداری سے اس کا جملہ پورا کیا۔ سونیا نے موٹے چشمے کے پیچھے سے اسے گھورا اور بات جاری رکھی۔

"تب تم نے کہا تھا کہ تم ہوسٹل میں ہوتے ہو اور گھر میں تمہاری امی اکیلی ہوتی ہیں لہٰذا بجلی کا بل ہم لوگ پے کیا کریں اور ہم نے بھی اعتراض نہ کیا کہ جسٹ ایک آنٹی کتنی بجلی یوز کرلیں گی مگر اب بجلی کا بل تم بھی ہاف پے کیا کروگے۔"

بالآخر بلی تھیلے سے باہر آہی گئی۔

"کیوں.....اب میری امی زیادہ بجلی یوز کرنے لگ گئی ہیں؟" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم ساری رات کمپیوٹر پر مصروف رہتے ہو۔ اتنی الیکٹرک سٹی یوز ہوتی ہے تم نے جھوٹ کہا تھا کہ تم ہوسٹل میں ہوتے ہو میں پچھلے کچھ دنوں سے تمہیں نوٹ کررہی ہوں کہ تم ساری رات کمپیوٹر یوز کرتے ہو، بس اب تم ہاف بل پے کروگے۔" اس نے فائنل بات کی۔

صیم نے گہری سانس خارج کی۔

"وہ ایکچوئلی میں کچھ دنوں سے گھر تھا۔" صیم کوئی بات بنانے کی کوششوں میں ہی تھا کہ سونیا نے اس کی بات کاٹی۔

"آئی ڈونٹ نو، کچھ بھی ریزن ہو، تم ہاف بل پے کروگے۔" اور یہ جا وہ جا۔

صیم دانت پیس کر رہ گیا۔

سونیا ان کی نئی کرایے دار تھی۔ اپنے والد اور بھائی کے ساتھ ان کے اوپر والے پورشن میں کچھ دنوں سے رہ رہی تھی۔ صیم چونکہ پارٹ ٹائم جاب کے بعد اکثر دیر سے گھر آتا تھا اور کبھی کبھار تو کہیں اور ہی رک جاتا لہٰذا اس نے بل بچانے کو یہ بہانہ پہلے دن سے ہی گھڑا ہوا تھا مگر واقعی اس کی آزمائش کے دن تھے۔ یہ مصیبت بھی آن پڑی تھی۔

سونیا سے اس کی ملاقات پہلے دن کچھ اچھی نہیں ہوئی تھی اور کافی شاندار ٹھہری تھی۔

عجیب پٹاخا لڑکی تھی، صیم کا موڈ بری طرح آف ہوگیا تھا پھر خود کی لاپرواہی پر خود کو لتاڑنے لگ گیا۔

☆......☆

آج بالآخر صیم کی شاہ نواز صاحب سے ملاقات ہو ہی گئی تھی۔ وہ پرائیویٹ پروڈکشن ہاؤس کے تحت کام کرتے تھے اور اس سے بخوبی پہچان کے بعد خوش اسلوبی سے ملے تھے۔

"ہاں تو کیا نام بتارہے تھے تم اپنا؟" وہ سگار سلگاتے ہوئے اس سے پوچھنے لگے۔ صیم اس وقت ان کے آفس میں ان کے سامنے والی کرسی پر براجمان تھا۔

شاہ نواز صاحب ایک پروڈیوسر تھے تاہم وہ کسی بہت بڑے لیول پر کام نہیں کرتے تھے مگر اپنے شعبے کی دنیا میں ایک نام رکھتے تھے۔

"جی، صائم شیراز۔" صیم نے ادب سے جواب دیا۔

"گڈ۔" انہوں نے محض ہنکارا ابھرا۔ صیم منتظر نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔

بھرپور رہنمائی دی۔ ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔
انہوں نے خود سے گائیڈ کیا، حوصلہ افزائی کی اس کا پہلا فوٹو شوٹ قدرے کامیاب رہا۔
صیم کافی پرجوش ہو گیا تھا۔ شاہ نواز صاحب بھی زیر لب مسکرا رہے تھے۔
راتوں رات اس کی پوزیشن میں زمین و آسمان کا فرق آیا تھا۔ بلاشبہ کامیابیوں کی طرف یہ اس کا پہلا قدم تھا۔
اور پھر آفرز کا لامحدود سلسلہ تھا۔ دو ایک دن میں ہی اسے اپنی زندگی بہت تبدیل معلوم ہو رہی تھی۔
شاہ نواز صاحب کو اس سے بھرپور توقعات تھیں اور وہ خوش بھی تھے۔
صائم نے اس کمرشل کے بعد ابھی تک کسی اور کمرشل کی آفر پر غور نہیں کیا تھا۔ شاہ نواز صاحب قدم قدم پر اس کی رہنمائی کر رہے تھے اور پھر اگلا ایک ہفتہ کافی مصروف گزرا تھا۔
شاہ نواز صاحب نے اسے ایک دو اور آفرز پر غور کرنے کی تاکید کی تھی۔ ماڈلنگ میں وقت کم اور پیسہ زیادہ ہے اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا۔
صیم کو اس اچانک کایا پلٹ سے بہت حیرت اور مسرت ہو رہی تھی۔
آتے جاتے لوگ اس کو سراہتے تو اسے بہت اچھا محسوس ہوتا۔ اس دن وہ گھر آیا تو امی نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس نے امی کو ساری صورت حال کے متعلق سرسری سا ہی بتا رکھا تھا۔
بیرونی دروازہ کھلا اور سونیا گھر میں داخل ہوئی۔ وہ کالج سے آئی تھی۔ اس جھیر والے واقعے کے بعد آج بڑے دنوں بعد وہ صیم کو نظر آئی تھی۔
"اُف...... ہمارے ہمسائے اتنے بے مروت ہیں۔" وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی کہ صیم نے مذاقاً ہانک لگائی۔
سونیا رک گئی، گرمیاں قدرے عروج دکھا رہی تھیں۔ وہ ماتھے کے اوپر دھوپ سے بچاؤ کے لیے ہاتھ کیے نچلے پورشن کے رہائشی حصے کی طرف آ گئی۔
"اگر یہی بات ہم کہیں۔" وہ قدرے خوشگوار موڈ میں تھی۔
"تو آپ بالکل بھی حق پر نہیں ہوں گی۔" صیم سابقہ لہجے میں بولا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ٹھنڈے پانی کی بوتل اور گلاس تھا۔
"مروت کے سارے ریکارڈ میں توڑ رہا ہوں۔ دیکھ لو" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔
سونیا نے اس کے ہاتھ سے بوتل اور گلاس پکڑ لیا۔
"پانی دادے میں تمہیں مبارک دینے آئی ہوں۔ اچھے کمرشل ہیں تمہارے۔" سونیا سنجیدہ ہو گئی تھی۔ وہ حیران تھی کہ صائم کیسے ٹی وی تک پہنچا مگر اس نے پوچھا نہیں۔
"تھینکس ہمسائی۔" صیم نے کندھے اچکائے۔
سونیا کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔ گرم دوپہر پھیلتی جا رہی تھی۔ پھر وہ واپس پلٹ آئی۔ صیم کافی دیر تک اس کی پشت کو گھورتا رہا۔ جانے کیا سوچ رہا تھا پھر سر جھٹکتا ہوا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆

صیم کا تھرڈ سمسٹر شروع ہو گیا تھا۔ گرمیاں بھی سکڑتی جا رہی تھیں۔ وہ پوری طرح پڑھائی پر توجہ جمانے کی

سے کھلی تھی۔

''آئے ہائے خیر تو ہے دن دیہاڑے ہی سو رہے ہو۔''

صمیم کو اپنی طرف متوجہ پا کر وہ جلدی سے اس کے قریب گئی تھیں۔ ماتھے کو چھوا کلائی پکڑی پھر تسلی ہوئی ذرا تو اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

''امی! اتنی دیر لگا دی آپ نے؟'' صمیم کے حواس بیدار ہوئے تو اس نے پوچھا جینز کے ساتھ ہلکے رنگ کی ٹی شرٹ اور لیٹے رہنے کی بدولت اِدھر اُدھر بکھرے بال۔

شاہ نواز صاحب نے واقعی ٹھیک کہا تھا۔

وہ بہت پیارا تھا۔ کچھ پہننے اوڑھنے کا بھی شوقین تھا اور شروع سے ہی اچھا پہننے کا عادی تھا۔ کچھ شکل بھی پیاری تھی پھر کم عمری اور عجیب سی سادگی۔ ذرا اچھا پہن لیتا تو شخصیت اور بھی نکھر جاتی۔

''ہاں وہ زبیدہ بہن کی طرف گئی تھی۔'' امی اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کے ماتھے پر نظر نہ آنے والے پسینے کو صاف کر رہی تھیں۔

''اچھا فکر نہ کرنا اب، کمیٹی نکلوا کر لائی ہوں مجھے تو یاد ہی نہیں تھا اس کا، ورنہ دو چار دن پہلے ہی تمہیں دے دیتی۔ چلو خیر ابھی آخری تاریخ میں ایک دو دن ہیں۔ اٹھو منہ ہاتھ دھو کر آؤ، کھانا گرم کرتی ہوں میں۔'' امی پیار سے اس پر اپنی ممتا نچھاور کرتے ہوئے بول رہی تھیں۔ صمیم ایکدم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ بے اختیار ہنس پڑا۔

''امی! اب میں کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہوں۔'' وہ امی کو تنگ کرنے لگا۔

''تمہارے بچوں کے بھی چھوٹے چھوٹے بچے ہو جائیں کے نا تو پھر بھی تم میرے لیے چھوٹے بچے ہی رہو گے۔'' امی نے پیار سے ڈپٹا اور چارپائی سے اٹھنے لگیں۔

''تب تک میں نے جینا تھوڑی ہے۔'' وہ پھر سے تنگ کرنے لگا۔ امی نے ہول کر اسے دیکھا اور اس سے پہلے کہ ان سے کوئی ڈپٹ وصول ہوتی اس نے امی کے تاثرات دیکھتے ہوئے وہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی۔

''امی! سمجھیں میری نوکری کے بھی آثار ہیں۔'' وہ واش روم تک جاتے ہوئے انہیں سرسری سا بتانے لگا۔

☆......☆

صمیم آفس میں گیا تو شاہ نواز صاحب وہاں موجود تھے۔ انہوں نے خوش دلی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد اپنے سیکریٹری سے صمیم کو ملوایا، وہ پر اعتماد اور پر عزم تو تھا ہی لہٰذا اس نے زیادہ جھجک محسوس نہ کی، اس نے بھی اس قسم کے خواب نہیں دیکھے تھے مگر اب قسمت اسے موقع دے رہی تھی اور وہ اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

زندگی ہر کسی کو کم از کم ایک بار ہیرو بننے کا موقع ضرور دیتی ہے اور یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اس موقع سے کس حد تک فائدہ اٹھاتا ہے۔ مگر وہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اور بغیر محنت کے کبھی کچھ ممکن نہیں ہوتا۔ اسے بھی خوب محنت کرنی تھی۔

مہنگے ملبوسات نے اس کی شخصیت کو چار چھوڑ آٹھ چاند لگائے تھے۔ نفیس جینز اور ٹی شرٹ، برانڈڈ گھڑی، وہ ڈریسنگ روم سے نکلا تو اسٹوڈیو میں موجود ہر فرد کی نظر اس پر ضرور رکی تھی۔ سراہتی ہوئی نگاہ وہاں اس کا مختصر فوٹو شوٹ ہونا تھا۔ وہ اسے خصوصی توجہ دینا چاہتے تھے، وہ اس کی شاندار پرسنالٹی کو اس کے لیے سودمند بنانا چاہتے تھے اور صمیم وہ دل سے ان کا بے حد مشکور تھا۔ شاہ نواز صاحب نے اسے بغیر کسی غرض کے موقع دیا تھا بلکہ اسے

وقت کس قدر منتشر ہو رہا تھا یا ان کے بے ساختہ کھوئے الفاظ بتا رہے تھے۔
''اوہو سر! کیا ہو گیا آپ کو، پلیز بی ریلیکس۔ میں کیوں سمجھوں گا آپ کو Selfish۔ پلیز آپ جو شیئر کرنا چاہ رہے ہیں، کریں۔''
صمیم حقیقی معنوں میں پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے شاہ نواز صاحب کو تسلی دی۔ تو وہ کسی حد تک پرسکون ہوئے۔ کچھ لمحے خاموشی میں بیت گئے۔ صمیم منتظر نظروں سے انہیں تکتا رہا اور پھر وہ ایک گہری سانس کے بعد گویا ہوئے۔
''میری بیٹی ہے وہ۔ کسی لڑکے کو پسند کرتی تھی مگر میں امریکہ میں رہائش پذیر اپنی بہن کے بیٹے سے اس کی نسبت طے کیے بیٹھا تھا۔ اس لڑکے اور میری بہن کے بیٹے کے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ بہت سمجھایا اسے مگر یہ نہ مانی۔ اکلوتی تھی لاڈلی بھی۔ بہن بھی چاہتی تھیں کہ بھتیجی کو بہو بنائیں۔ مجھے بہن کی خواہش کا بھی احترام تھا۔ جو دوسرے شہر میں میری والدہ کے ساتھ ہی رہتی تھیں مگر اماں کی وفات کے بعد میں اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اسے بھی ضد ہو گئی اور میں بھی نہ مان رہا تھا پھر ایک دن حبہ گھر چھوڑ کر چلی گئی۔''
وہ دھیرے دھیرے کھوئے انداز میں بول رہے تھے اور پھر اچانک سے رک گئے۔
گہری سانس بھری تھی انہوں نے۔
''ان دنوں ابھی تک میں بے خبر تھا کہ حبہ کہاں ہے مگر یہ ظاہر تھا کہ وہ شادی کے ارادے سے ہی اس لڑکے کے ساتھ گئی تھی۔ پھر ان دنوں جب میری بہن کا فون آیا تو میں نے بات بنانے کو انہیں بول دیا کہ حبہ کسی کلاس فیلو کو پسند کرتی تھی۔ پھر اس لڑکے کی والدہ کی بیماری کی وجہ سے جلد ہی سادگی سے شادی کرنی پڑی کہ اس کی والدہ کو جلد از جلد بہو گھر لانے کی خواہش تھی اور یہ بھی کہ حبہ ان دنوں اپنے شوہر کے ساتھ آسٹریلیا گئی ہوئی ہے۔ میرا مقصد یہ بات بنانے کا محض تذلیل سے بچنا ہی تھا اور خود کا بھرم رکھنا تھا۔ پھر بہن نے بھی زیادہ بات نہ کی اور جو تھوڑا بہت اکلوتے رشتے کے ساتھ رابطہ تھا وہ بھی جاتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ دیگر دور نزدیک کے رشتے داروں میں یہی بتا دیا کہ حبہ شادی کے بعد آسٹریلیا گئی ہے۔'' وہ بولتے بولتے پھر سے رکے تھے۔ صمیم دھیان سے ان کی بات سن رہا تھا۔
''تکلیف حبہ کے اس قدم نے نہیں دی تھی اتنی جتنی اس کی چھ ماہ بعد کی فون کال نے دی۔ وہ بہت رو رہی تھی۔ بہت پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ اس وقت ایک کلینک میں ہے۔ میں فوراً وہاں پہنچا تھا۔ اس کے ماتھے پر پٹی ہوئی تھی اور وہ بالکل خاموش تھی۔ مجھے دیکھ کر بھی اس نے کوئی ری ایکشن شو نہیں کیا تھا۔ اس کی حالت کے پیش نظر میں اسے فوراً گھر لے آیا۔ کلینک والوں سے تھوڑی بہت معلومات لینے کی کوشش کی تو انہوں نے یہی بتایا کہ کوئی صاحب اسے کلینک چھوڑ گئے تھے شاید ان کی گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور بس۔ مجھے مزید کچھ بھی نہیں جاننا تھا۔ میرا دل اس وقت صرف اپنی بیٹی کے لیے تڑپ رہا تھا۔ حبہ بالکل چپ ہو گئی تھی اور پھر میں نے بھی اس سے پوچھنا چھوڑ دیا۔ میں بہت سوشل نہیں ہوں۔ پرسنل لائف کو لے کر لہٰذا کسی قسم کا مسئلہ نہ ہوا اور پھر چند ماہ بعد گھر میں دو ننھی پریاں آئیں۔ میری حبہ کی بیٹیاں۔
خاندان میں یہی پتا ہے کہ اس کی شادی ہوئی ہے اور وہ اپنی فیملی کے ساتھ ملک ملک گھومتی ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ میری بیٹی نے جس دن سے اس گھر میں دوبارہ قدم رکھا ہے، کبھی کمرے سے بھی نہیں نکلی، اس لڑکے کا بھی کچھ اتا پتا نہیں۔ نہ ہی یہ کچھ بتاتی ہے۔ میں نے اور گھریلو ملازمہ نے ان پریوں کی پرورش کی ہے تین سال کی

کوششوں میں تھا۔طرز زندگی کافی حد تک بدل چکا تھا۔
پہلے اس کے پاس ایک عدد سائیکل بھی نہیں تھی مگر اب وہ گاڑی پر یونیورسٹی جاتا تھا۔شہرت اس کی طرف دھیرے دھیرے لپک رہی تھی۔
زندگی کچھ ماہ سے لگی بندھی روٹین کے مطابق ہی گزر رہی تھی۔وہ عادی ہو گیا تھا شوبز کی چکا چوند دنیا کا، اسے کچھ سیریلز کی بھی آفرز تھیں مگر وہ ان پر ابھی غور کر رہا تھا۔
بہت کچھ بدل چکا تھا مگر اس کی فطرت کی سادگی اب بھی کمال کی تھی۔بے انتہا مخلص اور سادہ دلی۔
اس کی زندگی کی اکیسویں بہار اس کے لیے بڑی کامیابیاں لائی تھی۔وہ بہت مطمئن زندگی گزار رہا تھا۔
اس دن شاہ نواز صاحب نے اسے فون کر کے آفس بلایا تھا۔صیم اور ان کے تعلقات میں بڑی حد تک بے تکلفی اور اپنائیت آ گئی تھی۔وہ اسے اپنا بیٹا کہتے تھے۔
صیم نے بلڈنگ کے سامنے گاڑی روکی۔باہر نکلتے ہی اس کی نظر اس چوکیدار پر پڑی۔وہ کئی بار پہلے بھی وہاں آ چکا تھا مگر نہ جانے کیوں آج اسے وہاں آنے کا اپنا پہلا دن یاد آ گیا تھا۔
وہ شاہ نواز صاحب سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔اس کے پاس ان کا وزیٹنگ کارڈ بھی تھا مگر اس کی ملاقات نہ ہو سکی تھی۔
مگر کل اور آج میں بہت فرق تھا اور یہ فرق بہت اچھا تھا۔صیم نے بے اختیار خدا کا شکر ادا کیا تھا۔وہ انہی سوچوں میں آفس کے دروازے تک پہنچا اور پھر بے اختیار چونک کر دروازہ کھولا۔
شاہ نواز صاحب ریوالنگ چیئر پر بیٹھے کسی گہری سوچ میں تھے۔صائم کو کچھ غیر معمولی سا احساس ہوا۔
"السلام علیکم سر!"صیم کی آواز پر وہ بے اختیار چونکے۔
"ہوں......او ہاں......وعلیکم السلام۔"
صیم کو ان کی غائب دماغی تھوڑی محسوس تو ہوئی مگر وہ کریدنے کے ارادے کو دباتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔شاہ نواز صاحب قصداً مسکرائے۔صیم نے بھی مسکرا کر ان کی مسکراہٹ کا جواب دیا۔
"ہاں تو بیٹا! گھر میں خیریت ہے سب؟"انہوں نے معمول کے مطابق گفتگو کا آغاز کیا۔
"جی اللہ کا شکر ہے۔"صیم خوش دلی سے بولا۔شاہ نواز صاحب کو بہت پہلے سے ہی اس کے گھر کے حالات وافراد کا پتا تھا۔
"ملنا تو خیر میں آپ کی والدہ سے چاہ رہا تھا مگر پھر مناسب سمجھا کہ آپ سے ہی بات کر لی جائے پہلے۔"صیم ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگا۔
وہ بات کرنے کے لیے مناسب الفاظ کی تلاش میں تھے۔ان کے چہرے پر چھایا تذبذب وہ چاہتے ہوئے بھی نہیں چھپا پا رہے تھے۔
"سب سے پہلے تو ایک ریکوئسٹ ہے بیٹا آپ سے کہ آپ میرے خلوص پر شک نہیں کریں۔ایک بات ہے جس کی وجہ سے میں اپنا معاملہ آپ سے شیئر کرتے ہوئے جھجک رہا ہوں اور وہ یہی ہے کہ آپ میری اس بات کو میری خود غرضی کا نام نہ دیں۔فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہو گا مگر ایک ریکوئسٹ ہو گی کہ پلیز آپ مجھے سیلفش نہ سمجھیں کہ میں ریٹرن وصولنا چاہ رہا ہوں اور پلیز ذرا نظر ثانی ضرور کیجیے گا میری بات پر۔"
شاہ نواز صاحب کے چہرے کا اضطراب ان کی باتوں کی بے ربطگی سے بھی جھلک رہا تھا۔ان کا ذہن اس

صیم، شاہ نواز صاحب کا بہت مشکور و احسان مند تھا وہ ان کی بات سے منع نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ دکھی کرنا چاہتا تھا اگر چہ اس نے ابھی تک شادی یا لائف پارٹنر کے متعلق نہیں سوچا تھا مگر حبہ کے متعلق وہ سنجیدہ نہیں تھا۔ بس شاید وہ کوئی ذمہ داری نبھانا چاہ رہا تھا بس یا کچھ ایسا ہی۔

شاہ نواز صاحب نے جانے کیسے اپنی بیٹی کو سمجھایا تھا یہ وہ اور ان کا خدا جانتا تھا کون کون سے واسطے دے کر مستقبل ماضی کو بتا کر اس کے حال پر روشنی ڈال کر اس کی بیٹیوں، ان کے مستقبل کا احساس دلا کر اور بالآخر وہ اسے نکاح کے لیے رضامند کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

اور پھر وہ بھی خزاں کا ایک اداس دن تھا۔ جب ڈھلتی شام میں صیم نے نکاح کے کاغذات پر سائن کیے تھے۔کوئی باراتی نہیں تھے۔ یہ ایک پیپر میرج تھی اور بس، شاید ایسا ہی تھا۔

اور پھر اس دن نے شاید قسم کھائی تھی صائم شیراز کی زندگی میں بڑے بڑے واقعات رونما کروانے کی وہ نکاح نامے پر سائن کرنے کے بعد ابھی شاہ نواز صاحب کے گھر کے لان میں خاموش سا کرسی پر بیٹھا تھا۔ ملازمہ چائے رکھ گئی تھی اور اس نے اپنے کپ کو اٹھا کر ابھی ایک گھونٹ ہی بھرا تھا کہ میز پر رکھا اس کا اسمارٹ فون جگمگانے لگا۔

اس نے کپ میز پر رکھا اور بے دھیانی میں موبائل کان سے لگایا۔

اور پھر اس کے چہرے کی سنجیدگی کو پریشانی میں تبدیل ہونے میں لمحہ لگا تھا۔ وہ حواس باختہ سا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ک... کک...... کیا ہوا امی کو؟''

''کون سے اسپتال میں ہیں؟'' وہ پریشانی اور بے تابی سے بولا تھا۔ اس کے سامنے والی کرسی پر براجمان شاہ نواز صاحب بھی گھبراہٹ میں کھڑے ہو گئے تھے۔ صیم نے عجلت میں سیل جینز کی پاکٹ میں رکھا اور میز سے گاڑی کی چابی اٹھائی۔

شاہ نواز صاحب اس سے پوچھ رہے تھے کہ کیا ہوا۔ مگر وہ سن نہیں رہا تھا۔

''امی اسپتال میں ہیں'' بمشکل تمام اس نے الفاظ ادا کیے۔

ان کے ہونٹ بے اختیار ''اوہ'' کے انداز میں سکڑے۔ پھر وہ صیم کے ساتھ ہی اسپتال کی طرف روانہ ہو گئے۔

اور اسپتال میں امی جان کا بے جان وجود اس کا منتظر تھا۔ اسپتال پہنچتے پہنچتے ہی وہ جان کی بازی ہار چکی تھیں۔سونیا کے والد انہیں اسپتال لے کر گئے تھے اور وہیں سونیا اور اس کا چھوٹا بھائی بھی تھے۔

امی کو شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

صیم کو آج معلوم ہوا تھا کہ صدمہ کسے کہتے ہیں اور دنیا اندھیر ہو جانا کیا شے ہے۔ اس کی زندگی میں کوئی رشتہ نہیں بچا تھا۔ اس کا اکلوتا واحد خونی رشتہ اس کی امی جان بھی اب نہیں رہی تھیں۔

وہ رونا چاہ رہا تھا مگر چپ ہو گیا تھا۔ وہ خود بھی بے جان ہوتا جا رہا تھا۔

امی تو اس کی ماں بھی تھیں اور باپ بھی۔ انہوں نے اسے ہر سرد و گرم سے محفوظ رکھا تھا۔ صیم کو کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی مگر اسے ہر شے ہی نامکمل اور ادھوری لگ رہی تھی۔

وہ اس کی ماں تھیں اور ماں جب نہیں ہو جائے تو دنیا واقعی اندھیر ہو جاتی ہے قبرستان بن جاتی ہے۔ نرم و گرم آغوش چھن جاتی ہے اور جو ماں کی دعاؤں کی بدولت دل مطمئن ہوتا ہے اس میں بے چینیاں ڈیرے جمالیتی

ہونے والی ہیں دونوں۔" ان کی گفتگو کے دوران لہجے کا اتار چڑھاؤ بدل رہا تھا مگر آخر ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی نواسیوں کے ذکر پر۔
"مسئلہ اب یہ ہے کہ میری بہن اپنی فیملی کے ساتھ کچھ عرصے کے لیے یہاں آرہی ہے اور حبہ کے شوہر سے ملنے کا بھی بہت اصرار کررہی ہے۔ اب تو وہ لٹل اینجلز بھی ضد کرنے لگ گئی ہیں اپنے باپ کے لیے، جنہیں میں ٹالتا رہتا ہوں۔"
"ہوں......" ان کی طرف خاموشی ہوئی تو صمیم نے محض ہنکارا بھرا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کیا کہے، کیا کرے، جواباً اسے کیا کہنا چاہیے اور وہ کچھ کچھ واقف ہو رہا تھا اس بات سے جو شاہ نواز صاحب اسے کہنے والے تھے۔
"اب ان چھوٹی بچیوں کے اسکول کا مسئلہ بھی ہے۔ ایڈمیشن کروانا ہے ان کا اور حبہ تو کوئی جواب ہی نہیں دیتی اسے کسی چیز سے سروکار ہی نہیں۔ زندگی میں مسائل تو اب شروع ہوئے ہیں۔" آخر تک ان کی آواز رندھ گئی تھی۔ صمیم کو بھی بے حد افسوس اور دکھ ہوا۔
"بیٹا! میں تمہیں خاص سمجھتا ہوں اپنے لیے اور میں چاہتا ہوں تم میری بیٹیوں کے لیے بھی خاص بن جاؤ۔ مجھے اعتبار نہیں کسی پر۔ مجھے تم میں ایک مخلص انسان نظر آتا ہے۔ میری بچیوں کو باپ کے نام کی بھی ضرورت ہے اور میری بیٹی کو ایک مرد کے سہارے کی بھی، برائے نام ہی سہی مگر اس وقت وہ بے نام ہیں بیچاری، کسی نام کی محتاج ہیں۔ میں زیادہ خود غرضی نہیں دکھاؤں گا تم ان کے ساتھ رہنا اگر اپنی مرضی سے بھی اپنی زندگی گزارنا چاہو گے تو تم مکمل حق رکھتے ہو۔"
صمیم کئی ثانیے بالکل خاموش ہی رہا۔ لمحے سرکتے گئے، شاہ نواز صاحب کی منتظر نظریں اس پر مرکوز رہیں اور وہ کسی گہری سوچ میں، وہ بے اختیاری میں آپ سے تم پر آئے تھے۔
"اگر سوچنا چاہو تو بیٹا! بلاجھجک سوچو۔" صمیم بالکل چپ رہا۔
شاہ نواز صاحب کو شرمندگی ہونے لگی اور پھر اچانک سے وہ دھیما سا مسکرایا تھا۔
"مجھے آپ کا فیصلہ بخوشی قبول ہے۔"
صمیم نے امی سے اپنے طور پر بات کرلی تھی کہ شاہ نواز صاحب کی ایک عدد جوان بیاہ بیٹی ہے اور پروپوزل کے متعلق سرسری سا بتایا تھا۔ کچھ اس کا انداز بیان ظاہر کرتا تھا کہ وہ فیصلہ کرچکا ہے اور کچھ امی خدا ترس خاتون واقع ہوئی تھیں۔ وہ شاہ نواز صاحب کی صمیم کی حوالے سے احسان مند بھی تھیں جنہوں نے اس کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا تھا۔
وہ قدرے رضامند ہوگئی تھیں مگر ہر ماں کی طرح ان کے دل میں بھی ہزاروں، لاکھوں ارمان تھے وہ پورے چاہ کے ساتھ بہو بیاہ کرلانا چاہتی تھیں۔
مگر صمیم کا ایسا ہرگز کوئی ارادہ نہیں تھا۔ نکاح کے بعد حبہ نے اپنے باپ کے گھر ہی رہنا تھا اور صمیم بھی ایسا کچھ نہیں چاہتا تھا۔ صمیم نے انہیں قدرے سنجیدگی سے سمجھایا۔
"امی! وہ بڑے گھر کی لڑکی ہے۔ وہ الگ گھر میں ہی رہے گی۔ ہاں آپ اپنی مرضی کی بہو کو اپنے ساتھ ہی رکھنا اگر آپ چاہتی ہیں تو خیر آپ جب چاہیں اس سے ملنے جاسکتی ہیں۔"
امی بیٹا نہیں سمجھیں کہ نہ سمجھیں مگر چپ ضرور ہوگئیں۔

''واؤ! لُو ابھارٹ اینڈ ڈیشنگ ڈیڈ۔'' ریڈ ٹی شرٹ والی چھوٹی پری بے اختیار گلابی پری سے بولی تھی۔ صیم تھوڑا جھینپ گیا۔ شاہ نواز صاحب کا ہلکا قہقہہ بلند ہوا تھا۔

وہ دونوں تیزی سے صیم کی طرف بڑھی تھیں۔

''ہائے! آئی ایم میشا اینجل۔'' ریڈ ٹی شرٹ والی چھوٹی پری نے بڑے شوخ سے انداز میں کہتے ہوئے صیم کی طرف مصافحہ کے لیے اپنا ننھا ہاتھ بڑھایا تھا۔ صیم کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی۔

''ہیلو! ہاؤ آر یو اینجل؟'' صیم نے خوش دلی سے بات کی وہ اس سے پہلے کہ کچھ بولتی پنک پری آگے بڑھی۔

''ہائے! آئی ایم عینا فیری، ہاؤ آر یو ڈیڈ؟'' اس نے بھی صیم کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

صیم ان تین سال کو پہنچتی بچیوں کی ننھی اداؤں پر مسکرا رہا تھا۔ وہ معمول کے مطابق اپنا تعارف کروا رہی تھیں جیسے کسی بھی نئے فرینڈ یا کسی مہمان سے کرواتی تھیں۔

بے حد معصوم، کیوٹ بچیاں تھیں صیم نے دونوں کے گالوں کو تھپکا۔

''او کے مائی چائلڈ! میں آپ کو پھر سے ری فریش کروا دوں، آج ہمارے گھر میں گیٹس آرہے ہیں تو آپ نے ان سے کسی قسم کی بات نہیں کرنی نہ کسی بات کا جواب دینا بس ہیلو، ہائے تک، او کے چائلڈ؟'' شاہ نواز صاحب نرمی سے بولے تھے۔

انہوں نے فرماں بردار بچوں کی طرح معصومیت سے سر ہلایا تھا۔

''ڈیڈ آپ کہاں تھے؟'' عینا پوچھ رہی تھی۔ صیم نے جواب طلب نظروں سے شاہ نواز صاحب کی طرف دیکھا تھا۔

''اوہ فیری! ڈیڈ سے کوئی ایسے ویسے کوئسچن نہیں کرنے۔ منع کیا تھا ناں۔'' شاہ نواز صاحب نے عینا کو بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا اور نرمی سے سمجھانے لگے۔ اس نے پھر سے سر اثبات میں ہلایا۔

صیم نے دونوں کو پاس بٹھا لیا۔

وہ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگیں۔

شاہ نواز صاحب فون کال کے سلسلے میں اٹھ کر باہر چلے گئے تھے۔

''ڈیڈ! آپ کتنے سویٹ ہیں۔'' میشا اچانک سے بولی تھی۔

''اور ہماری مما۔'' عینا نے منہ بنایا۔

''بہت بور ہیں یار۔'' میشا نے اس کا فقرہ مکمل کیا۔ صیم مسکراہٹ دبانے لگا۔ بے اختیار اس کے دل میں ایک خیال آیا تھا۔ وہ حبا سے نہیں ملا تھا۔ نہ ہی اس سے متعلق کوئی بات ہوئی تھی۔ اسے کوئی دلچسپی تو نہیں تھی کسی قسم کی ملاقات کی۔ تاہم اگر کوئی اسے کہتا تو وہ بات ٹالتا بھی ناں۔

''آپ کو ہماری بات پر یقین نہیں ہوا؟'' عینا نے آنکھیں مٹکائیں۔ صیم حیران ہوا تھوڑا۔

''چلیں ان سے ملتے ہیں۔ آپ کو ہماری بات کا یقین ہو جائے گا۔'' میشا نے جھٹ سے تجویز پیش کر کے اپنے تیز ہونے کا ثبوت دیا۔ صیم نے کندھے اچکائے۔ ''او کے۔''

صیم نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ وہ خود بھی ایک دفعہ حبہ سے مل لینا چاہتا تھا اور جتنی ہی یہ ملاقات اتفاقاً ہوتی اس کے خیال میں اتنی ہی غیر رسمی بھی ٹھہرتی۔ یہ خیال ابھی اس کے دماغ میں کوندا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ شاہ نواز صاحب کی بیٹی اور اس کی منکوحہ اس نکاح کے لیے رضامند نہیں تھی۔ وہ قدرے منتشر

ہیں ۔صبر بہت دور چلا جاتا ہے۔

صمیم پھٹی آنکھوں سے ماں کے بے جان وجود کو دیکھ رہا تھا۔صحن میں چاندنیاں بچھ گئی تھیں ۔لوگوں کا ہجوم سا اُمڈا ہوا تھا۔امی جان کی آخری رسومات کی ادائیگیاں ہورہی تھیں ۔صمیم مفلوج دل ودماغ کے ساتھ سب کام نمٹاتا جارہا تھا۔کئی دن بیت گئے پھرسب اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہو گئے ۔

امی جان کی وفات کودس دن بیت گئے تھے وہ بھی آج بڑے دنوں بعد یونیورسٹی گیا تھا۔

اور پھر وہیں اسے شاہ نواز صاحب کی کال موصول ہوئی تھی ۔ وہ اس کے ساتھ ہر پل رہے تھے اسے صبر، دلاسہ ،حوصلہ دیتے رہے ۔خود کواس کا بزرگ بیان کرتے ہوئے ۔

زندگی رک نہیں جاتی جانے والوں کی جگہ اور رشتے مل جاتے ہیں مگران کی کمی کوکوئی پورا نہیں کرسکتا۔

ہاں زندگی میں نشیب وفراز تو آتے ہیں ۔اس کی زندگی سے ایک فرد کم ہوا تھا۔اس کی کمی کوئی ہرگز پورا نہیں کرسکتا تھا مگراس کی زندگی میں تین افراد شامل بھی تو ہوئے تھے ۔

آج صمیم کوان کا خیال آ ہی گیا تھا۔

''آج حبہ کی پھپھو بمع فیملی رات تک پاکستان پہنچ جائیں گی ۔ بیٹا فارغ ہوتو چکر لگالو گھر کا۔'' شاہ نواز صاحب نے پرشفقت انداز میں کہا تھا۔

اسے بھی تھوڑی شرمندگی نے گھیرلیا۔

نکاح کے بعد اس نے پلٹ کران کی خبر نہیں لی تھی مگراس میں اس کا بھی کیا قصور تھا۔اسی دن تو امی جان اسے چھوڑ گئی تھیں ۔

وہ خود کے دل کو دلائل سے مطمئن کرنے میں جت گیا اور پھر بیس منٹ کے بعد وہ شاہ نواز صاحب کے گھر کے ڈرائنگ روم میں تھا۔

شاہ نواز صاحب وہیں لاؤنج میں بیٹھے تھے ۔صمیم کے منتظر۔

''السلام علیکم سر!'' صمیم نے سلام کیا اور وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''وعلیکم السلام!مجھے زیادہ اچھا محسوس ہوگا اگرتم انکل کہو۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے ہلکی خفگی سے جواب دیا۔صمیم بھی آج کئی دنوں بعد یونیورسٹی گیا تھا تو آج خود کو تھوڑا تازہ دم محسوس کررہا تھا۔اس نے ان کی مسکراہٹ کا جواب مسکرا کر دیا۔

''کیسے ہیں انکل؟'' اس نے ان کا گلہ دور کرنے کی بھرپور کوشش کی ۔

بلاشبہ صمیم ان کا بہت مشکور تھا۔شاہ نواز صاحب بے اختیار کھل کر مسکرائے تھے ۔پھر کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ ایک منٹ کہہ کراٹھ گئے اورواقعی جب وہ ایک منٹ کے بعد ہی واپس آئے توان کے ساتھ دو ننھی پریاں تھیں ۔

وہ کوئی تین سال کے لگ بھگ دوچھوٹی بچیاں تھیں ۔بے حد معصوم شکل اور بے حد تیز باڈی لینگویج۔

وہ دونوں جڑواں تھیں ۔کمرتک آتے سلکی بال دونوں کے پونی ٹیلز میں بندھے تھے ۔جینز اور پیاری پیاری ٹی شرٹس میں ملبوس۔مسکراتے ہوئے وہ صمیم کی طرف بڑھی تھیں ۔

''وہ رہے آپ کے فادر۔'' شاہ نواز صاحب نے صمیم کی طرف اشارہ کیا تو صمیم کے احساسات عجیب سے ہو گئے ۔

اچانک وہ کافی حیرت میں بھی تھا شاید اسے صدمے کا نام دیا جانا زیادہ بہتر ہو۔

اچانک سے ایک اور احساس اس پر حاوی ہونے لگا اور پھر اسے بھی نہیں پتا چلا کہ وہ پیچھے رہ جانے والے نفوس کے تاثرات کی پرواہ کیے بغیر کیوں تیزی سے باہر نکلا تھا۔

☆......☆

پھپھو اور ان کی فیملی رات کافی دیر سے پہنچی تھی۔ صیم دوپہر سے گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

شاہ نواز صاحب کو پتا چلا تھا کہ مہمان رات گئے آنے والے ہیں لہٰذا انہوں نے بھی صیم کو پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔

گھر میں گھستے ہی مہمانوں نے جہاز میں ہی کھانا کھا لینے اور تھکے ہونے کے ایکسکیوز کیے اور گیسٹ روم میں جا گھسے۔

شاہ نواز صاحب نے اپنی نگرانی میں ملازموں سے سب کام کروایا۔ انہیں اب عادت ہوگئی تھی سب ذمہ داریاں نبھانے کی اور پھر اوپر خود بھی سونے کے لیے کمرے میں چلے گئے۔

☆......☆

اس نے حبہ نور کو پہلی دفعہ یونیورسٹی میں دیکھا تھا۔ وہ شایان کے ساتھ ہر جگہ پائی جاتی تھی وہ تھرڈ ایئر میں تھا پہلا سمسٹر۔ اور حبہ اور کاشان فائنل ایئر کے لاسٹ سمسٹر میں۔ وہ اسے کبھی نہ دیکھتا یا جان پاتا اور نہ اب تک یاد رکھتا اگر وہ بہت سوشل اور فیمس نہ ہوتی۔

اگر اس کا اور شایان کا کپل ہاٹ ترین نہ سمجھا جاتا اور ان کی دھواں دار پریم کہانی ہر کسی کو ازبر نہ ہوتی۔

اسے اس کی کمرے میں لگی زندگی سے بھرپور تصویر یاد آرہی تھی اور پھر واش روم سے باہر آتی وہ خود جانے کیوں وہ اپنے گھر کے کمرے میں لیٹا بہت اضطراب میں مبتلا تھا۔

وہ مجسم زندگی تھی تو جب اسے حقیقت میں دیکھا تو وہ مجسم اداسیاں لگی تھی۔ اجڑی، بے رونق ایک زندگی کے زوال پر اس کا دل دکھ سے لبریز تھا۔ جانے کیوں؟

کچھ سال پیچھے چلتے ہیں۔ ان دنوں وہ بہت نوعمر تھا۔ اس کا دل تھوڑا بہت کچھ نہ کچھ یونیورسٹی کی سوشل، ہاٹ لڑکی سے متاثر ضرور ہوا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے مشہور ہونے میں اس کی ایک عدد لو اسٹوری کا بڑا ہاتھ ہے۔

شاید وہ اسے یاد نہیں رہتی اگر ان دنوں اس کا دل اس سے کچھ متاثر نہ ہوتا تو۔ اور اس کا دل کیوں متاثر ہوا تھا اسے بھی نہیں معلوم تھا۔

وہ اس سے بہت سینئر تھی اور شایان کے ساتھ جوڑی بھی فٹ تھی اس کی مگر وہ پھر بھی اس کے دل کو اچھی لگتی تھی اور اس نے اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دیا تھا۔

شایان اور حبہ بھی اس یونیورسٹی سے چلے گئے۔ وہ ان کے بارے میں نہیں جانتا تھا کہ کہاں گئے۔

کیونکہ وہ بس اس کے دل کو اچھی لگی تھی اور بس۔ اس سے زیادہ وہ ان کی زندگیوں میں اس نے کوئی دلچسپی نہیں رکھی تھی۔

اس کی زندگی بھی کبھی دھوپ کے مانند گرم ہوتی تو کبھی چاندنی کی طرح پرلطیف۔

اور آج اس کا دل اس کے لیے اتنا دکھی کیوں ہوگیا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



ذہن کی ایک ڈسٹرب لڑکی ہے مگر جس صورت حال سے بچنے کے لیے اور جس مقصد کے تحت وہ رشتہ جوڑا گیا تھا کم از کم اس مقصد تک کے لیے اسے اپنی خدمات پیش کرنی ہی تھیں۔ اسے خود کو ایک نارمل فیملی ہی پوز کرنا تھا اور ضروری تھا کہ وہ خود ہی اس سلسلے میں حبہ سے بات کرتا۔

جس قدر بے بسی کا اظہار شاہ نواز صاحب اس کے سامنے کر چکے تھے اس کا دل جوان کے احسانات تلے خود کو دبا ہوا محسوس کرتا خود بخود ہی پسیج گیا تھا۔

وہ اسے اگر اپنا بیٹا مانتے تھے تو اسے بھی ان کی مدد کرنی چاہیے تھی۔

فطرتاً وہ ایک اچھے دل کا انسان تھا۔

''ہری اپ ڈیڈ۔'' عینا اور ریشا سیڑھیاں چڑھ کر سیکنڈ فلور پر پہنچیں اب اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

صیم سر جھٹکتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

وہ دونوں اب بائیں جانب کوریڈور میں اچھلتی کودتی جا رہی تھیں اور پھر ایک دروازے کے سامنے جا کر رک گئیں۔

دروازہ نیم وا تھا اور وہ چھوٹی بلبلیاں اندر گھس گئیں۔ صیم کچھ لمحے گزرنے تک دروازے کے سامنے پہنچ چکا تھا اور قدرے جھجک رہا تھا۔ شاید اس انتظار میں کہ کوئی اسے اندر بلائے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور کمرے میں سے عینا اور ریشا کی ماما ماما کی آوازیں آ رہی تھیں۔

وہ وہاں ایستادہ جس حد تک اندر دیکھ سکتا تھا اس کے مطابق ان ننھی چڑیوں اور ان کی چہکار کے علاوہ اندر نہ کوئی آواز تھی اور نہ کوئی وجود۔ حبہ یقیناً وہاں نہیں تھی۔

وہ تینوں سمجھ گئے تھے واش روم کے بند دروازے اور اندر سے گرتے پانی کی آواز سے۔

صیم تھوڑا ایکسپوز کرتے ہوئے اندر داخل ہوا اور پھر اس کی نظر دائیں دیوار پر لگی بڑے فریم کی ایک تصویر پر پڑی تھی۔

کچھ لمحے سرکے تھے۔ اس کی پلکیں جنبش بھول گئیں تھیں، آنکھوں میں شناسائی ابھرنے لگی۔ کچھ یادیں، کہانیاں ذہن پر تروتازہ ہونے لگیں۔

''حبہ نور۔'' بے اختیاری میں ایک نام نکلا۔ وہ ناقابل فراموش چہرہ تھا اور اس چہرے پر رقم زندگی۔ اور وہ تازہ سی مسکراہٹ اور پھر وہ من موہنے گالوں کے گڑھے وہ حبہ نور ہی تھی۔ ایک فریم میں مقید۔

واش روم کا دروازہ کھلا تھا اور وہ خیالوں سے چونکا تھا۔ باہر آنے والا انسوانی وجود بھی کسی قدر حیرت میں تھا۔

آف وائٹ سادہ سوٹ میں ملبوس، تولیہ ہاتھ میں پکڑے، گیلے بال، ویران آنکھیں، پھیکا رنگ ویرانیاں سی ویرانیاں۔ وہ بہت بدل گئی تھی۔

ست بے جان سی آنکھوں میں حیرت لیے کھڑی کوئی مجسمہ اداسیوں کا پیکر۔

صیم جانتا تھا کہ وہ اس سے ناآشنا ہے مگر ان کے اب کے رشتے کو مدنظر رکھ کر دیکھا جاتا تو وہ دونوں ایک دوسرے کو جان رہے تھے۔ حبہ سمجھ رہی تھی کہ وہ آنے والا انسان کون ہے۔ مگر اس کے دل سے اس وقت کوئی جذبات نہیں امڈے تھے۔ خالی آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا آنا غیر متوقع تھا اور اس کا ذہن بھی بہت خالی سا تھا۔ وہ سمجھ نہیں رہی تھی کہ وہ کیا ردعمل ظاہر کرے۔

اور صیم..... وہ اس وقت جو احساس شدت سے محسوس کر رہا تھا وہ دکھ کا احساس تھا۔ وہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ

تائید چاہی۔

''آف کورس مائی ڈول۔''صیم نے پیار سے جواب دیا۔

''بٹ ڈیڈ! میں زیادہ کیوٹ ہوں۔''یشا نے منہ بسورا۔ یشا کے منہ بسورنے پر سبھی دل کھول کر ہنسے تھے۔ صیم نے بے اختیار اس کا گلابی گال چوما۔

سفید اور آسمانی رنگ کی فراکیں زیب تن کیے، لمبے سیاہ بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھیں۔

''یس آپ سب فرینڈز بہت کیوٹ ہیں۔''صیم نے متبسم انداز اختیار کیا۔

نوشین پھپھو اب پھر سے حبہ کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔

''نوشی! کچھ دیر پہلے تک تو اسے ٹمپریچر تھا۔ زیادہ محبت جوش مار رہی ہے تو اب روم تک جا کر مل بھی آؤ۔'' شاہ نواز صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ دراصل انہوں نے نوشین پھپھو کی بات کی ہی تائید کی تھی جو حبہ سے اس کے کمرے میں جا کر ملنے کی خواہش ظاہر کر رہی تھیں۔

شاہ نواز صاحب نے صیم کو اشارہ کیا تھا اور وہ جو ناشتا مکمل کر چکا تھا اٹھ کھڑا ہوا۔

نوشین پھپھو پہلے ہی کھڑی ہو گئی تھیں۔ وہ انہیں لے کر حبہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ یشا اور علینا بھی اس کے دائیں بائیں ہو لیں۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ بیڈ پر قدرے سمٹی لیٹی ہوئی تھی۔ دایاں بازو آنکھوں پر رکھے۔ کھٹکے پر اس نے بازو آنکھوں سے ہٹایا تھا۔ اجڑی ویران صورت، ابر قدرے پھیکی رنگت، بجھی ہوئی آنکھیں۔ شاہ نواز صاحب بھی ساتھ ہی آن کھڑے ہوئے۔

''او حبہ میری بچی! کیا حالت بنا رکھی ہے۔'' پھپھو کے دل کو واقعی کچھ ہوا تھا۔ جو بھی تھا وہ ان کی بھتیجی تھی۔ ان کے اکلوتے بھائی کی اکلوتی بیٹی۔

''صائم میاں! خیال نہیں رکھتے میری بیٹی کا؟'' پھپھو نے رخ اس کی طرف موڑا تو وہ قصداً مسکرایا۔

''ایسی بات نہیں آنٹی! انہیں کچھ دنوں سے بخار رہا ہے۔ شاید کافی عرصے بعد واپس آئی ہیں تو اس لیے آب وہوا کے فرق کو زیادہ ہی فیل کر لیا۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں وضاحتیں دینے لگا۔

پھپھو نے اس کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور شاہ نواز صاحب کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''بخار ہو گیا تھا بچی کو تو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاتے کیسے ڈل ہوئی ہے۔ لگتی ہی نہیں کہ یہ ہماری حبہ ہی ہے۔''

''او ہو نوشین! ڈاکٹر نے بھی یہی کہا ہے آب وہوا کا فرق ہے۔ فکر کی ضرورت نہیں۔''

شاہ نواز صاحب کا انداز انہیں تسلی دینے والا تھا۔ پھپھو اب حبہ کے بستر کے بالکل پاس پہنچ گئی تھیں۔

''کیسی ہے میری بچی؟''

حبہ نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔ پھپھو کچھ منٹ ٹھہر کر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد کمرے سے چلی گئیں۔ شاہ نواز صاحب بھی ساتھ ہی باہر نکل گئے۔

صیم وہیں کھڑا تھا وہ کچھ سوچتے ہوئے اس کے بستر تک آیا۔

''اب کیا فیل کر رہی ہیں آپ؟'' حبہ نے اس کے نرم لہجے کے جواب میں اسے خشک نظروں سے دیکھا یا پھر صیم کو یہی محسوس ہوا۔

کچھ دیر وہ منتظر نظروں سے کھڑا دیکھتا رہا مگر جواب ندارد، وہ اس کی ذہنی حالت سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تبھی

شاید اس نے ایک زندگی کا زوال دیکھا تھا۔
صمیم کو رہ رہ کر اس کی ویران، اداس صورت یاد آ رہی تھی۔ وہ حیرت زدہ وجود قدرے سہا ہوا اعتماد سے عاری۔
اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔
اور وہ رات صمیم کی زندگی کی بوجھل ترین راتوں میں اپنا شمار کروا بیٹھی تھی۔ رات ڈھلنی ہی تھی اور ڈھل گئی۔

☆......☆

سورج کے طلوع ہوتے ہی شاہ نواز ہاؤس کے لاؤنج میں دو ننھی چڑیوں کی چہکار پھیلی تھی۔ اور پھر دوپہر ہونے کو تھی جب مہمانوں کی بیداری کا سلسلہ شروع ہوا۔ صمیم کچھ دیر پہلے ہی پہنچا تھا اور اس وقت شاہ نواز صاحب کے ساتھ لاؤنج میں ہی بیٹھا تھا۔ اسے صبح سویرے ہی شاہ نواز صاحب کی کال موصول ہوئی تھی۔ عیشا اور عینا اس وقت صمیم کے گرد منڈلا رہی تھیں۔
شاہ نواز صاحب جانتے تھے کہ حبہ کس قدر آدم بیزار ہو چکی ہے مگر وہ اپنے اس مصلحت کے تحت بولے گئے جھوٹ میں پھنس کر رہ گئے تھے اور اسے چلانے کے لیے انہیں جانے کیا کیا جتن کرنا پڑ رہے تھے۔
بارہ بجے کے قریب ناشتا تیار تھا اور پھر وہیں صمیم کی ملاقات پھپھو کی فیملی سے ہوئی تھی۔ صمیم تھوڑی جھجک کا شکار تھا مگر شاہ نواز صاحب نے اسے کم گو کہتے ہوئے اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔
پھپھو کے دو بیٹے، ایک بہو اور وہ خود۔ ایک عدد چھوٹے پیارے سے بے بی بوائے کے ساتھ آئے تھے۔ سعد وزاریہ کا بیٹا۔
یہ سعد وہی تھا جس کے ساتھ حبہ کا رشتہ طے تھا۔
وہ دل ہی دل میں صمیم کو دیکھ کر قدرتی طور پر ہی جلن کا شکار ضرور ہوا تھا۔
''اف! اتنا ہینڈسم انسان۔ بالکل بھی دو بیٹیوں کا باپ نہیں لگ رہا۔''
وہ مسکرانے کی کوشش کے دوران مسلسل سوچ رہا تھا۔ پھپھو دنیا جہان کے راز و نیاز بھائی سے کرنے میں مشغول تھیں۔
صمیم انہیں کمپنی دینے کی اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔ سعد کا بیٹا بھی تقریباً عیشا لوگوں کا ہم عمر تھا۔
شاہ نواز صاحب بہت پہلے حبہ کے حوالے سے معذرت کر چکے تھے۔
''بھئی نوشین (بہن) حبہ بی کو پچھلے کچھ دنوں سے کافی بخار ہے۔ بھئی پاکستان حال ہی میں تو آئی تھی اور یہاں کی آب و ہوا نے الٹا ہی اثر کر ڈالا۔ ابھی سو رہی ہے۔ آپ کے لیے ہی تو آئی ہے اسپیشل آسٹریلیا سے۔ بہت ایکسائیٹڈ تھی ملنے کو۔''
انہوں نے کئی دفعہ کے رٹے رٹائے جملوں کو بولا تھا۔
اف! ایک جھوٹ چھپانے کی کوشش خاصی مشکل پڑ گئی تھی ان پر تو۔
اور نوشین پھپھو بھی یہ سوچ رہی تھیں کہ شاید شادی اور وقت گزرنے نے حبہ کے ذہن و دل پر کوئی اثر ڈالا ہو اور بھتیجی بھی پھپھو کے آنے کا سن کر ایکسائیٹڈ ہوئی ہو۔ ورنہ انہوں نے تو کبھی زندگی میں حبہ کی طرف سے کوئی گرم جوشی محسوس نہیں کی تھی۔ ناشتے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو ساتھ رہی تھی۔ عیشا اور عینا کی چہکاریں۔ وہ بات بات میں صمیم کو گھسیٹ رہی تھیں۔
''ڈیڈ! ہمارا نیو فرینڈ کیوٹ ہے ناں؟'' عینا نے اس گپلو سے بے بی بوائے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

حبہ کو واقعی کسی ماہرِ نفسیات کی ضرورت تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھایا تھا۔
وہ پھر سے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ صمیم نے حیرت سے اسے دیکھا۔
''میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ سب کو میری فکر کی ضرورت نہیں۔''
صمیم نے اتنے دنوں میں اسے پہلی بار بولتے دیکھا تھا مگر بہت چپ رہنے کی وجہ سے وہ بولنا بھولتی جارہی تھی۔ کمزور سا لہجہ۔
صمیم جی بھر کر زچ ہوا تھا۔ پتا نہیں کیوں۔ وہ ہلکا سا جھنجھلایا۔
''آپ پلیز خود پر تھوڑا رحم کریں اور اپنے سے وابستہ تمام لوگوں پر بھی۔'' اس کے لہجے میں خود بخود ہی منت آن سمائی تھی۔
''آپ کیوں اتنی آدم بیزار ہو، سب چاہتے ہیں کہ آپ پہلے کی طرح جیو۔'' وہ اسے سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔
''دکھوں کے سائے گہرے ہونے لگیں تو زندگی کے غروب ہونے کی خواہش خود بخود ہی شدت اختیار کرتی جاتی ہے۔'' وہ قدرے کھوئی سی، مدھم لہجے میں بولی تھی۔
صمیم کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ اس نے بے اختیار حبہ کی طرف دیکھا اور پھر کتنے ہی لمحے خاموشی میں بیت گئے تھے۔
''میں نے خود سے وعدہ کیا ہے کہ میں آپ کو پہلے کی طرح کردوں۔'' حبہ چونکی تھی۔

☆......☆

''جب میں نے آپ کو پہلی دفعہ دیکھا تھا تو آپ دل کو بہت اچھی لگی تھیں۔ تب آپ کے زندگی سے بھرپور چہرے پر جو تازگی تھی وہ اب معدوم ہے۔ میں پھر سے وہی لانا چاہتا ہوں۔ آپ کی اتنی روشن آنکھیں یاد پتا نہیں۔ میں بتا نہیں پا رہا۔ بس میرا دل آپ کو ویسا ہی دیکھنے کا متمنی ہے۔ بجھی آنکھوں کے لیے جگنوؤں کی تلاش ہے مجھے۔ بس پلیز آپ میری ہیلپ کریں۔'' صمیم نے اچانک سے کہا تھا۔
''پلیز بس آج مل لیں آپ۔'' اس نے منت کی تھی۔
اور پھر سائیکاٹرسٹ کے ساتھ اس کا پہلا سیشن ہوگیا تھا۔ ایک ہفتے بعد اگلا سیشن تھا اور میڈیسنز بھی دی گئی تھیں کچھ۔
صمیم نے نوٹ کیا تھا حبہ میں تھوڑا فرق۔ وہ اب اس کی باتوں کے جواب میں ہوں ہاں کا جواب دینے لگی تھی۔

☆......☆

انہی دنوں صمیم کو شاہ نواز صاحب کی معاونت میں ایک فلم کی آفر ہوئی تھی۔ سو اس نے کام کی ہامی بھر لی۔
شاہ نواز صاحب نے اسے خود ہامی بھرنے کو کہا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار اور مخلص انسان تھے تو صمیم ان کی بات ٹال ہی نہیں سکتا تھا اور اس کے علاوہ اسے خود ذاتی طور پر بھی اسکرپٹ پسند آیا تھا۔
شوٹنگ کا آغاز آج کل میں ہی ہونے کو تھا مگر اس کا لاسٹ سمیسٹر چل رہا تھا۔ فلم کا دیگر کام شروع ہوچکا تھا۔
وہ ابھی شاہ نواز صاحب کے آفس سے آیا تھا اور سیدھا صاحبہ کے کمرے میں گیا تھا۔ شاہ نواز صاحب صمیم کے اس قدر خلوص کو دیکھ کر اس کے بے حد ممنون تھے۔

برا منائے بغیر بات کا آغاز کیا۔
"دیکھیں آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ آپ کے والد آپ کی وجہ سے کتنے پریشان ہیں بات جو بھی ہے میں اس کا ذکر بے وجہ سمجھوں گا مگر آپ کو اپنی بیٹیوں اور فادر کا تھوڑا خیال کرنا چاہیے۔ وہ آپ کو لے کر کس قدر اپ سیٹ ہیں۔" اس کا انداز اسے سمجھانے والا تھا۔
حبہ خالی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ صیم کو یہی لگا شاید وہ کچھ کہنا بھی چاہتی تھی۔
صیم نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ بے شک وہ رحم دل انسان تھا مگر اتنا بھی نہیں۔
مگر اس کے لیے وہ دل سے ہمدردی محسوس کرتا تھا۔
"آپ کو تھوڑی بہت کوشش تو کرنی چاہیے کم از کم۔" وہ پھر سے اسے سمجھانے لگا۔ حبہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"خود کو نارمل کرنے کی یار زندگی ختم تھوڑی ہو جاتی ہے مگر آپ خود کے ساتھ ساتھ سب پر ظلم کر رہی ہیں۔"
اس نے دانستہ ہلکا پھلکا انداز اپنایا تھا۔
"ڈنر میں آپ سب کے ساتھ بیٹھیں گی۔ آدم بے زار نہ بنیں۔" اس نے دوستانہ ڈھاک بٹھائی۔
مگر شاید اس کے جواب میں فی الوقت خاموشی ہی سننے کو لکھی تھی۔ وہ ذرا برے سے موڈ کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔ چھوٹی فیملی کمرے میں ہی حبہ سے ہیلو ہائے کر گئی تھی۔
"سعد! حبہ تھوڑا ابنارمل ری ایکٹ نہیں کر رہی؟" زارا نے کوریڈور میں جاتے ہوئے باآواز بلند سرگوشی کی تھی جو صیم کے کانوں نے ضرور سنی تھی اور پھر تھوڑی سوچ بچار کے بعد اس نے ایک راستہ نکالا تھا اور پھر ابھی شام ہی وہ حبہ کے کمرے میں گیا۔ اس کے کہنے کے باوجود بھی وہ پچھلے دن ڈنر کے لیے نہیں گئی تھی پھپھو بمعہ اہل وعیال پندرہ دنوں کے لیے کراچی چلی گئیں۔
وہ ہمیشہ کی طرح اداس آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی۔ ہلکے کھٹکے پر بازو ہٹا دیئے۔ اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔
"ڈونٹ مائنڈ یار! مجھے آپ کی ٹریٹمنٹ کے لیے سائیکاٹرسٹ سے اپائنمنٹ کی ضرورت تھی اور اب وہ اپائنمنٹ کل صبح ہے۔ مجھے آپ کو ساتھ لے جانا ہی ہوگا۔ بے شک آپ نہ جانا چاہیں پھر بھی۔" وہ بہت نرم اور دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ حبہ کی آنکھوں میں تعجب آیا تھا اور وہ مسکرا دیا اور پھر اگلی صبح وہ اس کے کمرے میں گھسا اسے جلدی اٹھنے کا کہہ رہا تھا۔ کچھ دیر تک جب اس نے اپنی بات کا اثر نہ ہوتے دیکھا تو پھر سے کرسی کھینچ کر اس کے بیڈ کے قریب بیٹھ گیا۔
"کیا مسئلہ ہے۔ آپ ٹھیک ہونا نہیں چاہتیں؟" وہ جیسے بے بسی سے بولا تھا۔ وہ کتنے دنوں سے بے کار کی کوششوں میں مصروف تھا مگر اس دل کا کیا کرتا جو اسے ہر حال میں بالکل ویسا دیکھنے کا خواہش مند تھا جیسا پہلے دیکھ چکا تھا۔
اف اس کی وہ صورت...... وہ ایویں نہیں متاثر ہو گیا تھا۔ کچھ تو تھا اس میں مگر اب تو بہت کچھ بدل چکا تھا۔
وہ کسی جادو کی چھڑی سے سب پہلے کی طرح کر دینا چاہتا تھا۔
اس نے خود سے وعدہ کیا تھا وہ اسے پہلے کی طرح ہو جانے میں مدد دے گا۔ وہ بھرپور کوشش کرے گا۔

پھیکے، بے رونق بال اور اجڑی سی حالت اس کے دو بیشن ہو چکے تھے مگر اس میں صرف یہ فرق آیا تھا کہ وہ کچھ بولنے لگ گئی تھی۔ چلنے پھرنے لگ گئی تھی۔ کمرے کے باہر کی دنیا سے بھی روشناس ہونے لگی تھی۔

خیر! یہ بھی بہت تھا۔

صیم کی طویل خاموشی پر وہ پھر سے بولی تھی۔

''تم نے سنا میں نے کچھ پوچھا ہے۔'' وہ الجھ کر بولی۔

صیم کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑی تھی۔

''That's good.''

وہ اس سے سوال کر رہی تھی۔ اسے بہت خوشی ہوئی۔

''یہ مجھے خود بھی نہیں پتا۔'' وہ اب کھل کر مسکرا رہا تھا۔

حبہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

''اچھا آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی تب بتاؤں گا، پرامس۔'' وہ اس کے خفا تاثرات سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

حبہ اس کے لہجے کی شرارت کو محسوس کر رہی تھی۔ اس نے متاثر ہوئے بغیر خفگی سے منہ موڑا۔ صیم کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

''اوہو آپ تو ناراض ہو گئیں۔'' صیم اس کے منہ موڑنے پر بولا تھا۔

تبھی ییشا اور عینا بھاگتی ہوئی آئی تھیں۔ سفید نیکر اور پرانکرز اور سلیوز لیس زرد اور نارنجی شرٹس پہنے لمبے بالوں کی پونی ٹیل بنائے۔ وہ چلتی پھرتی گڑیا تھیں۔

حبہ کے بال بھی ان کی طرح ہی ہوا کرتے تھے کسی زمانے میں۔ اسے یاد ہو نہ ہو صیم کو یاد تھا۔

''ڈیڈا! آپ کیا ماما کو بڑی مما بنائے رکھتے ہیں۔ آپ...... آپ تہیہ کرلیں ہم تو انہیں ان کے نیم سے کال کرتے ہیں فرینکلی۔'' عینا نے منہ بسورا تھا۔

صیم نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔ اسے کم از کم اس بات کی ان سے توقع نہیں تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور کراری سی بات کہتی اس نے تائیداً سر ہلایا تھا۔

''اوہ رائٹ! آپ کی مما تو بہت کیوٹ ڈول ہیں۔ میں فضول میں انہیں گرینڈ ماما بنائے رکھتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ وہ ابھی کچھ اور بھی بولنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر عینا اسے ٹوک چکی تھی۔

''اوہ کم آن ڈیڈا اب ہمیں آپ گرینڈ ماما بنا رہے ہیں۔'' صیم نے بے اختیار اپنا سر پیٹا تھا۔ حبہ بھی مسکرائی تھی اور ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا جب وہ مسکرائی تھی۔

صیم کے ساتھ ساتھ ییشا اور عینا نے بھی اسے چونک کر دیکھا تھا۔ ان کی حیران نظروں کے جواب میں اس کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

''مما! آپ کی اسمائل بہت اچھی ہے۔ آپ کیا کریں نا اسمائل۔'' ییشا نے پراشتیاق لہجے میں کہا تھا۔ حبہ کے دل پر اس کی بات نے اثر کیا تھا۔

اور پھر شاید واپسی کا سفر شروع ہوا چاہتا تھا۔ شاید محنتوں کے ثمر ملنے والے تھے اور شاید سب ٹھیک ہونے جا رہا تھا۔

حبہ کھڑکی میں کھڑی لان کا نظارہ کر رہی تھی۔ سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ شام اترنے کو بے تاب تھی۔ ''چلو شکر ہے اس میں بھی تھوڑی تبدیلی آئی۔'' اس نے اسے پہلی دفعہ یوں بستر کے علاوہ کہیں اور دیکھ کر بے اختیار سوچا تھا۔

''ہیلو گڈ ایوننگ۔'' صیم اس کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔ حبہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک فرق ضرور آیا تھا کہ اس دفعہ اس کی آنکھوں میں بیگانگی خالی پن اور اجنبیت کا احساس زوال پذیر ہوا تھا۔ صیم کو اس کی آنکھوں میں شناسائی کا جو جذبہ نظر آیا تھا وہ اسے تھوڑا خوش کرنے کو کافی تھا۔

وہ مثبت اثرات دیکھ رہا تھا۔

سائیکاٹرسٹ کے بقول وہ پچھلے کچھ عرصے سے صدمہ کے زیر اثر رہی ہے اور اسی حالت کے زیر اثر اس میں اداسی کے علاوہ اور کوئی جذبہ نہیں اٹھتا۔ اس صدمے کی بدولت اس کے دل و دماغ پر کافی گہرے منفی اثرات مرتب ہو گئے تھے۔

وہ زندگی سے بھاگنے لگی تھی۔ تنہائی کا شکار ہوتی گئی۔ اس کی ہر شے سے دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ خود سے اپنی اولاد سے۔ اب کا باپ کیا کچھ کرتا پھر رہا تھا اس کے لیے اسے اس سب سے دلچسپی نہیں تھی۔

وہ کافی حد تک ایبنارمل ہو گئی تھی۔ شاہ نواز صاحب نے اسے آخری اور پہلی دفعہ تب ہی روتے ہوئے سنا تھا جب اس نے یہاں آنے سے پہلے انہیں روتے ہوئے فون کیا تھا۔ تب وہ شاید دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور پھر کلینک سے لے کر اب تک انہوں نے اسے بس خاموش دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ ہر بات کے جواب میں چپ رہتی تھی۔ بہت کم ہوں ہاں میں جواب دیتی۔

ہمیشہ کمرے میں بند رہتی۔ بیٹا اور عینا کی پیدائش نے بھی اس پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ شاہ نواز صاحب خود اس کے دکھ میں گھل رہے تھے۔ انہوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا پھر اس کے ڈاکٹر نے بھی صیم کو یہی کہا تھا کہ وہ جس صدمے کے زیر اثر ہے اگر وہ اسے شیئر کرے تو اس کا بوجھ کسی حد تک کم ہو جائے گا۔ اس کی ریکوری کے چانسز بڑھ سکتے تھے۔

صیم کا حبہ کے ساتھ بہت نرم اور دوستانہ رویہ تھا۔ گو کہ وہ زیادہ تر چپ ہی رہتی تھی مگر وہ ہمیشہ بولتا رہتا۔ اسے بھی بولنے پر مجبور کرتا۔ شام میں واک کے لیے ساتھ کھینچ لاتا۔ اس کے کھانے پینے میڈیسن کا خیال کرتا۔

ڈاکٹر کے بقول حبہ کو بہت زیادہ توجہ کی ضرورت تھی۔ اگر یہی توجہ بروقت مل جاتی تو وہ اس حد تک سخت قسم کے احساس کا شکار نہ ہوتی۔

پھپھو اور ان کی فیملی پندرہ دن شادی میں گزارنے کے بعد نادرن ایریاز کی سیر کو نکل گئے تھے۔ ویسے بھی وہ یہاں آئے تو گھومنے پھرنے ہی تھے۔

چلو پھپھو کی وجہ سے ہی سہی۔ صائم شیراز کا حبہ نور کی زندگی میں آنا واقعی حبہ کے لیے مبارک ٹھہرا تھا۔

''تم یہ میرے لیے اتنا کیوں کر رہے ہو؟'' شام کی واک کے دوران حبہ نے الجھ کر صیم سے پوچھا۔ وہ بہت کم نہ بولنے کے برابر بولتی تھی۔

اور آج اس نے خود سے سوال کیا تھا۔ صیم بھی چلتے چلتے رک گیا۔

وہ ایک اکیس بائیس سالہ پیارا سا لڑکا تھا اور وہ گو کہ پچیس چھبیس کی ہی تھی مگر ویرانی، سادگی اور عجیب سی بے زاریت جو اس کی پر چھائی ہوئی تھی اسے کافی عمر کی ظاہر کر رہی تھی۔

پہلے تھی۔

دودھیا رنگت اور اس کے گالوں کے گہرے گڑھے وہ ہلکا سا بھی مسکراتی تو وہ واضح ہوتے تھے۔ اس کی دلکشی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے اس کی زندگی سے بھرپور جھلک دیکھی تھی اور پھر اس زندگی کا زوال۔ آج وہ اس زندگی کو امر کر دینے پر بہت خوش تھا۔

صائم کی بے قرار نظریں بھٹک بھٹک کر اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور دل مچلتا ہی جا رہا تھا۔ اس کے گالوں کے گڑھے جو اس کی دلکشی میں اضافہ کرتے، اچانک سے انہیں چھونے کی خواہش پیدا ہوئی تھی مگر وہ مسکراہٹ دباتا ہوا اس خواہش کو بھی دبا گیا اور پھر رات گہری ہونے لگی تھی۔ جب وہ واپسی کے لیے پلٹے۔

میشا اور عینا اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلی گئی تھیں اور حبہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر جانے لگی۔ صائم بھی اس کے ہمراہ ہوا۔

یہ معمول کے مطابق تھا۔ وہ اکثر رات گئے تک اس کے ساتھ رہتا تھا اور پھر گڈ نائٹ بول کر پلٹ آیا کرتا۔

جب سیکنڈ فلور پر پہنچ گئی تھی اور دائیں جانب اپنے کمرے کی طرف مڑی، صیم کے دل کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ اس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر اس کی کلائی پر جما تھا اور پھر ایک جھٹکے سے وہ اس کے سینے سے آن لگی تھی۔

وہ دبلی پتلی گڑیا سی۔ مگر وہ اسے بازوؤں کے گھیرے میں لیے سینے سے لگائے کوریڈور میں کھڑا تھا۔

صائم کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ پلکیں جھپکانا بھول چکا تھا اور پھر اس کے بازوؤں کا گھیرا تنگ ہونے لگا تھا۔

دھیرے دھیرے سے اس کے چہرے پر جھکنے لگا۔ حبہ کا دل بند ہونے کے قریب تھا۔ وہ وحشت زدہ ہوئی اور اچانک سے اس نے خود کو چھڑا لیا تھا۔ صیم بھی چونکا۔ وہ حیران نظروں سے حبہ کو دیکھنے لگا جو بھاگتے ہوئے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

☆......☆

میشا اور عینا کے اصرار پر صیم آج گھر آیا تھا۔ وہ دو دنوں سے وہاں نہیں گیا تھا۔ شوٹنگ کا بہانہ اس کی پرسوں کی دبئی کی فلائٹ بھی تھی۔ پھر نا جانے وہاں کتنے دن لگ جانے تھے۔

جب وہ گھر پہنچا تو وہ دونوں خود اسکول گئی ہوئی تھیں۔

صیم بار بار ان کے گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ جانے کیوں اس کا دل بہت برا ہوا تھا۔ حبہ اس کی غیر حاضری کی وجہ جانتی تھی مگر وہ اس کی کسی کال کا جواب بھی نہیں دیتا تھا۔ گو کہ اس نے صرف ایک کال کی تھی۔

اس کی گاڑی کو حبہ نے گیٹ سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ اس کے لیے اتنی مضطرب کیوں ہے۔

صیم نے شاہ نواز صاحب کو کہہ دیا تھا کہ وہ عینا اور میشا کو اسکول کے بعد اسٹوڈیو ہی لے آئیں۔ کیونکہ انہیں اس کا اسٹوڈیو دیکھنے کا بھی شوق تھا۔ وہ ان کی کوئی بات ٹال نہیں سکتا تھا۔ اسے ان دو چھوٹی پریوں سے اس قدر انسیت ہو گئی تھی اور جب وہ اسکول کے بعد وہاں آئی تو ڈیڈ ڈیڈ چلاتی ہوئی اس کے دائیں بائیں لپیٹ گئیں۔ وہ جھینپ گیا۔ سبھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

صیم اس کے بعد انہیں آئس کریم کھلانے لے گیا تھا اور پھر سے ان کا اصرار۔

''ڈیڈ! ہمیں گھر چھوڑ کر آئیں۔''

صیم آج بہت دنوں کے بعد اپنے گھر گیا تھا اور اس کی بہت سی یادیں تازہ ہو گئی تھیں۔ اگلے چند دنوں میں فلم کی شوٹنگ کے سلسلے میں دبئی جانے والے تھے اور پھر نہ جانے آگے کہاں کہاں مگر اسے وہاں تک کا پتا تھا۔
وہ صحن میں کھڑا کسی سوچ میں ہی تھا کہ بیرونی دروازہ کھول کر اندر آتی اور سیڑھیوں کی طرف رخ کیے جاتی سونیا کی اس پر نظر پڑی تو وہ اچانک رکی تھی۔
صیم کی بھی اس پر نظر پڑ گئی تھی۔ وہ استقبالیہ مسکراہٹ سجائے اس کی طرف بڑھا۔ سونیا بھی جواباً مسکرائی۔
''کیسی ہو ہمسائی؟'' وہ خوش دلی سے بولا۔
''شاید اب ہم ہمسائے نہیں ہیں۔'' وہ ناپ تول کر بولی۔
''کیوں نہیں؟'' اس کا وہی ضدی لہجہ۔
سونیا نے جواباً کندھے اچکائے۔ صیم کا بھی بحث کا موڈ نہیں تھا۔
''اچھا کیسی ہو؟''
''ہوں، بہت اچھی تم کیسے ہو؟ کافی مصروف ہو گئے۔'' اس نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔
''ہاں بس۔'' صیم بمشکل مسکرایا۔
آخری دنوں تک وہ لوگ کافی حد تک آپس میں بے تکلف ہو گئے تھے۔ جانے کیوں سونیا کو وہ شریر سا لڑکا اسے چھیڑتے ہوئے چپکے چپکے کیوں یاد آتا۔
وہ ہلکی پھلکی رسمی سی گفتگو کے بعد اسے گھر کی چابی دیتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھا تھا۔ سونیا کی اداس نظروں نے اس کے اوجھل ہونے تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆......☆

صیم کے یہ دن بہت مصروف گزر رہے تھے۔ اس کے لاسٹ سمسٹر کے فائنل ایگزیمز چل رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ باقی وقت میشا، عینا اور حبہ کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔
اب وہ بغیر کسی کا اصرار کروائے خود ہی میڈیسنز لینے لگ گئی تھی۔ وہ خود میں بھی دلچسپی لینا شروع ہو گئی تھی۔ وہ میشا اور عینا کو بھی ٹائم دیتی تھی۔ صیم نے اس کو کئی بار اپنی پسند سے شاپنگ کروائی تھی۔ وہ اسے گھمانے لے جاتا۔ غرض اس کی کوششیں رنگ لے ہی آئی تھیں۔
زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔ وہ اسے بس یہ ہی سکھا رہا تھا۔ اس کے چہرے کی رونق واپس آنے لگی تھی۔ وہ اب کبھی کبھار مسکرا بھی دیتی تھی۔
اور صیم......! وہ اس کا عادی ہو گیا تھا۔ دل اس کے لیے کچھ نرم جذبات پہلے ہی رکھتا تھا۔ وہ دل اب اور بھی اسیر ہو گیا تھا۔ وہ وجہ نہیں جانتا تھا۔
وہ بہت بدل گئی تھی۔ وہ ویسی ہی ہو گئی تھی جیسی صیم چاہتا تھا اور وہ اپنی اس کامیابی پر بہت مسرور تھا۔
اس دن اس کا لاسٹ پیپر تھا اور اس نے اس شام میشا اور عینا کو باہر گھمانے کا وعدہ کیا تھا۔
اس کی حبہ کے ساتھ بہت دوستی ہو گئی تھی۔ وہ اب اس سے بے تکلفی سے بات کرنے لگی تھی مگر بس یہ ہلکی پھلکی دوستی ہی چل رہی تھی۔
وہ ہلکے رنگ کی کرتی اور کیپری میں سلکی بالوں کی پونی ٹیل بنائے اس کے ہمراہ واک کر رہی تھی۔ میشا اور عینا آئس کریم کے ساتھ ساتھ پارک میں کھیلنے میں مصروف تھیں۔ کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی حبہ ہے جو کچھ ماہ

طور پر بے حد کوشش کی تھی مگر وہ اسے نارمل کرنے میں ناکام ٹھہرے۔
اور پھر صائم شیراز! وہ تو اسے حد سے زیادہ خود پر انحصار کرنے والا بنا گیا تھا۔ اس کے مردہ تن میں جان ڈالی تھی اور پھر اسے کسی ننھے منے بچے کی طرح سنبھالا تھا۔
یہ سچ ہے کہ محبتیں ختم نہیں ہو جاتیں۔ ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں، زندگی بھی ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ صمیم شیراز تھا جس نے اسے سمجھایا تھا۔
اس کی بے رونقی ختم ہو گئی تھی اس کے دل کا مردہ پن ختم ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے ناں کہ دل کا موسم باہر کے موسم سے ملتا ہے پر بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کا دل سنورنے لگا تھا اور وہ خود بھی سنور گئی تھی۔
اسے اچانک اپنے گرد موجود رشتوں کا احساس ہونے لگ گیا تھا۔ اس کی میشا اس کی عینا اس کے جگر کے دو ٹکڑے۔ اس نے تو کبھی انہیں چھوا تک نہیں تھا مگر اب اسے احساس ہوتا تھا کہ وہ ان سے کس حد تک ناانصافی برت چکی ہے۔
اور پھر اب کیا ہو گیا تھا؟
وہ تو بے لگ گئی تھی۔ وہ اسے عادی بنا کر خود چلا گیا تھا۔
"نہیں وہ ایسے جانے نہیں دے گی۔" اس نے مصمم ارادہ باندھا تھا اور صمیم نے ہیلو کہا کہ اس کی دھڑکنوں کو باندھ دیا۔ وہ ناآشنا تھی اس بات سے کہ وہ رو رہی ہے۔
اور یہ کیا ہو گیا تھا وہ بھی اس کی ہچکیوں کی آواز سن کر پریشان ہوا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں بولی تھی۔ کئی دنوں کا غبار تھا۔
وہ تو خود بے خبر تھی اپنے احساسات سے تو وہ کیا بولتی۔ وہ بس روئے گئی۔
"کیا ہوا؟ یار بولو تو سہی۔"
"رو کیوں رہی ہو؟"
"سب ٹھیک تو ہے ناں؟"
صائم کی بے قرار آوازیں گونجتی رہیں۔
اب رات کی سیاہی گہری ہو گئی تھی۔ ان کی روشنیاں جگمگانے لگ گئی تھیں۔ گرمیوں کا آغاز تھا۔ رات کی ہلکی ٹھنڈی ہوا اور تاروں بھرا آسمان۔
مگر وہ ان سب کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ تاہم وہ اس کے بے قراری سے رونے کے گواہ تھے۔ اس کے صائم شیراز کے لیے بہائے گئے آنسوؤں کو حیرت سے دیکھنے والے۔
"یار! کچھ بولو تو سہی۔" اس کی تشویش بڑھی تھی مگر اس کے پاس بولنے کے لیے شاید لفظ ہی نہیں تھے اور آنکھیں گویا سمندر بن گئی تھیں اور وہاں صائم کے دل کا ضبط جواب دے گیا تھا اور وہ فون بند کر کے باہر کی طرف بڑھا۔

☆......☆

شام گہری ہو رہی تھی اور چاند تاروں کی جھلملاہٹیں ماحول کی خوشگواریت میں اضافہ کرنے لگی تھیں۔ حبہ اونچی قمیص اور ٹخنوں سے اونچی تنگ شلوار پہنے آستینیں فولڈ کیے کچھ دیر پہلے ہی ٹیرس پر آئی تھی۔ اب وہ جھک کر دونوں بازو ریلنگ پر جمائے وہاں سر ٹکا چکی تھی۔

”پیرا سیوں چھوڑ آئے گا۔ میں بڑی ہوں۔“ وہ انہیں تاکنے لگا اور وہ دونوں رو پڑنے لگیں۔

صیم کو مجبوراً انہیں چھوڑنے کے لیے گھر جانا پڑا۔ حبہ نے کمرے کی کھڑکی سے اس کی گاڑی اندر آتے ہوئے دیکھی تھی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔

صیم نے اسے کافی سنجیدہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔ جب وہ اُس کے ساتھ لاؤنج میں آئی۔

”تم ناراض ہو؟“ بالآخر اس نے بات کا آغاز کر ہی لیا تھا۔ صیم خاموش رہا۔

”شاید...... پتا نہیں۔“ اس نے روکھا سا جواب دیا۔ اگلی بات کہنے کے لیے لفظ ترتیب دینا بھی حبہ کے لیے ایک مشکل مرحلہ تھا۔ وہ اسی کام میں مصروف تھی۔

”مجھے نہیں پتا تھا کہ شایان تمہارے دل میں اتنی گہرائی تک ہے کہ کسی اور کی تمہیں ضرورت ہی نہیں۔ میرے پیار اور نرمی نے بھی تمہارے دل پر کوئی اثر نہ چھوڑا۔“ حبہ چونک گئی۔ شایان وہ کہاں سے آ گیا اور صائم کو شایان کا کیسے پتا۔

وہ اس سے گلہ کر رہا تھا حبہ کو یہی لگا مگر صیم اس نے لہجے کو حتی المقدور سادہ بنایا تھا اور پھر وہ اس کا جواب سنے بغیر چلا گیا مگر حبہ کا دل بے چین کر گیا۔ فلم کی شوٹنگ شروع ہو گئی تھی اور شاہ نواز صاحب بھی صائم کے ساتھ دبئی میں تھے۔

رات کی سیاہی کے اترنے کا آغاز ہوا تو حبہ نے اپنے دل کے اضطراب میں اضافہ پایا۔ یہ وہی لمحات تھے جو وہ پچھلے کچھ عرصے سے کسی اور کے سنگ بیتاتی آئی تھی۔ اسے ان حسین لمحات کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ جن کا انتظار اسے دن بھر رہنے لگا تھا۔

اور اس سے بڑھ کر اسے ان لمحوں کو حسین ترین بنانے والے کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ اسے اپنا عادی بنا گیا تھا جس کی مرہون منت ان لمحوں کی دلکشی تھی۔

وہ جینے لگ گئی تھی اور اب نہ جانے وہ کہاں چلا گیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ اتنی مضطرب کیوں رہتی ہے۔ وہ پہروں ان لمحوں کو کیوں سوچنے پر مجبور ہوتی ہے۔

اور آج کئی دن گزر جانے کے بعد اس نے اسے کال کی۔ دل کے اضطراب کے ہاتھوں مجبور ہو کر، عینا اور ایشا اس سے بار بار پوچھا کرتی تھیں مگر وہ خود لاعلم تھی۔

وہ پچھلے کچھ عرصے سے خود کو کوئی پیراسائٹ سمجھنے پر مجبور ہو رہی تھی۔

نہ اسے خود کے احساسات کی سمجھ آئی اور نہ ہی زندگی کی طرف کوئی کشش محسوس ہوتی۔ وہ بس خوامخواہ جیے جا رہی تھی۔ حالانکہ وہ خود کو مردہ قرار دے چکی تھی۔

وہ بہت ہی عجیب ترین لڑکی واقع ہوئی تھی۔ ہمیشہ سے دوسروں پر انحصار کرنے والی۔ تبھی وہ ہر دفعہ ہی ٹوٹ کر رہ جاتی تھی۔ بچپن میں دادی ماں اور پھر یونیورسٹی پیریڈ شروع ہونے اور دادی کی وفات کے بعد وہ شایان کے قریب ہو گئی۔ بہت قریب اتنی کہ اس کے بغیر رہنا ناممکنات میں شامل ہو گیا۔

اور پھر وہ خوفناک وقت گزر گیا اور وہ جب واپس شاہ نواز ہاؤس میں آئی تو واقعی ایک جیتی لاش تھی۔

دو ماہ بعد ایشا اور عینا کی اس دنیا میں آمد اور پھر ان دونوں کے ساتھ ساتھ حبہ کو بھی سنبھالنا۔ شاہ نواز صاحب نے بلاشبہ ایک کڑا وقت کاٹا تھا اور آخر وہ وقت کٹ ہی گیا تھا۔

اس کا زندگی سے بھرپور وجود ختم ہو گیا تھا اور وہ اب بے جان بستر پر پڑی رہتی تھی۔ شاہ نواز صاحب نے اپنے

صائم نے گہرا سانس لیا۔

''وصیم۔'' وہ کچھ دیر بعد بولی۔

''یس مائی سویٹ ہارٹ۔'' پیار بھرا جواب ملا۔

''پلیز اب کہیں بھی نہیں جانا۔ میں بہت اداس ہوگئی تھی۔ مجھے تمہاری بہت عادت ہوگئی تھی۔ کچھ بھی اچھا نہیں تھا تمہارے بغیر۔'' وہ بچی انداز میں کہہ رہی تھی وصیم نے بے اختیار اس کے سر کو چوما۔

''میں خود بہت اداس تھا تمہارے بغیر یار! مجھے خود تمہاری بہت عادت ہوگئی ہے مگر تمہارے اس ری ایکشن نے بہت ڈس ہارٹ کیا تھا۔ مجھے لگا تھا کہ شاید تم کبھی بھی اس حصار سے نہیں نکلوگی۔ میں تب ہی پیچھے ہٹ گیا تھا مگر تمہاری کل کی فون کال نے پھر سے بہت بے چین کیا اور تمہارے رونے کے انداز سے لگ رہا تھا کہ یہ آنسو یقیناً میری یاد میں بہائے جارہے ہیں۔ بس خوشی خوشی بھاگا چلا گیا اور یہاں آکر عینا اور میشا سے بھی مل کر تصدیق ہوگئی کہ مماروز سیڈ سیڈ رہتی ہیں اور ہم سے کئی بار ڈیڈی کی بات کرتی ہیں۔''

وہ جو خود کی صفائی پیش کر رہا تھا آخر پر شرارتی ہوگیا۔

حبہ جھینپے انداز میں مسکرانے لگی۔

وہ دونوں ہی بہت عجیب تھے۔ دونوں کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور دونوں کو ایک دوسرے کے ماضی، حال جاننے سے دلچسپی بھی کوئی نہیں تھی۔ وہ بس کسی طلسم کے زیر اثر ایک دوسرے کی طرف کھینچے تھے۔

ان دونوں میں ایک بات مشترک تھی کہ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے حال دل کے علاوہ کسی شے سے غرض نہیں تھی اور ابھی ابھی ان پر بھی یہ انکشاف ہوا تھا۔

''وصیم! میں تو تم سے تین چار سال بڑی ہوں اور پھر بھی تم......''

وہ کیا چاہ رہی تھی صیم کو پتا تھا اس نے نرمی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''کہاں یار! اتنی گڑیا سی تو ہو، مجھ سے بھی چھوٹی لگتی ہو۔'' وہ اسے پیار سے تکنے لگا۔

''مگر......!'' وہ پھر سے الجھنے لگی۔

''حبہ! مجھے اس بات سے ذرا فرق نہیں پڑتا، ٹھیک ہے۔ تم اتنی کیوٹ ہو اگر تم واقعی کوئی بہت بڑی ایجڈ لیڈی بھی ہوتیں، میرا دل پھر بھی تمہاری طرف کھنچتا۔ تمہارے ساتھ کی طلب کرتا تو بھی مجھے ذرا پروانہ ہوتی کسی چیز کی بھی۔ یار! تم مجھے اچھی ہی اس طرح لگتی تھیں جب میں نے تمہیں یونیورسٹی میں پہلی بار دیکھا تھا۔''

وہ دھیرے دھیرے اس کی الجھن دور کرنے لگا۔

''یونی میں؟''

''ہاں آؤ تمہیں بتاتا ہوں۔'' وہ اسے بازو سے پکڑ کر کین چیئرز کی طرف بڑھا۔ وہ وہیں قریب ہی ٹیرس پر پڑی تھیں۔

''تب میرا پہلا سمسٹر تھا اور تمہارا غالباً آخری۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے تم سے محبت ہوگئی تھی۔ ایسا نہیں تھا۔ تب تو شایان بھی تمہارے ساتھ تھا اور مجھے بھی تم سے متعارف تمہارے اور شایان کے اس حوالے نے ہی کیا تھا۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ میرے دل میں ایسا کوئی خیال ہوتا تب میں زیادہ امیچور بھی تھا۔

مگر یہ ضرور ہوا کہ تم مجھے بہت پیاری لگیں اور میرا دل تم سے امپریس ہوا۔ بعد میں تم یونی سے چلی گئیں اور مجھے تمہارا خیال تک نہ آیا کبھی مگر میں نے جب اتنے سالوں بعد تمہارے روم میں تمہاری پک دیکھی تو میرے

سوچی سوچی لال سرخ آنکھیں اور گالوں کے اداس ڈمپل بالوں کی بکھری شرارتی لٹیں اس پر اداسی کا گہرا دورہ پڑا تھا۔

''سوری یار! فلائٹ جلدی نہیں ملی۔ چوبیس گھنٹے انتظار کرنا پڑا تم تک پہنچنے کے لیے۔''

پاس سے ابھرتی صائم کی آواز اسے چونکا گئی تھی۔ اس نے حیران ہو کر دائیں جانب آواز کی سمت میں دیکھا۔ وہ واقعی وہیں تھا دائیں ہاتھ سے بالوں کو پیچھے کرتا نیلی جینز اور تی شرٹ پہنے تر و تازہ سا۔ اور اس کی کھنکتی ہوئی آواز اس کے وجود کی خوشبو اور اس کا بہت پیارا چہرہ۔

''اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ میں ہی ہوں۔'' حبہ کچھ دیر حیرانی اور پھر بے قراری سے دیکھتی رہی اور پھر اچانک سے خفگی سے رخ موڑا۔ وہ اس کے جانے کا ارادہ بھانپ کر تیزی سے بازو پکڑ کر کھینچ چکا تھا۔

اب وہ اس سے کچھ انچ کے فاصلے پر تھی۔ خفا انداز سے۔ وہ خود بھی نہیں چاہ رہی تھی کہ وہ اس کا ہاتھ چھوڑے مگر دل کی خفگی نظروں کو ادھر ادھر بھٹکانے سے بھرپور ظاہر ہو رہی تھی۔

اور پھر سے اس کے آنسوؤں کو بہنے کا خیال آ گیا۔ آنکھوں کے سمندروں سے پانی بہنے لگا۔ اداسی، ندامت، شرمندگی، دکھ، پتا نہیں کیا کچھ۔

''او ہو حبہ کیا ہو گیا۔'' صیم بوکھلا گیا۔ وہ ہوں ہوں کرتی رہی اور اس کی بے چینی بڑھتی رہی۔

''یار! کتنا روتی ہو تم، بولنے سے زیادہ روتی ہو۔'' وہ اسے چپ نہ کروا پایا تو بے بسی سے منہ بسورنے لگا مگر وہ چپ ہونے کے موڈ میں نہیں تھی۔ آج دل کا غبار ہلکا ہو ہی جانا چاہیے۔ صائم بھی چپ ہو گیا۔ اس نے پھر اس کو رونے دیا۔

''غلط کہا تھا تم نے۔ شایان نہیں رہا اب گہرائی تک۔ مجھے وہ یاد بھی نہیں آتا۔ وہ کہیں ہے ہی نہیں اب زندگی میں غلط کہا تھا تم نے تمہاری نرمی اور پیار نے بہت اثر ڈالا ہے دل پر۔ تم نے کیوں کہا تھا غلط؟''

وہ روتے ہوئے مچلنے لگی۔ صائم کا حصار اس کے گرد تنگ ہوا۔ وہ اپنا مان بخشتے ہوئے اسے حوصلہ دینا چاہ رہا تھا۔ وہ رو رہی تھی مگر اس کے دل میں خوشی پیدا ہو رہی تھی۔

''چلو خیر! اب دل ہلکا کر ہی لے۔'' اس کے آنسوؤں سے بے چین ہوتے اپنے دل کو اس نے دلاسہ دیا تھا۔

''بولو کیوں کہا تھا غلط؟'' وہ اب بھی رو رہی تھی۔ صیم جواب میں کیا بولتا۔ یہی سوچنے لگا۔ وہ یقیناً گلے شکوؤں کے موڈ میں تھی اور اس کا خود کا دل اس کے اس ردعمل پر اس قدر مسرت کے احساس میں جھوم رہا تھا کہ بس وہ یہی چاہ رہا تھا کہ وہ اسے خود سے لگائے رکھے اور وہ یونہی گلے کرتی جائے۔

''اپنا اس دن کا ری ایکشن یاد ہے تمہیں۔ مجھے یہی لگا تھا پھر کہ یہی وجہ ہو سکتی ہے۔'' وہ صفائی میں بولا۔

''پتا نہیں تب کیا وجہ تھی مگر جب تم ناراض ہو گئے اور اتنے دنوں تک کہیں نظر نہ آئے پھر مجھے لگا کہ تب تم نے غلط کہا تھا۔ تم بھی مجھے اکیلا رہنے کو چھوڑ گئے تھے اگر ایسے ہی کرنا تھا تو مجھے خود کا عادی کیوں بنایا؟'' وہ جو اس کی شرٹ کو آنسوؤں سے بھگوئے جا رہی تھی۔ آنکھوں میں شکوہ لیے سر اٹھایا۔

''او ہو مائی سویٹ ہارٹ! کب چھوڑ کے گیا ہوں تمہیں اگر چھوڑ کر گیا ہوتا تو اب یہاں تمہارے پاس نہ ہوتا۔'' وہ پیار سے اس کے گالوں کو خشک کرنے لگا۔ ہاتھوں سے اس کی نم آنکھوں کو پونچھنے لگا۔

''اتنے دنوں تک تو یہ ہی شو کیا ہے ناں تم میری بات سنے بغیر ہی چلے گئے تھے۔'' وہ پھر سے رونا شروع ہو گئی۔

زندگی سب اجڑ کر رہ گیا تھا۔ اس بات نے مجھ پر اتنا اثر کیا کہ میں نے ایک عرصہ تک ابنارمل لائف گزار دی۔
شاید کوئی سمجھ نہ سکے میرے احساسات میں گہرے صدمے کی حالت میں تھی۔ وہ میرا سب کچھ تھا اور وہ ہی نہیں رہا تھا۔ میرا دل مردہ ہوا تو دماغ بھی ہر طرف سے بے حس ہو گیا میں ہر طرف سے بے نیاز لاپرواہ ہو گئی۔ خود کا بھی ہوش نہ رہا۔ کبھی اپنی بیٹیوں تک کا خیال نہ آیا۔
مگر یہ بات نہیں تھی کہ میں دماغی توازن ہی کھو بیٹھی تھی۔ مجھے سب پتا چلتا تھا مگر میری سینز اور سائیکی بہت متاثر ہوئی تھی۔
پھر نوشی پھپھو کی آمد کی خبر آئی۔ پاپا نے انہیں شروع سے بتا رکھا تھا کہ جب آسٹریلیا مقیم ہے شادی کے بعد سے۔ اور پھر ایک دن پاپا میرے پاس آئے انہوں نے مجھے میرا اور میری بیٹیوں کا احساس دلایا اور پھر تم سے شادی کی ریکوئسٹ کی۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا تھا کہ یہ پیپر میرج ہو گی۔ پھر میں نے سوچا کہ میں پاپا کو مزید تنگ نہیں کروں گی۔ جانے کیسے مجھے ان کا احساس ہو گیا اور میں پیپر میرج کی حد تک مان گئی۔ کیونکہ وہ مجھے بتا رہے تھے کہ تمہاری بیٹیوں کو ایک باپ کے نام کی ضرورت ہے اور انہیں اپنی عزت بھی عزیز ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ باخبر رہیں اور انہوں نے میرے لیے ایک بہت اچھے لڑکے کا انتخاب کیا ہے۔
تب میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ لڑکا اس قدر اچھا ہو گا۔ وہ مجھ سے کم عمر ہونے کے باوجود میرا اور میری بیٹیوں کا اتنا خیال رکھے گا۔ وہ میری اصلیت جانتے ہوئے بھی اتنا وسیع ظرف رکھے گا۔
تھینک یو سو مچ صمیم! تم بہت اچھے ہو اور میں تمہارے ان احسانات کو کبھی نہیں بھلاؤں گی۔"
وہ بولتے بولتے تھک گئی تھی مگر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مضبوط جذبات سے اس کے ایک دفعہ پھر سے آنسو نکل آئے تھے۔
صمیم نے اسے تھپکا تھا۔
"ریلیکس حبہ! میں نے تمہارے اوپر کوئی احسان نہیں کیا اور آئندہ میں تمہارے منہ سے یہ سب نہ سنوں۔ مجھے مجبور نہیں کیا گیا اس سب کے لیے۔ میں کوئی بہت اچھا انسان نہیں ہوں ہاں یہ تھا کہ میں تمہاری دیکھ بھال کرتا اپنی ڈیوٹی سمجھ کر مگر میرے دل نے مجبور کیا تھا مجھے تمہیں اس حالت میں دیکھنے کو جس سے وہ بھی متاثر ہوا تھا اور بس پھر دھیرے دھیرے نہ جانے کیسے مجھے بھی تمہاری عادت ہوتی گئی۔ بس تم بھول جاؤ سب تم بس یہ یاد رکھو کہ خدا نے تمہارا ساتھ لکھا تھا اور وہ جیسے بھی ہونا تھا ہو گیا۔ اللہ ہمیشہ ہمیں ساتھ رکھے اور پر سکون زندگی مقدر بنائے، آمین۔"
وہ اسے بہت پیار سے کہہ رہا تھا اور وہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ کیسے ایک عرصے تک دنیا سے منہ موڑے وہ سمجھتی تھی کہ شایان کو کھو کر اس نے وہ سزا پائی ہے جو والدین کی دل آزاری سے اسے ملی تھی اور اگر وہ واقعی سزا تھی تو وہ ختم ہو گئی تھی۔ ہر سزا کے بعد جزا بھی ہوتی ہے۔ وہ اب مطمئن انداز میں یہی سوچ رہی تھی۔

☆......☆

صمیم کو واپس آئے دو دن گزر چکے تھے مگر میشا اور عینا کے گلے ہی کم نہیں ہو رہے تھے۔
"ڈیڈا! اب آپ اتنے دنوں تک ہمارے بغیر نہیں رہیں گے۔" عینا نے تنگ کر کہا تھا۔
"کیوں؟" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھنے لگا۔
"ہمارا دل نہیں لگتا آپ کے بغیر، مما بھی ہمیشہ اداس رہتی ہیں۔" اس نے سب سے مضبوط دلائل پیش کیے

دل کو بہت بے چینی ہوئی اور پھر میرا دل مجھے مجبور کرنے لگ گیا تمہیں پھر سے اس زندہ دل روپ میں دیکھنے کے لیے۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا مگر میں نے ہر کوشش کی تمہیں زندگی کی طرف لوٹانے کے لیے اور اس دوران ہی مجھے تمہاری بہت عادت ہوگئی اور پھر پیار بھی ہوگیا۔ اب اتنا کہ میں کبھی بھی تمہارے بغیر نہیں رہنا چاہوں گا۔''

وہ اسے دھیرے دھیرے بتا رہا تھا اور حبہ بہت دھیان سے اسے سن رہی تھی اس دوران اسے اس پیارے سے لڑکے پر بہت پیار آرہا تھا۔

''تم بتاؤ تم رہنا چاہو گی میرے ساتھ عمر بھر؟'' صمیم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

وہ جو کچھ کرسیاں چھوڑ کر اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اس کا ہاتھ تھاما اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے بالکل پاس والی کرسی پر آن بیٹھی۔

''میں اپنی باقی عمر بتانے کے لیے تمہارا انتخاب ہی کروں گی۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ میں تمہارے بغیر پھر سے ٹوٹ جاؤں گی۔''

وہ صدق دل سے بولی تھی اور اس کی بات کی سچائی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔ صمیم نے مسرور ہو کر اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگالیا۔

''میں چاہتی ہوں کہ میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں۔ وہ سب جو میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا۔ کیونکہ میں اپنے دل کا بوجھ مکمل طور پر ختم کردینا چاہتی ہوں۔ ایک پرسکون، مطمئن زندگی چاہوں گی اور اس کے لیے ضروری ہے اپنے دل کو مکمل طور پر اس سب سے پاک کردوں جو عرصے سے دل میں بسیرا کیے ہوئے ہے۔''

صمیم نے اثبات میں سر ہلادیا۔ وہ بھی چاہتا تھا کہ وہ عمر بھر بے فکر رہ کر زندگی گزارے۔ سب دفن ہو جائے آج کے دن اور پھر نئی زندگیوں کا آغاز ہو۔

''میری پہلی محبت تھا شایان۔'' ہم بہت خوش تھے ایک دوسرے کے ساتھ۔ وہ ہمیشہ میرے دل میں رہے گا مگر اب میں نے حقیقت سمجھ لی ہے۔ میرے دل نے بھی حقیقت مان لی ہے۔ وہ دل سے کبھی نکل نہیں سکتا مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ اب وہ یاد آتا ہے۔ وہ بس ایک کونے میں پڑا سو رہا ہے اور تم میرا آج ہو۔ جس کی سانس کے ساتھ میرا دل سانس لیتا ہے۔

پاپا ہماری شادی کو نہیں مانے تو ہم نے مجبوراً کورٹ میرج کرلی مگر اس کا کسی کو بھی نہیں پتا، آج اس بات کا میرے پاس ثبوت بھی نہیں ہے مگر عینا اور بیٹا میری جائز اولاد ہیں۔ میرے پاپا کو بھی شاید میری بات پر یقین نہ ہوتا۔ کیونکہ اس وقت صورت حال ہی ایسی تھی۔ میں جس وقت اجڑی حالت میں اس گھر میں واپس آئی تھی تب میرے ساتھ نہ تو شایان تھا نہ اس کے ساتھ میرے رشتے کا کوئی ثبوت۔ بس میرے وجود میں پلتا میری بیٹیوں کا وجود تھا اور میں ایک عرصہ تک ان سے بھی لاتعلق رہی تھی۔ وہ ایک مڈل کلاس سے بی لونگ کرتا تھا۔ آگے پیچھے بھی کوئی نہیں تھا۔ خیر ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں تھی۔ ہم ایک کرائے کے فلیٹ میں رہتے تھے۔

ایک دن ہم رات میں لانگ ڈرائیو پر نکلے تھے کہ ہماری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ مجھے وہ آخری دفعہ شایان کو دیکھنا یاد ہے۔ اس کا خون میں لت پت وجود میرے وجود کی حالت بھی قابل رحم تھی۔ پھر میں ہوش کھو بیٹھی۔ تین دن بعد مجھے ایک کلینک میں ہوش آیا تھا۔ شایان وہاں نہیں تھا۔ اسے کوئی جاننے والا آخری رسومات کے لیے لے گیا تھا اور مجھے وہیں چھوڑ دیا گیا۔ میں نے پاپا کو روتے ہوئے بلایا تھا۔

''اُف! وہ بہت برے دن تھے میں مرگئی تھی۔ میرا خیال تھا میں شایان کے ساتھ ہی مرگئی ہوں۔ میرا دل

اپنی طرف ہے۔

صیم نے حبہ کی طرف دیکھا تھا وہ لاؤنج میں صوفے پر بڑے مطمئن اور آرام دہ انداز میں بیٹھی تھی۔ چھوٹی آستینوں کی قمیض اور جینز پہنے۔ صائم کو اس کی روم میں آویزاں تصویر اتنی پسند تھی کہ اس نے بارہا اسے کانوں میں بڑے بالے پہننے کی فرمائش کی تھی اور وہ پہنتی بھی تھی۔ اس کے سادہ بڑے بالے، کانوں میں جھول رہے تھے اور گالوں کے ڈمپل...... وہ واقعی بہت پیاری تھی۔

حبہ نے صائم کی نظروں کے جواب میں کندھے اچکائے تھے۔

''ڈیڈ! ہماری سمر ویکیشن چل رہی ہیں، سب فیلوز کہیں گئے ہوئے ہیں، ہم نے بھی جانا ہے۔'' ینشا نے بھی منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''واؤ گڈ آئیڈیا۔'' عینا خوشی سے چلائی۔

خیر کہاں جانا ہے آپ سب نے؟''

''اٹ ول بھی سرپرائز فار یو گائز۔'' صائم نے انہیں تجسس میں مبتلا کیا۔''

''او کے ٹھیک ہے۔ ابھی آئس کریم کے لیے تو لے جائیں۔'' ینشا نے بہت صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''رحم کرو، شام میں جائیں گے۔'' صیم واقعی بوکھلا گیا۔

اور پھر کچھ دن ہی تو سرکے تھے۔ وہ ٹیرس پر آ گیا حبہ وہاں کچھ دیر پہلے ہی گئی تھی اور اب شام کی ہلکی ہوا سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ صیم اسے اس قدر مطمئن دیکھ کر جی بھر کر مسرور ہوا۔

''ہنی مون کے متعلق کیا ارادہ ہے ڈیئر وائف؟'' وہ اس کی گردن کے گرد دونوں بازو حمائل کرتے ہوئے بولا۔

''اب...... ہنی مون!'' وہ کچھ جھینپ کر کچھ حیران ہوئی۔

''ہاں تو اب کیا ہے۔ ینشا اور عینا بھی ہمارے ساتھ جائیں گی۔ انہیں شوق ہے کہیں گھومنے کے لیے جانے کا۔'' وہ اسے جواب دینے لگا۔

''یار آج میں بہت خوش ہوں جو جگنو میں تمہاری آنکھوں میں دیکھنا چاہتا تھا وہ آج میں دیکھ رہا ہوں۔ جن جگنوؤں کی تلاش تھی وہ میں نے پا لیے۔'' وہ اچانک سے کہیں کھو گیا تھا حبہ بھی چپ ہو گئی۔ لمحے یونہی سرکنے لگے۔ دونوں میں سے کوئی بھی بول کر اس احساس کو ختم نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ جس احساس جس خاموشی کے زیر اثر وہ تھے۔

''ہاں، ہم عید شاپنگ بھی وہیں سے کریں گے۔ ہمارا ہنی مون بھی وہیں ہوگا اور ہماری پرنسز کا ٹور بھی۔ پیکنگ کر لو۔ ہم کل شام ہی نکل رہے ہیں۔''

''صیم نے بالآخر خاموشی کو توڑا تھا اور تیز تیز بولنے لگا۔

''واؤ۔ ہم جا کہاں رہے ہیں؟'' وہ پرشوق انداز میں بولی۔

''آسٹریلیا۔'' صیم نے فقط یہ کہا تھا حبہ پھر سے چپ ہو گئی۔ اس کے باپ نے ایک عرصہ تک سب کو یہی کہہ رکھا تھا کہ حبہ آسٹریلیا میں ہے اور آج وہ واقعی اسے آسٹریلیا لے جا رہا تھا۔

''یار فلم کی شوٹنگ بھی عید کے بعد وہیں ہے مگر میں پہلے اپنی فیملی کے ساتھ انجوائے کرنا چاہ رہا ہوں۔'' وہ نہ جانے کیا کیا بول رہا تھا مگر وہ جو خدا کا شکر ادا کر رہی تھی اور زندگی کی اس یادگار عید کا بھی شکریہ۔ اسے عید کی آمد کا بے چینی سے انتظار تھا۔

......☆......

ہے''۔ عیرہ بال سمیٹتے بستر سے اترتی بڑبڑائی۔

☆☆☆☆

الارم کی تیز آواز پر اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر سیل پر ٹائم دیکھا تو تیزی سے اٹھ کر بیٹھا۔

''او مائی گاڈ! آج مجھے کسی صورت لیٹ نہیں ہونا''۔ شمویل جلدی سے بستر سے اترا اور سلیپر پاؤں میں اڑستا بڑبڑاتا ہوا واش روم کی طرف بڑھا۔

☆☆☆☆

''شٹ..... اس کو بھی آج ہی تکلیف ہونی تھی''۔ عبیرہ پرس کندھے پر لٹکائے پورچ میں آئی تو کار کے ٹائر پر نظر پڑتے ہی سر پکڑ لیا۔

''پانچ منٹ رہ گئے ہیں صرف''۔ وہ غصے سے بڑبڑائی ٹائر پر چار حرف بھیج کر دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تا کہ ٹیکسی روک سکے لیکن افسوس کہ آج وہ تو وقت پر تھی مگر وقت اس کا نہیں تھا' کچھ پل ویران سنسان تپتی سڑک کو منتظر نگاہوں سے تکتے رہنے کے بعد وہ بڑبڑاتی ہوئی تیز قدم اٹھاتی چل پڑی گھر سے آفس تک کا راستہ جو کہ بمشکل ایک آدھ منٹ کا تھا' آج پیدل وہی راستہ 10 سے 15 منٹ کا ہو گیا' خلاف معمول آج صبح جلدی اٹھنے اور جلدی



مصباح مسکان رؤف

ناولٹ

تو ضروری سا ہے مجھ کو



چڑیوں کے چہچہانے کی آواز پر اس نے کسمسا کر آنکھ کھولی اور پاس پڑے سیل فون کی جلتی بجھتی الارم لائٹ میں ٹائم دیکھا تو ہڑبڑا کر اٹھی۔

"اوہ نو...... آج مجھے ہر صورت جلدی جانا

یوں مڑا جیسے اس کی موجودگی سے بے خبر ہو۔
"یس.....اینی پرابلم؟" وہ انجان بنا پوچھ رہا تھا۔
"اپنے کام سے کام رکھا کرو تو بہتر ہوگا"۔ عیرہ اسے گھورتے ہوئے بولی تو وہ مسکرایا۔
"او تھینک یو سو مچ لیڈی! فار دس فری ایڈوائز"۔ شموئل دل جلاتی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا کر بولا تو وہ بڑبڑاتی اپنے کیبن میں آ گئی۔
"آج صبح صبح آپ کو دیکھ لیا' اللہ خیر کرے پتہ نہیں سارا دن کیسا گزرے گا"۔ وہ اسے دیکھ کر شرارت سے بولا تو اس نے پلٹ کر شموئل کو دیکھا۔
"روز ہی تو دیکھتے ہیں' اچھا خاصا دن گزر جاتا ہے"۔ عیرہ نے اس کے جملے کا اثر نہ لیتے ہوئے بے نیازی سے کہا تو وہ مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔ آج ایک ضروری میٹنگ تھی اور وہ جلدی کا ارادہ کرکے بھی لیٹ ہو گئے مگر صد شکر کہ ابھی میٹنگ شروع نہیں ہوئی تھی' یہ میٹنگ ایک نئے پراجیکٹ کے سلسلے میں تھی' وہ دونوں پورے اسٹاف میں سب سے قابل تھے' ہمیشہ کی طرح اس بار بھی باس کو صرف ان دونوں کے آئیڈیاز پسند آئے۔
"مجھے فخر ہے کہ میرے پاس تم دونوں جیسے بریلینٹ مائنڈز ہیں مزے کی بات تو یہ ہے کہ شموئل اور عیرہ تم دونوں کے خیالات میں بے حد مماثلت ہے' کیا تم دونوں ایک دوسرے سے ڈسکس کرتے ہو اپنے آئیڈیاز؟" میٹنگ کے بعد باس نے دونوں کو اپنے روم میں بلوا کر تعریف کرتے ہوئے سوال کیا۔
"نو سر"۔ دونوں نے بیک وقت جواب دیا تو سر ہنسنے لگے۔
"اچھا.....مگر ایسا لگتا نہیں ہے کیونکہ تم دونوں کے دیئے گئے پوائنٹس' آئیڈیاز' تھیم ہمیشہ سیم ہی ہوتے ہیں"۔ باس خوش دلی سے بتا رہے تھے جبکہ وہ دونوں دل ہی دل میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے' ایک دوسرے سے کمپیئر کیا جانا تو ویسے بھی انہیں سخت غصہ دلاتا تھا۔ ویسے وہ دونوں دل کے برے نہیں تھے بس حالات نے انہیں ایک دوسرے کا سخت حریف بنا دیا تھا' حالانکہ ان کی پہلی ملاقات تو بہت خوشگوار رہی تھی۔

☆☆☆☆

عیرہ یونیورسٹی فیس جمع کرانے کے لئے لائن میں دھکے کھا رہی تھی' اتنی لمبی لائن میں سب اپنی باری آنے کا انتظار کرنے کے بجائے ایک دوسرے کو دھکے دے کر آگے پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے وہیں کچھ عیرہ جیسے اسٹوڈنٹس بھی تھے جو خاموشی سے اس دھکم پیل میں آگے پیچھے ہو رہے تھے' اسی دوران ایک دھکے نے اسے اس لائن سے باہر گرا دیا' عیرہ سنبھل کر جب دوبارہ لائن میں آنے لگی تو پیچھے والی لڑکی نے راستہ روک لیا۔
"پیچھے لائن میں جاؤ یہاں درمیان میں مت گھسو"۔ اور عیرہ منہ لٹکائے سائیڈ پر ہو گئی۔
"اتنی لمبی لائن ہے' آگے اتنی مشکل سے دھکے کھا کھا کر یہاں درمیان تک آئی تھی اب پھر پیچھے سے"۔ وہ روہانسی ہو گئی لمبی قطار دیکھ کر۔ شدید گرمی سے اس کے سر میں درد ہو رہا تھا کھڑے ہونا محال ہونے لگا تو وہ سائیڈ پر لگی کرسیوں کی طرف بڑھی' اچانک زور کا چکر آیا' وہ چکرا کر گرنے لگی تھی کہ کسی نے تھام لیا اور سہارا دے کر کرسیوں تک لا بٹھایا۔
"آپ ٹھیک ہیں؟" کوئی بڑی نرمی و فکر مندی سے پوچھ رہا تھا اس نے چکراتے سر کو تھامے نظر اٹھائی' شموئل اس کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھا پوچھ رہا تھا وہ اس کا سینئر تھا ایک دوبار دیکھا تھا اس کو یونیورسٹی میں۔
"گرمی بھی اتنی زیادہ ہے نا' آپ یہ جوس پئیں' یہ رش تو یونہی رہے گا"۔ وہ ہاتھ میں تھاما جوس کا ڈبہ

تیار ہونے کے باوجود وہ معمول سے زیادہ لیٹ ہونے والی تھی۔

☆☆☆☆

''مما! میری کار کہاں ہے؟'' خالی پورشن دیکھ کر شمویل نے وہیں سے آواز لگائی۔

''شمویل! تمہارے بھیا کی کار خراب تھی اس لئے وہ تمہاری کار لے گئے ہیں انہیں مما نے کہا تھا کہ تم قریب ہی جاتے ہو آج پیدل چلے جاؤ گے''۔ بھابی نے آکر اطلاع دی تو اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''اف...... آج پھر 5 منٹ رہ گئے''۔ وہ باہر نکل کر گھڑی دیکھتے ہوئے بڑبڑایا پھر آگے وہی ہوا جو قسمت میں لکھا تھا نہ ٹیکسی نہ رکشہ' خالی سڑک دائیں بائیں کھڑے اداس درخت مجبوراً ناچار روزانہ کا کار کا ایک آدھ منٹ کا راستہ پیدل 10 منٹ سے 15 منٹ پیدل ہی طے کرنا پڑا' حالانکہ آج وہ معمول سے پہلے اٹھا تھا اور تیار بھی جلدی ہو گیا تھا' مگر افسوس کہ آج وہ تو وقت پر تھا مگر اس کا وقت وقت پر نہیں تھا اس لئے اب وہ ناں ناں کرتے بھی معمول سے زیادہ لیٹ ہونے والا تھا۔

☆☆☆☆

یوں تو ان دونوں بے چاروں کا آفس زیادہ دور نہیں تھا' بس کا روڈ دور جا کے جس روڈ پر مڑتا تھا' اس روڈ کے عین درمیان میں ان کا آفس وقوع پذیر تھا' مزید یہ کہ آفس کے سب سے نزدیک یہی دونوں رہتے تھے جو کہ بدقسمتی سے نا چاہتے ہوئے سب سے آخر میں آفس پہنچتے تھے۔ حالانکہ وہ تو الارم کی پہلی آواز پر ہی شرافت سے جاگ جاتے تھے اور بلاچوں چراں انتہائی شرافت سے جلدی جلدی تیار بھی ہو جاتے تھے' مگر نجانے صبح کا وقت ان کا جانی ازلی دشمن کیوں تھا' اس قدر تیزی سے گزرتا کہ وہ روز آفس سے 5 سنٹ لیٹ ہو جاتے اور ستم یہ کہ ان کے علاوہ کوئی اسٹاف ممبر کبھی لیٹ نہیں ہوتا تھا' نجانے سب کے سب اتنے وقت کے پابند کیوں اور کیسے تھے کہ ان کے پہنچنے سے پہلے سب اپنی سیٹوں پر جمے ہوئے تھے۔ غالباً وہ رات کو ہی آجاتے تھے یا پھر جاتے ہی نہیں تھے' کم از کم ان دونوں کا تو یہی خیال تھا۔

''میں دیر کرتا نہیں' دیر ہو جاتی ہے''۔ اس مصرعے کی وہ دونوں عملی تفسیر تھے۔

☆☆☆☆

ان دونوں کے گھر تو ساتھ ساتھ تھے مگر کیونکہ ان دونوں کا آپس میں سالوں کا بیر تھا اس لئے دونوں آفس جانے کے لئے ایک دائیں تو دوسرا بائیں طرف کی سڑک استعمال کرتا تھا' آفس میں داخل ہونے کے خوش قسمتی سے دو راستے تھے دائیں بائیں پارکنگ بھی الگ الگ تھی اس لئے دونوں نے اپنا ایک ایک راستہ مخصوص کر رکھا تھا تاکہ ایک دوسرے کا آمنا سامنا کم ہی ہو مگر ایسا مشکل ہی تھا کیونکہ آفس میں داخل ہوتے ہی دونوں کا سب سے پہلے ایک دوسرے سے ہی سامنا ہوتا تھا' جیسے کہ ابھی ہوا۔ جونہی عبیرہ اندر آئی سامنے سے شمویل کو آتا دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''اس نے بھی ابھی وقت آنا تھا''۔ وہ خفگی سے بڑبڑائی' ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کے خوبصورت چہروں کے زاویے بگڑ گئے' موڈ خراب ہو گیا۔

''دکھ اس بات کا نہیں کہ میں لیٹ ہوں بلکہ خوشی اس بات کی ہے کہ محترمہ بھی لیٹ ہیں''۔ شمویل اپنے کیبن میں جانے کے لئے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے آہستہ آواز میں بولا تو عبیرہ نے خفگی سے اسے دیکھا وہ اکثر اسے محترمہ کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

''کوئی خاص مسئلہ ہے میرے لیٹ آنے سے؟'' عبیرہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تو وہ چونک کر

رخصت ہو گیا اور یوں ہی سوئی ہوئی عداوت جاگ گئی۔ دونوں میں باقی تمام خوبیوں کے ساتھ ایک دیر سے پہنچنے کی خوبی بھی مشترک تھی جس کا اکثر سب تذکرہ کر کے انہیں تلملانے پر مجبور کر دیتے' وہ روز عہد کر کے سوتے کہ آج جلدی اٹھنا ہے جلدی جانا ہے مگر ہوتا پھر وہی تھا دونوں 5 منٹ لیٹ۔

☆☆☆☆

عبیرہ اور شموئل کو تو آپس میں الجھنے کے لئے بس بہانہ درکار ہوتا تھا جیسے ایک روز عبیرہ اپنے کیبن میں کام میں مصروف تھی جب شموئل نے گزرتے گزرتے اندر جھانکا۔

"کیلکولیٹر ملے گا؟" دروازے سے جھانک کر شموئل نے پوچھا' وہ کاغذ پھیلائے مصروف بیٹھی تھی۔

"وہ ٹیبل پہ ہے لے لیں"۔ اسی مصروف انداز میں جواب دیا مگر اگلے ہی پل سر اٹھایا۔

"نہیں ہے۔" سامنے شموئل کو دیکھ کر وہ فوراً انکاری ہو گئی' شموئل جو ٹیبل کے قریب آیا ہی تھا حیرت سے رک گیا۔

"ارے محترمہ! آپ تو سیاستدانوں سے بھی جلدی بیان بدلتی ہیں"۔ وہ اس کے خفگی بھرے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا تو عبیرہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"مجھ سے فری ہونے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے"۔ انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

"منہ دھو رکھیے محترمہ! مجھے بھی قطعاً کوئی شوق نہیں ہے آپ سے فری ہونے کا"۔ وہ بھی دوبدو بولا تھا۔

"ڈونٹ ڈسٹرب می پلیز"۔ عبیرہ نے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے رکھائی سے کہا تو شموئل نے آنکھیں پھیلائیں۔

"او ہیلو محترمہ! مجھے صرف تھوڑی دیر کے لئے کیلکولیٹر چاہئے تھا' سوچا آپ سے ہی پوچھ لوں مگر آپ کا نازوں پلا تو کسی کو دینے سے خرچ ہو جاتا ہے نا' رہی بات آپ کے ڈسٹرب ہونے کی تو میڈم گزرنے کا راستہ یہی ہے اب آپ کے ڈسٹرب ہونے کے خیال سے میں یہاں سے فلائی اوور (Flay Over) بنا کر گزرنے سے تو رہا"۔ شموئل آستین فولڈ کیے خفگی سے بولتا تیزی سے آگے بڑھ گیا پیچھے وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔

☆☆☆☆

بکرا عید آنے والی تھی' عبیرہ روز بھیا اور بابا کو یاد کرواتی کہ وہ بھی بکرا لینے جائے گی مگر دونوں روز ٹال جاتے۔ آج اس کا موڈ بہت خراب تھا' وہ اپنے کمرے کے ٹیرس پر کرسی پر نیم دراز بادلوں بھرے آسمان کو دیکھ رہی تھی' بادلوں سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں سامنے گھر کی کھڑکی سے سرکتیں ٹیرس پہ پڑیں تو کرسی پر موبائل کے ساتھ مصروف شمائل کو دیکھ کر اسے پچھلی عید یاد آ گئی۔ پچھلے سال وہ بڑے شوق سے پہلی مرتبہ بکرا منڈی گئی تھی اس کی خواہش تھی کہ بکرا اس کی پسند کا ہو گا' بابا نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور اسے ساتھ لے گئے بابا کے ساتھ ان کے دوست زلفی چچا بمعہ صاحبزادہ سلیم آ گئے' انہیں بھی بکرا خریدنا تھا۔ عبیرہ کو کوئی بکرا پسند نہیں آ رہا تھا کوئی بکرا پیارا تھا تو اس کے کان چھوٹے تھے کسی کے دانت پورے مگر سائز کم تھا' عبیرہ کے ایسے اعتراضات پہ سلیم ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔ آخر تھوڑے فاصلے سے عبیرہ کی نظر ایک بکرے پر پڑی' خوبصورت' پلا ہوا' ایکٹو بکرا' وہ بابا کو لئے تیزی سے اس کی جانب بڑھی' مگر یہ کیا؟ جس اسپیڈ سے اس نے بکرے پر ہاتھ رکھا اسی اسپیڈ سے ایک اور ہاتھ بکرے پر آ ٹھہرا۔

"یہ بکرا ہمارا ہے"۔ آواز پر عبیرہ نے خفگی سے سر اٹھایا تو خفگی غصے میں بدل گئی۔ سامنے شموئل کھڑا تھا ماتھے پر ویسے ہی بل ڈالے۔

"جی نہیں یہ ہمارا ہے ہم نے پہلے دیکھا ہے"۔ عبیرہ پیچھے رہنے والوں میں سے تو تھی نہیں' فوراً

اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مسکرا کر بول رہا تھا عیرہ نے خاموشی سے جوس تھام کر اسٹرا لبوں سے لگالیا' ٹھنڈا جوس سکون کی لہر بن کر اترا تو گرمی سے ستائے حواس کچھ بحال ہوئے' قدموں میں طاقت آئی تو وہ کھڑی ہوگئی۔

"ارے کچھ دیر تو بیٹھیں' ذرا طبیعت نارمل ہونے دیں"۔

"نہیں' ابھی مجھے فیس جمع کروانی ہے"۔ عیرہ نے بیگ سنبھالتے ہوئے بتایا اور لائن کی طرف دیکھا۔

"وہ تو میں نے بھی کروانی ہے مگر اس رش میں پاسیبل نہیں' ویٹ کرلیں ذرا رش کم ہو تو میں آپ کی بھی کروادوں گا' ڈونٹ وری"۔ شمویل نے شائستگی سے کہا' تو وہ خاموشی سے ایک نظر اس پر ڈال کر واپس بیٹھ گئی واقعی اس رش میں گھسنا اس کے بس کی بات نہیں تھی' وہ دونوں بعد میں لائبریری چلے گئے' ایک آدھ گھنٹے بعد شمویل نے اپنی اور عیرہ کی فیس جمع کروادی تو وہ مطمئن سی گھر آگئی۔ اب شمویل ان کے پڑوس میں نہیں رہتا تھا یہ تھی پہلی ملاقات جو کافی دوستانہ سی تھی' رنجش کہاں پڑی؟ کیسے پڑی؟ یہ تو بعد کی بات ہے' کیونکہ عیرہ اور شمویل دونوں اسکول ٹائم سے ہی پوزیشن ہولڈر تھے لہٰذا یونی میں بھی سابقہ ریکارڈز برقرار رکھتے ہوئے ایگزام ٹیسٹ' اور دیگر ایکٹی ویٹیز میں آگے رہنے لگے تو سب نے ان دونوں کو کمپیئر کرنا شروع کردیا حالانکہ دونوں الگ الگ ایریر کے تھے' شمویل ایک سال سینئر تھا مگر پھر بھی ہر جگہ وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابلے پر آگئے تھے سب جب انہیں کمپیئر کرتے تو وہ چڑ جاتے کہ ہم دونوں کی اپنی اپنی جگہ ہے' پھر یہ مقابلہ کیوں؟ ایک بار تقریری مقابلے کے لئے دونوں نے اپنے ٹاپک اردو پروفیسر کو بتائے تو وہ مسکرادیے۔

"بیٹا آپ کی چوائس بہت اعلیٰ ہے مگر آپ دونوں نے ایک ہی ٹاپک چنا ہے' ایسا کرو آپ دونوں میں سے ایک اپنا ٹاپک تبدیل کرلو"۔ پروفیسر صاحب نے شفقت سے سمجھایا تو دونوں نے غصے سے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر دونوں نے ہی اس ٹاپک کو چھوڑ کر اور ٹاپک سلیکٹ کرلیا' حسن اتفاق کہ دونوں کو برابر نمبرز ملے اور مقابلہ ڈرا ہوگیا' ان دونوں کو تو انعام ملا دونوں کی تقریر بہت پسند کی گئی مگر سلیم جس نے ان کا چھوڑا ہوا ٹاپک چنا وہ بے چارا ہار گیا وہ بھی یوں کہ آدھی تقریر ہی بھول گیا۔ مختصر یہ کہ جب جب دونوں مقابل ہوئے فیصلہ کسی ایک کے حق میں نہ آسکا' دونوں اپنے اپنے ایریر کے ٹاپر تھے' پروفیسرز کا ناز تھے' وقت کے ساتھ جہاں سب کے دلوں میں ان کے لئے پیار اور فخر بڑھتا گیا وہیں ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے عداوت اور غصہ پروان چڑھتا گیا جو کہ شمویل کا M.B.A مکمل ہونے تک تناور درخت بن چکا تھا' اپنا فائنل ایریر شمویل کے بغیر عیرہ نے بڑے سکون سے گزرا' اور جاب کا ایک سال عیرہ کے بغیر کسی بڑے حریف کے بغیر شمویل نے بڑے سکون سے گزرا M.B.A کے بعد عیرہ نے ضد کرکے جاب کی اجازت لے ہی لی' اور بابا کے ریفرنس سے ان کے ایک جاننے والے کے آفس میں میرٹ پر اس کا اپائنٹمنٹ ہوگیا آفس میں پہلے روز پہلا قدم رکھتے ہی اس کا ایک سالہ اطمینان رخصت ہوگیا کہ سامنے ہی ایک کیبن میں شمویل صاحب براجمان تھے' وہ بہت تلملائی مگر اب یہ جاب تو چھوڑ نہیں سکتی تھی کیونکہ بابا اسے کہیں اور جاب کرنے نہیں دیں گے لہٰذا خاموشی سے سر جھکالیا' باس کے آفس میں جب باس نے نئی اسٹاف ممبر کا تعارف کروایا تو شمویل پہلے حیران پھر غصہ ہوگیا' بمشکل خود کو کنٹرول کرتا اپنے کیبن تک آیا۔

"یہ یہاں بھی آگئی"۔ شمویل نے بیٹھتے ہی سر پکڑ لیا' ایک سالہ اطمینان بڑے اطمینان سے

نہ ملا کہ شام میں بابا بھیا کے ساتھ گئے اور بکرے کے ہمراہ دونوں کی واپسی ہوئی' سفید رنگ کا قدرے بڑے سائز کا بکرا بڑا پیارا تھا' عبیرہ غصے سے منہ پھلا کے بیٹھ گئی کہ اسے بتائے بغیر اکیلے ہی بکرا لے آئے' مگر جب بکرا اس کی طرف آ کے کھڑا ہو گیا تو عبیرہ کو ساری ناراضی بھول گئی' وہ مسکرا کر آگے بڑھی اور پیار سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

''اس کو تو اپنی سہیلی مل گئی ہے''۔ بھابی دونوں کو دیکھ کر مسکرائیں۔

''سالوں کی بچھڑی سہیلی' دیکھو تو کیسے سیدھا اسی کے پاس آیا ہے''۔ بابا نے شرارت سے کہا تو سب مسکرانے لگے۔ شموئل کو بھی اس بار بکرا منڈی دیکھنے کا موقع ہی نہ ملا کہ صبح ڈیڈی اور بھیا اسے بتائے بغیر جا کر بکرا لے آئے' اسے غصہ تو بہت آیا مگر صحت مند خوبصورت سفید بکرے کو دیکھ کر شموئل کا غصہ اتر گیا اور وہ بکرے میاں کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔ عید تک بکروں کی خود خدمت کرنے کا ارادہ کیے وہ دونوں سارے کام بھلائے آدھا دن بکرے کے ساتھ گزارتے اس دوران وہ گھر کے دیگر معاملات سے بالکل ہی لاتعلق ہو گئے۔

☆☆☆☆

عید کے انتظار میں دونوں کے روز و شب یونہی گزرتے جا رہے تھے صبح آفس میں کاموں میں دماغ کھپائی' شام کو بکرے میاں کی خدمت' ان کی اس ہموار زندگی کی پرسکون جھیل میں پتھر تب پڑا جب انہیں اپنے والدین کے نئے ارادے کا علم ہوا وہ مما کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا جب مما نے اسے بتایا۔

''مما! ابھی کیا جلدی ہے؟'' وہ سخت جز بز ہوا تھا ڈیڈی کا فیصلہ جان کر۔

''جلدی ہی تو ہے شموئل! ماشاء اللہ سے تمہیں پڑھائی مکمل کیے ہوئے ڈھائی سال ہو گئے ہیں' انتظار کی تو کوئی وجہ بھی نہیں ہے پھر جب اتنی اچھی لڑکی بھی مل گئی ہے تو میرا نہیں خیال کہ مزید تاخیر مناسب ہے''۔ مما نے پیار سے اسے سمجھایا تو شموئل نے منہ بنایا۔

''ماشاء اللہ سے عبیرہ پڑھی لکھی' سلجھی ہوئی' سلیقہ شعار لڑکی ہے اور ہمیں تو خوب جچتی ہے''۔ مما نے گویا خیالوں میں دونوں کو ساتھ دیکھتے ہوئے تعریف کی تو وہ اس نام پر چونک کر اٹھ بیٹھا۔

''کون؟ کس کی بات کر رہی ہیں آپ مما؟''

اس نے بے چینی سے پوچھا وہ کنفرم کرنا چاہ رہا تھا کہ اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے یا واقعی وہی سچ ہے جو اس کے کانوں نے سنا ہے۔

''عبیرہ کی بات کر رہی ہیں مما' ڈیڈی کے دوست حماد انکل کی بیٹی' ڈاکٹر عماد کی بہن' تمہاری پڑوسن' تمہاری کولیگ''۔ بھابی نے شرارت سے وضاحت کی تو اس کا منہ حیرت کے اس جھٹکے سے کھل گیا۔

''اچھی ہے نا عبیرہ؟'' بھابی نے اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''بالکل بھی نہیں''۔ شموئل نے سنجیدگی سے فوراً جواب دیا تو بھابی حیران ہوئیں۔

''کیوں کیا برائی ہے عبیرہ میں؟'' بھابی سے پہلے دروازے سے اندر آتے ڈیڈی نے اس کے اس منفی جواب پر سوال کر ڈالا تو وہ گھبرا کر پلٹا۔ ڈیڈی سنجیدگی سے جواب طلب نظریں شموئل پر جمائے کھڑے تھے وہ ان کا لاڈلا تھا مگر ایک حد تک' بے جا ضد تو انہوں نے کبھی اس کی پوری نہیں کی تھی۔

''بس یونہی وہ مجھے اچھی نہیں لگتی''۔

''ان دونوں جملوں کے علاوہ کوئی ٹھوس وجہ ہو انکار کی تو بتاؤ ورنہ خاموشی سے نکاح کی تیاری شروع

بکرے کی دعوے دار بن گئی۔

"ہم نے پہلے دیکھا ہے اسے"۔ شموئل کا بھی یہی دعویٰ تھا حالانکہ دونوں کی ایک ساتھ ہی نظر پڑی تھی وہ بھی اپنے ڈیڈی کے ساتھ بکرا لینے آیا ہوا تھا مگر کوئی بکرا اس کے معیار پر پورا نہیں اترا تھا اور جو اترا تھا اس پر عبیرہ قبضہ جمانے آ گئی تھی۔

"عبیرہ بیٹا! اتنے سارے بکرے ہیں یہاں کوئی اور لے لو"۔ بابا جو راستے میں ایک پرانے دوست سے ملاقات کرنے رک گئے تھے اس کی آواز پر ادھر آئے ان کا دوست بھی ان کے ساتھ آگے بڑھا۔

"نہیں بابا! میں نے یہی لینا ہے یہ میں نے پسند کیا ہے"۔ عبیرہ ضدی پن سے بولی تو شموئل نے اسے گھورا۔

"کوئی بات نہیں شموئل! یہ انہیں لینے دو ہم اور کوئی دیکھ لیتے ہیں"۔ بابا کے وہ دوست شموئل کے ڈیڈی نکلے جو کہ اسے بحث کرتا دیکھ کر آگے آئے تھے۔

"نہیں ڈیڈی! میں نے یہی لینا ہے یہ پہلے مجھے پسند آیا تھا"۔ شموئل نے ضدی انداز میں جیسے فیصلہ سنایا تو عبیرہ نے اسے گھورا۔

"بیٹا! ہم ادھر دیکھ لیتے ہیں نا دیکھو وہاں بھی تو اتنے سارے بکرے کھڑے ہیں"۔ بابا نے عبیرہ کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے گویا اسے بہلانا چاہا' جانتے تھے وہ کتنی ضدی تھی اس کا منہ لٹک گیا تھا۔

"ارے بچے' ناراض نہیں ہوتے یوں کرو آپ یہ بکرا لے لو ہم دوسری سائیڈ پر کوئی بکرا دیکھ لیتے ہیں"۔ شموئل کے ڈیڈی نے عبیرہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو شموئل کو سخت غصہ آیا۔

"شکریہ انکل! لیکن یہ بکرا آپ لے لیں' مجھے یہ نہیں لینا' بابا وہاں چلیں"۔ عبیرہ نے موڈ ٹھیک کرتے ہوئے فیصلہ بدلا تو بابا نے سکون کا سانس لیا اور دوست سے مصافحہ کر کے دوسری طرف بڑھے۔

"اچھا بھائی صاحب! تو اس بکرے کی قیمت......"

"ڈیڈی! میں نے یہ نہیں لینا"۔ ڈیڈی کا جملہ ادھورا رہ گیا' انہوں نے حیرت سے بیٹے کو دیکھا جس کے منہ پر بارہ بجے تھے۔

"کیوں اب کیا ہوا......؟" ڈیڈی نے حیرت سے استفسار کیا۔

"بس مجھے یہ پسند نہیں کہیں اور چلتے ہیں"۔ وہ رخ پھیر کے کھڑا ہو گیا۔

"شموئل! کیوں بچوں والی ضد کر رہے ہو"۔ انہوں نے خفگی سے کہا۔

"ڈیڈی! میں کسی کی چھوڑی ہوئی چیز نہیں لیتا' پھر یہ بکرا کیوں لوں"۔

"اگر آپ نہیں لے رہے تو پھر یہ بکرا ہم لے لیں؟" ڈیڈی کے کچھ بولنے سے پہلے ریڑھی والے صاحب نے سوال کیا تو ڈیڈی نے ایک نظر بیٹے پر ڈالی جہاں واضح لاتعلقی تھی۔

"جی ضرور"۔ ڈیڈی سائیڈ پر ہو گئے۔

"یعنی یہ بکرا ہمارا"۔ رفیق چچا اور سلیم نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے وہ متنازعہ بکرا فوراً خرید لیا تھا' وہ دونوں بھی بالآخر بکرے پسند کر کے گھر چلے گئے مگر اس بکرے کو اور جھگڑے کو نہیں بھولے۔ بدقسمتی سے ان کا متنازعہ بکرا سلیم نے لیا تو بڑی خوشی سے تھا مگر جب وہ ذبح ہوا تو اس بٹے کٹے بکرے کا گوشت باعث شرمندگی تھا' ان دونوں کو علم ہوا تو بے اختیار دونوں نے شکر کیا ورنہ سب سے انہیں سننی پڑتیں۔

"اس بار میں پہلے ہی اپنا بکرا لے آؤں گی"۔ پچھلی بکرا عید کا یہ واقعہ یاد آتے ہی اس نے عہد کیا۔

☆☆☆☆

عبیرہ کو خود سے کیا گیا عہد پورا کرنے کا موقع

بال سمیٹتے ہوئے سوچا۔ بے چینی بڑھی تو وہ بوڑ کرتا کر کار لے کر نکل آئی' کار کو سڑک پر بے مقصد دوڑاتے دوڑاتے بے اختیار کار کا رخ ایدھی سینٹر کی طرف ہو گیا جہاں وہ گذشتہ کئی سالوں سے جا رہی تھی ہر عمر کے معصوم' بے قصور' اپنوں کے دھتکارے لوگ اس سینٹر میں اپنی زندگی گزار رہے تھے' عبیرہ کو وہاں جا کر بہت اچھا فیل ہوتا تھا وہ ہر ماہ اپنی آدھی تنخواہ ان معصوموں کے لئے دے دیا کرتی تھی۔

جب شمول بلاوجہ گاڑی چلا کر تھک گیا اور بے چینی تمام نہ ہوئی تو وہاں چلا آیا جہاں ہر ماہ اپنی آدھی تنخواہ لے کے آتا تھا ایدھی سینٹر' ایک فرشتہ صفت انسان کا انسانیت کی خدمت کے لئے بنایا گیا ایسا ادارہ جہاں بے سہارا انسانوں کے ساتھ ساتھ جانوروں کے لئے بھی جگہ تھی۔ سینٹر سے واپسی پر سامنے سے گزر کے دروازے کی طرف جاتی عبیرہ کو دیکھ کر شمول کو حیرت سے چھائی بے سکونی ہوا ہو گئی۔

"یہ یہاں......" عبیرہ کو باہر جاتا دیکھ کر اس نے بے اختیار سوچا' گاڑی کا لاک کھولتی عبیرہ کی نظر شمول پر پڑی تو وہ ٹھٹک گئی۔

"یہ یہاں کیا یہ بھی" دروازے کے باہر اسے کھڑا دیکھ کر اس نے بے اختیار سوچا' اتنے میں وہ اپنی کار تک آ گیا تھا عبیرہ نے سوچتے ہوئے کار اسٹارٹ کی مگر یہ کیا کار اسٹارٹ نہ ہوئی اس نے پھر کوشش کی مگر بے سود۔ اپنی کار میں بیٹھے شمول نے یہ منظر دیکھا تو بے اختیار کار سے نکل کر اس تک آیا اور بونٹ کھول کر چیک کیا' کافی غور و فکر کے بعد بھی جب کوئی خرابی سمجھ نہ آئی تو بونٹ بند کر کے اس کی طرف آیا۔

"آپ کی کار کی پرابلم تو مجھے سمجھ نہیں آئی' اسے ورکشاپ بھیجنا پڑے گا اگر آپ کہیں تو میں آپ کو ڈراپ کر دوں"۔ شمول نرمی و سنجیدگی سے بولتا اسے یونیورسٹی کی پہلی ملاقات والا شمول لگا' وہ اثبات میں سر ہلا کر فرنٹ سیٹ پر آ کے بیٹھ گئی۔ سالوں بعد ایسا ہوا تھا کہ ان دونوں کا آمنا سامنا ہوا اور ان کے چہرے کے زاویے نہیں بگڑے تھے نہ ہی وہ دونوں لڑے یا بحث کی بلکہ عبیرہ خاموش تھی اور شمول اس کی اس سنجیدگی و خاموشی پہ اپنی مسکراہٹ دبا رہا تھا۔

"آپ بھی یہاں ہر ماہ اپنی ہاف پے دینے آتی ہیں"۔ راستے میں شمول نے خاموش بیٹھی عبیرہ سے پوچھا تو وہ تیزی سے اس کی طرف پلٹی۔

"آپ کو کیسے پتہ؟" وہ شمول کی بات پر حیران ہوئی تھی۔

"سب ہی جانتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں مگر ہم نے کبھی نہیں مانا کہ ہم دونوں کی سوچ' ہمارے نظریات' پسند نا پسند اور فیصلے ایک جیسے ہوتے ہیں"۔ شمول نے بولتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا جو خاموشی سے اسے سن رہی تھی' شمول نے ایف ایم آن کر دیا۔

"تو ضروری سا ہے مجھ کو زندہ رہنے کے لئے"۔ گانے کے بول پر کھڑکی سے باہر دیکھتی عبیرہ نے ایک نظر شمول پر ڈالی اور ایف ایم آف کر دیا وہ اس کی حرکت پر مبہم سا مسکرایا' تھوڑا آگے پہنچے تو ٹریفک بلاک ہو گئی' واپس پلٹنے کا بھی راستہ نہ رہا۔

"پتہ نہیں یہاں کتنی دیر ویٹ کرنا پڑے گا"۔ شمول نے گھڑی دیکھتے ہوئے باہر نظر ڈالی۔

"ایسا لگا مجھے پہلی دفعہ
تنہا میں ہو گئی یارا"

گانے کے بولوں پہ عبیرہ نے خفگی سے اس کی طرف گردن پھیری کہ اس نے پھر وہی گانا لگا لیا ہے مگر اس کے دیکھتے ہی شمول نے ہاتھ سے کھڑکی سے پار اشارہ کیا کہ گانا یہاں نہیں وہاں چل رہا ہے۔ عبیرہ نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔

"ایسا لگا مجھے پہلی دفعہ
تنہا میں ہو گئی یارا

کردو مزید میں کوئی فضول بحث نہ سنوں۔" ڈیڈی نے سنجیدگی سے اپنا حتمی فیصلہ سناتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے' پیچھے وہ تلملایا۔

"کیا تم کسی اور کو......" مما نے پوچھنا چاہا۔

"نہیں مما! ایسی کوئی بات نہیں ہے بس وہ مجھے اچھی نہیں۔" وہ جھنجھلا کر بولتا رک گیا' ریزن تو وہی تھا اس کے پاس جو ڈیڈی نے ناقابل قبول ٹھہرایا تھا' اس کی بات سن کر مما نے یوں کندھے اچکائے جیسے کہہ رہی ہوں کہ میں کیا کروں اب۔ مما اندر چلی گئیں اور وہ سر پکڑے وہیں بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆

"آخر میری شادی کی کیا جلدی ہے بابا کو شادی کے بغیر بھی تو زندگی سکون سے گزر رہی ہے نا۔" عبیرہ کو بابا کے فیصلے پر اعتراض ہوا تو اس نے بوا کے سامنے اس کا اظہار کردیا۔

"بیٹا! شادی تو آخر ہونی ہی ہے پھر یہ غصہ کیسا؟ یہ تو اٹل حقیقت ہے ان کے لیے تو آپ کو پہلے سے تیار رہنا چاہئے کہ ایک دن والدین کا گھر اور یہاں کی زندگی کی یادیں یہاں چھوڑ کر دوسرے گھر جانا ہے وہی تو آپ کا اصل گھر ہوگا۔" بوا نے اس کے غصے کے جواب میں اسے سمجھایا۔

"مگر بوا! میں ابھی۔"

"ابھی نہیں تو پھر کب کرو گی بیٹا' پڑھائی مکمل ہوگئی' آپ کی ضد پہ آپ نے نوکری بھی کرلی' جب اپنی بات منوائی ہے تو اب اپنے بابا کی بات بھی مانو نا' ان کی دلی خواہش ہے کہ اب آپ اپنے گھر کی ہوجاؤ تاکہ وہ عماد بیٹا کی دلہن بھی لاسکیں کیونکہ بیٹی سے پہلے وہ بیٹے کی شادی کبھی نہیں کریں گے' آپ نہیں جانتی عبیرہ بیٹا کہ آپ کے بابا آپ کے رشتے کے لیے کافی پریشان تھے مگر جب سے شمویل بیٹا کا رشتہ آیا ہے وہ تو جیسے ایکدم پرسکون سے ہوگئے ہیں۔ اتنا اچھا رشتہ' سوچنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں مگر پھر بھی انہوں نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا صرف آپ کی وجہ سے مگر انہیں امید ہے کہ آپ کو اعتراض نہیں ہوگا۔" بوا بول رہی تھیں اور ان کی باتوں نے اسے سوچنے پر مجبور کردیا۔ ماما کے بعد بابا نے اسے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی تھی بابا اور بھائی اس کی ہر چھوٹی سے چھوٹی خواہش پورا کرنے اپنا فرض سمجھتے تھے ان کے اتنے پیار کے بدلے میں انہیں وہ پریشانی دے رہی تھی وہ نادم سی سوچ رہی تھی۔

"مگر شمویل سے شادی' انکار کی کوئی سولڈ وجہ بھی تو ہو۔" وہ سر ہاتھوں پر گرائے سوچ رہی تھی۔

☆☆☆☆

شمویل رات بھر سو نہ سکا' صبح نا چاہتے ہوئے بھی آفس آگیا' آج خلاف معمول عبیرہ چھٹی پر تھی۔

"وہ آئی کیوں نہیں؟" اسے حیرت کے ساتھ تشویش نے ان گھیرا' پھر سارا دھیان اس کی طرف رہا' کام کی کوشش کی مگر بے سود۔

"کیا مسئلہ ہے یار! آج کام کرنے کا موڈ کیوں نہیں بن رہا۔" وہ بے بسی سے بڑبڑایا' عجیب بے چینی و بے قراری سی محسوس ہورہی تھی جسے وہ کوئی نام نہ دے سکا' بمشکل آدھا گھنٹہ بیٹھا پھر سر درد کا بہانہ کرکے چھٹی لے کر نکل آیا اور سڑک پر گاڑی دوڑاتا رہا۔

☆☆☆☆

رات بھر اسی ٹاپک پر سوچ سوچ کر سر درد کرنے لگا' ٹھیک سے سو بھی نہ سکی' اس لیے صبح آفس بھی نہیں گئی' بابا گھر پہ نہیں تھے' بھیا ہاسپٹل جاچکے تھے بوا اپنے کاموں میں مصروف تھیں ایسے میں وہ اکیلی بے چین سی تھی کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا آج تو بکرے کا ساتھ بھی خوشی نہیں دے رہا تھا یہ ٹائم جو کسی اور کا تھا۔

"پتہ نہیں آفس میں کیا ہورہا ہوگا۔" عبیرہ نے

جب وہ آفس گئی تو پہلے تو سب ان دونوں کے جلدی آنے پر حیران ہوئے پھر سب نے اسے مبارکباد دینا شروع کردی وہ حیران ہوئی کہ انہیں کیسے پتہ چلا میں نے تو کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔

"حیران پریشان مت ہو' ہمیں شموئل حیدر نے بتایا ہے تم تو اتنی بے مروت ہو بلانا تو دور بتایا تک نہیں"۔ اس کی کولیگ کرن شکوہ کررہی تھی شموئل حیدر کے نام پر اس نے چونک کے اردگرد دیکھا وہ اپنے کیبن کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا ادھر ہی دیکھ رہا تھا نظریں ملتے ہی وہ سٹپٹا گئی۔ شموئل جو کسی کام سے اپنی سیٹ سے اٹھا تھا دروازے سے اندر آتی عیبرہ کو دیکھ کر بے اختیار رک گیا' پورے تین دن بعد اسے دیکھا تو یوں لگا کہ اندر تک سکون کی لہر اتر گئی ہو' بلیک اینڈ ریڈ کنٹراسٹ کے خوبصورت سوٹ میں اونچی پونی بنائے' ایک کلائی میں میچنگ چوڑیاں دوسری میں نازک سا بریسلیٹ پہنے کانوں میں جگمگاتے تابیں ڈالے وہ اسے روزانہ سے الگ بڑی پیاری اور اپنی اپنی سی لگی' شموئل کو لگا کہ وہ آج اسپیشل تیار ہوکے آئی ہے حالانکہ وہ تو روز ایسے ہی تیار ہوتی تھی چوڑیاں اس کا بچپن کا شوق تھا' مگر کیونکہ آج شموئل کا دیکھنے کا انداز الگ تھا اس لیے اسے وہ مختلف لگ رہی تھی ماتھے پر برابر کٹے بال اس کے چہرے کو معصوم اور دلکش بنا رہے تھے سارے اسٹاف کے گھیرے میں مبارک وصول کرتی عیبرہ کے گالوں پر پھیلی حیا کی لالی اسے مزید حسن اور دلکشی بخش رہی تھی وہ یک ٹک اسے ہی دیکھے گیا اچانک عیبرہ نے نظر اٹھا کے اس کی طرف دیکھا اور فوراً ہی نظریں چرالیں وہ بے اختیار مسکرایا' آج سے پہلے اتنا غور سے کبھی نہیں دیکھا تھا' کچھ دیر بعد جب سب کاموں میں مصروف ہوگئے تو شموئل نے عیبرہ کے کیبن میں جھانکا انگلیوں میں پین پھیرتی سامنے دیکھتی وہ کہیں اور ہی پہنچی ہوئی تھی لبوں پر دھیمی مسکان رقص کر رہی تھی شموئل نے آگے بڑھ کر دھیرے سے کیلکولیٹر مانگا تو اس نے بے دھیانی میں قریب پڑا اسٹیپلر اس کی طرف بڑھا دیا جسے شموئل حیدر نے مسکراتے ہوئے تھام لیا۔

"میرے بارے میں اتنا مت سوچیں محترمہ! میں دل میں تو آتا ہوں پر سمجھ میں نہیں آتا"۔ وہ اپنی سوچوں میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے دھیان ہی نہ رہا تھا کہ کس نے کیا مانگا ہے اس نے بغیر دیکھے دے دیا تو وہ شرارت سے اس کے کان کے قریب آکے بولا تو عیبرہ نے چونک کر دیکھا۔

"آپ کو یہ خوش فہمی کب سے ہوگئی کہ میں آپ کے بارے میں سوچوں گی؟" عیبرہ نے بھنویں اچکاتے ہوئے تیکھی نظروں سے سوال کیا تو وہ مسکرایا۔

"اچھا تو پھر آپ اتنی دیر سے اتنی پیار بھری اسمائل کے ساتھ اپنے بکرے کو سوچ رہی تھیں کیا؟" شموئل کرسی کھینچ کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا تو وہ کھڑی ہوگئی۔

"میرا بکرا' میری سوچ' میری مرضی آپ کو کوئی پرابلم؟" دونوں ہاتھ دائیں بائیں کمر پر جمائے اس نے استفسار کیا تو شموئل نے غور سے اس کے اس انداز کو دیکھا۔

"ویسے میں سوچ رہا تھا کہ آپ......"

"میرے بارے میں بھی اتنا مت سوچیے میں دل میں بھی آتی ہوں' سمجھ میں بھی آتی ہوں مگر کسی کی باتوں میں نہیں آتی"۔ اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے عیبرہ نے خفگی سے اسے ٹوک دیا۔

"توبہ توبہ' اللہ مجھ پر کبھی اتنا برا وقت نہ لائے محترمہ کہ میں آپ کے بارے میں سوچوں"۔ شموئل آپ پر خاصا زور ڈالتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا تو عیبرہ نے اسے گھورا جبکہ وہ دلکشی سے مسکرایا۔

ہوں پریشان سی میں
اب یہ کہنے کے لئے
تو ضروری...... سا ہے مجھ کو...... زندہ رہنے کے لئے۔

کچھ سیکنڈز کے میوزک کے بعد گانے کے اگلے بول شروع ہو گئے۔ ڈرائیور نے شاید انتظار کی کوفت سے نکلنے اور اردگرد والوں کو بھی نکالنے کے لئے کافی اونچی آواز میں گانا لگایا ہوا تھا۔ عبیرہ گانے کے بولوں سے خاصی جز بز ہو رہی تھی پچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ ٹریفک نارمل ہونے میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگا اور اس آدھے گھنٹے میں ڈھیروں پیار محبت والے گانے سن سن کر عبیرہ ناک تک بھر چکی تھی۔

''شکر ہے''۔ آدھے گھنٹے بعد جب گاڑیاں کچھ رینگنا شروع ہوئیں تو عبیرہ نے بے اختیار شکر ادا کیا' شموئل کے لب مسکرا اٹھے۔

☆☆☆☆

اگلے روز ڈیڈی کے پوچھنے پر شموئل نے بعیداری سے ہاں کر دی' آخر عبیرہ میں کوئی برائی تو نظر نہیں آئی تھی عبیرہ نے بھی سب کچھ حالات و قسمت پر چھوڑ کر بابا کے فیصلے پر اپنی رضامندی دے دی۔

ان دونوں کا اقرار ملتے ہی شموئل کے والدین نکاح کی تاریخ لینے آ گئے۔

''عید کا دن کیسا رہے گا؟'' ڈیڈی نے چائے کے دوران پوچھا۔

''ہے تو ٹھیک مگر یار بکرا عید ہے' ڈھیروں کام ہوتے ہیں قربانی کے پھر رشتہ داروں کا آنا بھی مشکل ہو گا' سب قربانی میں جو مصروف ہوں گے''۔ بابا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو ڈیڈی نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

''اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا' پھر عید سے پہلے اسی ہفتے کا کوئی دن دیکھ لیتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے بوا؟'' ڈیڈی نے بوا سے بھی رائے مانگی۔

''بھئی میں تو یہی کہوں گی بیٹا کہ چار دن بعد جمعہ ہے اس مبارک کام کو مبارک دن ہی ہونا چاہئے''۔ بوا نے اپنی رائے دی۔

''جمعہ ٹھیک رہے گا''۔ ڈاکٹر بھیا نے بھی بوا کی بات کی تائید کی تو پھر نکاح کے لئے جمعہ فائنل ہو گیا سب تیاریوں میں لگ گئے' عبیرہ کو رہ رہ کر یہ فکر ستاتی رہی کہ شموئل تو مجھ سے لڑتا ہی رہتا ہے مجھے دیکھ کر اسے غصہ آ جاتا ہے پھر اس نے رشتے کے لئے ہاں کیوں کی؟ بوا عبیرہ کو کسی کام کو بھی ہاتھ لگانے نہیں دے رہی تھیں اور فارغ بیٹھ کر طرح طرح کے خیالات اور سوالات اس کے دماغ میں کھلبلی مچاتے رہے۔

☆☆☆☆

بالآخر چار دن بعد نکاح کا دن آ گیا' دونوں نے آفس میں کسی کو بھی نہیں بتایا تھا' شموئل نے یہ سوچ کر خود کو مطمئن کر لیا تھا کہ لڑکی اچھی ہے بس ذرا غصے والی ہے مگر اسے غصہ بھی تو میں ہی دلاتا ہوں' یونیورسٹی کی پہلی ملاقات میں ہی وہ اسے اچھی لگی تھی جب وہ یونی میں نئی نئی آئی تھی تب ہی نازک معصوم سی اسے اچھی لگی تھی۔ بعد میں جو کچھ ہوتا رہا اس میں تو دونوں برابر کے شریک تھے۔ پھر آخر شموئل نے چار دن پہلے کی ملاقات کو سوچتے ہوئے اور عبیرہ نے ذہن میں اچھلتے سوالوں سے الجھتے ہوئے نکاح نامے پر سائن کر دیئے' پل میں وہ عبیرہ حماد سے عبیرہ شموئل حیدر بن گئی تھی' ڈیڈی اور بابا بہت خوش تھے کہ دوستی اور ہمسائیگی کے ساتھ ایک اور رشتہ بھی جڑ گیا ہے۔ پھر عید کے بعد رخصتی' سب تیاریوں میں لگ گئے۔

☆☆☆☆

نکاح کے اگلے روز بوا نے عبیرہ کو آفس نہ جانے دیا' نجانے کیا منطق تھی ان کی کہ نظر لگ جاتی ہے' دو دن مت باہر نکلو' دوسرے دن ویسے ہی اتوار تھا پیر کو

ٹوٹ گیا تھا کہ اس روز اس گانے سے عبیرہ چڑ رہی تھی اس لئے وہ اب بھی گانا اسے ستانے کے لئے بار بار پلے کرر ہا تھا عبیرہ کو ستانے میں اسے مزا آرہا تھا کیوں نہ ستاتا آخر اس کا حق تھا' کوئی غیر تھوڑی تھی وہ اس کی اپنی ذاتی اکلوتی منکوحہ تھی جو کہ شاید اس سے کچھ بدگمان بھی تھی اب بس کسی طرح سے جلداز جلد وہ اس کی بدگمانی مٹا کر اس کے ہونٹوں پر ہنسی کے پھول اور اس کی نظروں اور دل میں اپنی محبت کا عکس دیکھنا چاہتا تھا۔ شموئل کو کب کیسے عبیرہ سے محبت ہوگئی اسے پتہ ہی نہیں چلا' اتنے سالوں سے وہ ایک دوسرے کے عادی ہو چکے تھے اسی لئے تو اس روز ایک دوسرے کو دیکھے بغیر' ایک دوسرے سے الجھے بحث کئے بغیر بے چین ہو گئے تھے اب بس شموئل کو اس محبت کا اظہار کرنا تھا تا کہ عبیرہ کی فکریں دور ہوں اور اس کے دل میں چھپی محبت سامنے آجائے۔

☆☆☆☆

عید کی صبح عبیرہ کے جاگنے سے پہلے ہی بوا ماسی کے ساتھ ساری صفائی کر چکی تھیں وہ ناشتے کے لئے کچن میں آئی۔

''بیٹا' سارے کام ہو گئے ہیں آپ جلدی سے تیار ہو جاؤ آپ کے بابا اور بھیا نماز پڑھ کر بس آتے ہی ہوں گے پھر سب اکٹھے ناشتہ کریں گے''۔ بوا اسے کچن سے نکال کر لاؤنج میں لاتے ہوئے بولیں تو عبیرہ نے منہ بنایا۔

''بوا ناشتے کے بعد چینج کروں گی نا''۔ اس نے ذرا سستی سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا' دراصل شام کو وہ شموئل کی مما اور بھابی کے ساتھ شاپنگ پر گئی تھی انہوں نے مہندی بھی لگوائی واپسی خاصی لیٹ ہوئی تھی کاموں سے فارغ ہو کر سوتے سوتے دیر ہو گئی۔

''ارے کیا سب کے آنے تک یونہی سر جھاڑ منہ پھاڑ حلئے میں پھرتی رہو گی' کچھ تو خیال کرو بیٹا' کوئی آجائے تو کیا سوچے گا چلو شاباش اب جلدی سے اچھا سا تیار ہو جاؤ' پھر کچھ وقت اپنے بکرے کے ساتھ بھی تو گزارنا ہے نا آپ نے''۔ بوا نے اسے سمجھاتے ہوئے اس کے کمرے میں دھکیلا' پھر جب وہ تیار ہو کے دوپٹہ سنبھالتی کمرے سے باہر نکلی تو اسی وقت تایا اور بھیا کے ساتھ شموئل اس کے ڈیڈی اور بھیا لاؤنج میں داخل ہو رہے تھے' بابا اسے دیکھ کر مسکرائے تو وہ دوپٹہ سر پر ڈالتی ان کی طرف بڑھی۔ عبیرہ بابا کے گلے لگی تو اسے بابا کی یاد آ گئی' ہمیشہ جب بابا عید کی نماز پڑھ کے آتے تھے تو کچن میں کام کرتی عبیرہ آ کے بابا کے گلے لگ جاتی تھی اور ماما غصہ کرتی تھیں کہ بابا کے کپڑوں سے بھی مصالحوں کی بو آئے گی چینج کر کے عید ملنا مگر وہ ماما کی ایک نہ سنتی تھی آج جب وہ پہلی بار چینج کر کے عید ملی تھی تو ماما یہ دیکھنے کے لیے ان کے ساتھ نہ تھیں۔ عبیرہ کے گلے لگتے ہی بابا کی آنکھیں بیٹی کے پرائے ہونے کے خیال سے نم ہو گئیں آئندہ عیدوں پر وہ انہیں یہاں نہیں ملے گی یہ خیال ہی دکھی کر دینے والا تھا' وہ اسے ساتھ لپٹائے کھڑے رہے' حیدر انکل نے بابا کے کندھے کے گرد بازو حمائل کر کے انہیں حوصلہ دلایا تو بابا نے چونک کر اپنے آنسو صاف کیے۔

''ابھی صرف عید ملو عبیرہ' رخصتی کچھ دنوں بعد ہے''۔ حماد بھیا نے اسے بابا سے الگ کرتے ہوئے شرارت سے کہا تو اس نے شپٹا کے آنسو صاف کرنے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔

''دھیان سے کاجل پھیل گیا تو اور ڈراؤنی لگو گی''۔ عماد بھائی نے شرارت سے ٹوکا تو نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتی بھیا کے گلے لگ گئی' بھیا نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پیشانی چومی تو شموئل بہن بھائی کے پیار پر مسکرایا۔

"آپ نے کیوں اور کس سے پوچھ کے سب کو نکاح کا بتایا؟" اچانک یاد آنے پر عبیرہ نے خفگی سے سوال کیا۔

"سب آپ کی مسلسل غیر حاضری پر پریشان تھے لہٰذا میں نے بتا دیا' بٹ ڈونٹ وری ابھی یہ نہیں بتایا کہ آپ کا نکاح کس کے ساتھ"۔

"شموئل حیدر آپ کو سر روم میں بلا رہے ہیں"۔ کرن نے گزرتے ہوئے پیغام دیا تو اس کی بات ادھوری رہ گئی وہ مسکرا کر دیکھتا باہر نکل گیا' کچھ دیر بعد اس کا بھی بلاوا آ گیا۔

"آؤ آؤ' عبیرہ بچے...... مبارک ہو بہت بہت' بھئی آپ نے شموئل کو تو بلا لیا مگر ہمیں نہیں بلایا مگر پھر بھی ہم نے نکاح کی خوشی میں پورے اسٹاف کو مٹھائی کھلائی"۔ عبیرہ سر کے روم میں داخل ہوئی تو اس کو دیکھ کر سر خوش دلی سے بولے وہ شرمندہ ہو گئی۔

"سوری سر! ایکچوئیلی اتنا جلدی سب ہوا کہ"۔ وہ بہانا بنانا چاہ رہی تھی' شموئل کی موجودگی اسے سر کے سامنے نروس کر رہی تھی۔

"اٹس اوکے بچے شادی پہ تو بلاؤ گی نا؟" سر نے مسکرا کر شرارت سے پوچھا تو شموئل نے بھی اس کی طرف دیکھا وہ مزید نروس ہو گئی۔

"ڈونٹ وری سر! انہوں نے نہ بلایا تو میں آپ کو انوائٹ کرلوں گا آخر کو ففٹی پرسنٹ کا پارٹنر ہوں گا اس فنکشن کا"۔ شموئل کے کہنے پر سر نے حیرت سے انہیں دیکھا وہ اس کی ذومعنی بات کا مطلب سمجھنا چاہ رہے تھے۔

"مسٹر اینڈ مسز شموئل حیدر"۔ شموئل نے بولتے ہوئے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے اپنی پھر عبیرہ کی طرف اشارہ کیا تو سر حیرت سے مسکرائے۔

"واؤ گریٹ...... مگر پہلے کیوں نہیں بتایا؟" سر نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"دراصل پہلے میں نے اپنی بیگم صاحبہ سے اجازت نہیں لی تھی نا"۔ شموئل نے سر کھجاتے ہوئے شرارت سے کہا تو نظریں جھکائے بیٹھی عبیرہ چونکی اور اس کی طرف مڑی۔

"سر! یہ جھوٹ بول رہے ہیں میں نے انہیں ایسا کچھ بھی......" عبیرہ نے خفگی سے اس کی طرف دیکھ کر بولتے ہوئے سر کی طرف دیکھا تو سٹپٹا کے خاموش ہو گئی سر بند مٹھی لبوں پر جمائے مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے عبیرہ نے ماتھے سے نادیدہ پسینہ صاف کیا شموئل بھی ہنس رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی سر!" وہ نظریں جھکائے بولتی تیزی سے اٹھ کے جانے لگی تو اس کی کلائی شموئل کے ہاتھ میں آ گئی عبیرہ نے پلٹ کے اس کی طرف دیکھا۔

"محترمہ! کچھ دیر تو بیٹھیں نا ابھی سر چائے اور سموسے منگوانے لگے ہیں"۔ شموئل نے شرارت سے بولتے ہوئے سر کی طرف دیکھا۔

"اوں ہوں' آئندہ کے خبردار جو ہماری بچی کو تنگ کیا"۔ سر نے مسکرا کر مصنوعی غصے سے شموئل کو تنبیہ کی تو عبیرہ خفگی سے اپنی کلائی چھڑا کر باہر بھاگی' پیچھے دونوں کا بلند قہقہہ سنائی دیا۔

"ویسے ماشاء اللہ! جوڑی بہت زبردست ہے تم دونوں کی' اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے"۔ سر نے خلوص دل سے تعریف کرتے ہوئے دعا دی تو اس نے بھی آمین کہا۔

☆☆☆☆

اسی دن آفس سے عید کی چھٹیاں ہو گئیں' عید کو صرف دو دن رہ گئے تھے۔

"تو ضروری سا ہے مجھ کو زندہ رہنے کے لئے"۔ عبیرہ کو کمرے میں آئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ٹیرس کے اس پار شموئل کے کمرے سے گانے کی بلند آواز آئی تو عبیرہ نے خفگی سے اس کی کھڑکی کو دیکھا' کل سے یہی ہو رہا تھا' یہ گانا بار بار عین اسی ٹائم پلے ہوتا جب وہ کمرے میں ہوتی' شموئل نے

سن رہی تھی اس کی بات پر۔

"آپ اتنی اچھی ہیں تو نہیں"۔ گھور کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ نے تو اس روز دعا کی تھی کہ آپ پر ایسا وقت نہ آئے کہ آپ میرے بارے میں سوچیں پھر کیوں سوچا"۔ شمویل کی بات کاٹ کر اس نے خفگی سے پوچھا احتیاطاً اس کی کہی بات میں سے برا حذف کرلیا۔

"بس ہر دعا کہاں قبول ہوتی ہے قسمت میں آپ کی بے رخی سہنا لکھی تھی سہہ رہا ہوں ویسے مجھے پتہ ہے کہ آپ کا یہ غصہ اور ناراضی میرے ان اعمال کے رد عمل ہیں جو کہ حالات کے باعث سرزد ہوئے ورنہ آپ ایسی نہیں ہیں آپ کے اندر کی عبیرہ تو وہ ہے جس سے میری ملاقات یونیورسٹی فیس کے رش میں ہوئی تھی اور میں بھی بالکل جھگڑالو نہیں ہوں میں Pisces ہوں اور Pisces بہت فرینڈلی نیچر کے ہوتے ہیں"۔ وہ ساری ٹہنیاں سمیٹتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی، جھگڑالو میں بھی نہیں ہوں میں بھی Pisces ہوں اور Pisces بہت شریف ہوتے ہیں"۔ عبیرہ نے اسی کے انداز میں کہا تو وہ ہنسا۔

"او تو اس کا مطلب ہم دونوں Pisces یعنی two pisces together a soulful connection لائف اچھی گزرے گی جب مل بیٹھیں گے Pisces دو"۔ وہ خوش دلی سے چہکا تو وہ دوسرے گملے کی طرف بڑھ گئی۔

"ارے مسز! اب تو سب کلیئر ہوگیا اب یہ نو لفٹ کا بورڈ کیوں؟ آپ کی خاموشی کو ہم کیا سمجھیں انکار یا اقرار؟ کچھ وضاحت تو کیجیے بندہ ناچیز منتظر ہے؟" وہ بولتا ہوا اس کے پاس آیا۔

"جا کے لے جا بھگا کے لے جا"۔

باہر کسی نے گانا چلایا تھا وہ جو اس کے جواب کا منتظر تھا گانے کے بولوں پر غور سے اس کا چہرہ دیکھا، وہ خود کو پودوں میں مصروف ظاہر کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

"کہیں یہ آپ کے دل کی آواز تو نہیں محترمہ جو زیادہ دبانے سے باہر آگئی ہے"۔ وہ بولتا ہوا اس کی طرف جھکا تو وہ ہڑبڑا کے آگے بڑھی مگر اس کی کلائی شمویل کے ہاتھ میں رہ گئی۔

"آپ کی کلائیاں سونی بالکل اچھی نہیں لگتیں مسز شمویل حیدر"۔ اس کے ڈریس کی ہم رنگ چوڑیاں اس کی کلائی میں ڈالتا وہ پیار سے بول رہا تھا، عبیرہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"اتنا اچھا تو ہے یہ...... اوں ہوں، اتنے اچھے تو ہیں یہ اور میں خواہ مخواہ اتنی پریشان ہو رہی تھی"۔ بے اختیار عبیرہ نے سوچا اور خود کو سرزنش کی اور پھر اپنی سوچ پر مسکرائی۔

"آئی نو میں ہوں ہی بہت اچھا کیونکہ میں Pisces جو ہوں"۔ آخری چوڑی کلائی میں ڈالتا وہ معصومیت سے بولا تو اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا؟" وہ حیران ہوئی کہ اس نے اس کی سوچ کیسے پڑھ لی؟

"کیا...... یہ کہ میں اچھا ہوں یا میں Pisces ہوں"۔ وہ انجان بنا حالانکہ سمجھ گیا تھا۔

"اب اتنے معصوم بھی مت بنیں، کیونکہ آپ اتنے معصوم ہیں نہیں"۔ وہ اس کے جواب پہ تیزی سے بولی تو وہ ہنسا۔

"خیر اتنی معصوم آپ بھی نہیں جتنی بنتی ہیں"۔ اس نے ہنستے ہوئے اس کی بات پلٹی تو اس نے گھورا۔

"ساری باتیں کرلیں مگر ایک عید مبارک نہیں کہا آپ نے اب تک مجھے"۔ شمویل نے شکوہ کیا تو عبیرہ نے نظریں چرائیں۔

"آپ نے بھی تو نہیں کہا اور نہ ہی عیدی دی ہے"۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا، ساتھ ہی اس

''بھئی شموئل! آئندہ عیدوں پر نماز پڑھ کے تو را
عبیرہ کو ہم سے ملوانے لایا کرنا اس سے عید ملے بغیر ہم کچھ نہیں کھاتے''۔ بھیا نے عبیرہ کو ساتھ لگائے شموئل کو مخاطب کیا تو اس نے غور سے بھیگی آنکھوں والی عبیرہ کو دیکھا۔

''جی ضرور' انشاء اللہ''۔ شموئل نے تابعداری سے سر ہلایا تو سب ہنسنے لگے سب سے عید مل کے عبیرہ کچن میں چلی گئی' اتنے میں شموئل کی مما اور بھابی ناشتہ لے کے آ گئیں۔

''ہم نے سوچا عید کا ناشتہ سب ایک ساتھ کریں گے''۔ مما نے عبیرہ سے عید ملتے ہوئے بتایا تو عبیرہ مسکرائی' پھر جلدی سے بھابی کے ساتھ ٹیبل پر ناشتہ لگایا' ناشتے کے دوران سب ہنسی مذاق کرتے رہے۔

☆☆☆☆

''دس از ناٹ فیئر مسز شموئل حیدر!'' عبیرہ ٹیرس پر منی پلانٹ کی بیل کی ٹہنیاں ٹھیک کر رہی تھی جب اپنے قریب شموئل کی آواز پر چونکی اور تیزی سے پلٹی۔

''آپ یہاں...... یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' عبیرہ اسے اپنے روم کے ٹیرس پر دیکھ کر حیران ہوئی کہ وہ تو سب کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھا تھا۔

''ہم یہاں اس بات کا جواب لینے آئے ہیں کہ آپ سب سے تو اتنے پیار سے عید ملیں اور ہمیں نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئیں سوکھی مبارک بھی نہیں دی محترمہ! اس اقرباء پروری کی وجہ''۔ وہ بازو سینے پر باندھے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا معصومیت سے پوچھ رہا تھا' عبیرہ نظریں چراتے ہوئے دوبارہ کام میں لگ گئی۔

''آپ جائیں یہاں سے کوئی آ جائے گا''۔ عبیرہ نے منی پلانٹ کے ساتھ الجھتے ہوئے اسے جانے کا کہا۔

''تو آ جائے' مجھے کسی کا ڈر نہیں میں کسی غیر سے نہیں اپنی اکلوتی منکوحہ سے ملنے یہاں آیا ہوں' جسے مجھ سے زیادہ اپنے منی پلانٹ میں انٹرسٹ ہے''۔ شموئل نے سنجیدگی سے بولتے ہوئے آخر میں طنز کیا تو وہ اس کی طرف مڑی۔

''آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟'' وہ شکن آلود پیشانی کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

''اگر یہی سوال میں آپ سے پوچھوں کہ آخر آپ کی اس بے رخی کی وجہ کیا ہے؟ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے خفا ہیں میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے خفا کیوں ہیں؟ آپ خوش کیوں نہیں ہیں؟'' وہ اس کے سپاٹ چہرے کو نظروں کے حصار میں لیے گھمبیر لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''میرے اور آپ کے درمیان ایسا کوئی فرینڈلی ریلیشن تو رہا نہیں کہ میں اس رشتے پر خوش ہو جاؤں' نہ یونیورسٹی میں اور نہ ہی آفس میں ہمارے درمیان ایسی کوئی انڈر اسٹینڈنگ رہی جس کی وجہ سے آپ نے پرپوزل بھیج دیا''۔ وہ خفگی سے جواب طلب کر رہی تھی شموئل چونکا تو یہ بات ہے۔

''میں مانتا ہوں کہ ہمارے درمیان کبھی ایسا کچھ اچھا نہیں رہا مگر یہ پرپوزل ٹوٹلی ڈیڈی کی مرضی سے آیا تھا مجھے تو بعد میں معلوم ہوا جس پر میں نے اعتراض بھی کیا مگر......'' شموئل کہہ رہا تھا وہ چونکی۔

''تو کیا آپ زبردستی......'' اس نے کہنا چاہا۔

''زبردستی تو نہیں ایکچو یلی ڈیڈی نے کہا کہ انکار کا کوئی سولڈ ریزن دوں میں نے آپ کے بارے میں بہت سوچا مگر کوئی بات قابل اعتراض نہیں ملی ویسے آپ اتنی اچھی ہیں تو نہیں مگر جب میں نے آپ کو سوچا تو آپ مجھے اچھی لگنے لگیں مجھے نہیں پتہ ایسا کیسے ہوا بس ہو گیا آپ کو ستانا آپ کو دیکھنا اچھا لگنے لگا اور آپ کے بغیر سب کچھ فضول''۔ شموئل آگے بڑھ کر اس کے منی پلانٹ کی ٹہنیاں ٹھیک کرتے ہوئے بتا رہا تھا' وہ جو غور سے اس کی بات

نے زبان دانتوں میں دبا کے رخ پھیر لیا خیال آیا کہ یہ میں نے کیا کہہ دیا ہے۔

''اچھا تو آپ میرے وش کرنے کی منتظر ہیں محترمہ اب سمجھا یہ غصہ یہ خفگی اس لیے تھی اور میں خواہ مخواہ پریشان ہوتا رہا''۔ وہ بولتا ہوا زور سے ہنسا تو اس نے اپنی بے اختیار زبان کو کوسا کیا ضرورت تھی بولنے کی۔

''اچھا تو میری شریف Pisces محترمہ آپ کو بکرا عید مبارک ہو''۔ وہ شرارت سے بولتا اس کے سامنے آیا تو وہ شرما گئی۔

''میری سب سے قیمتی چیز میرا دل تو آپ پہلے ہی چرا چکیں اب اس سے بڑھ کر آپ کی عیدی کیا ہوگی محترمہ کہ بندہ پورے کا پورا آپ کا ہو گیا ہے''۔ اس کے ہاتھ تھامے وہ عاجزی سے بولا تو عبیرہ کے گالوں پر حیا کی لالی پھیل گئی۔

''ویسے میں تیار ہو کے بڑا پیارا لگ رہا ہوں ایک سیلفی تو بنتی ہے نا''۔ اس کے ہاتھ چھوڑ کر بائیں ہاتھ کی انگلیاں اپنے گھنے بالوں میں پھیرتے ہوئے دائیں ہاتھ سے موبائل کا فرنٹ کیمرہ آن کرتا ہوا وہ بولا تو عبیرہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''تو بنا لیں''۔ عبیرہ اس کے قریب کھڑی چوڑیاں کلائی میں گھمائی کندھے اچکاتے ہوئے بے نیازی سے بولی تو شموئل نے مسکرا کر اس کے کندھے کے گرد بازو پھیلایا۔ شموئل کی اس اچانک جسارت پر عبیرہ نے ایک دم سر اٹھا کے اسے دیکھا اسی پل کیمرے نے یہ خوبصورت منظر محفوظ کر لیا۔ شموئل عبیرہ کے کندھے کے گرد بازو حمائل کیے کیمرے کی آنکھ میں آنکھ ڈالے مسکرا رہا تھا اور چوڑیوں پر ہاتھ رکھے عبیرہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ابھی اتنا حق تو ہمارا بنتا ہے نا محترمہ رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے''۔ وہ عبیرہ کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتا شرارت سے بولا تو اس نے شرم سے نظریں جھکا لیں اسی پل شموئل نے اسکرین ٹچ کر کے ایک اور خوبصورت پل کیمرے میں مقید کر لیا۔

''بہت اچھی''۔ وہ تصویر غور سے دیکھتا ہوا بولا تو عبیرہ نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

''آئی نو میں ہوں ہی اچھی کیونکہ میں Pisces ہوں''۔ وہ کھنکتے لہجے میں بولتی ایکدم اس کے بازو کے حصار سے نکلی تو شموئل نے خوشگوار حیرت سے مسکرا کر اسے دیکھا' رائل بلیو خوبصورت ڈریس میں کھلے لمبے بالوں کے ساتھ پورے دل سے مسکراتی وہ سیدھی اس کے دل میں اتر رہی تھی شموئل نے مسکرا کر آگے بڑھتے ہوئے اس کی کلائی تھامی۔

''فرینڈلی Pisces ہسبینڈ بکرا عید مبارک ہو''۔ وہ شرارت سے ہنستے ہوئے بولتی ہاتھ چھڑا کر دروازے کی طرف بھاگی تو وہ اس کی اس حرکت پر کھل کے ہنسا۔

''تو ضروری سا ہے مجھ کو زندہ رہنے کے لیے''۔ عبیرہ کا شرارتی انداز شموئل کو فریش کر گیا' عبیرہ کی دل کی خوشی اس کے ہر انداز سے چھلک رہی تھی وہ مسکراتا گنگناتا سیڑھیاں اتر کے لاؤنج میں آیا تو اس کی نظر بھابی کے پاس بیٹھی ان کی کسی بات پر شرماتی عبیرہ پر پڑی۔ عبیرہ کے آنے سے شموئل کی زندگی میں رونق آ گئی تھی اس کے اس خوبصورت انداز میں عید کی مبارک دینے سے اس کی عید کی خوشی دوگنی ہو گئی۔ شموئل نے بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اس کے لیے عبیرہ جیسا خوبصورت ہمسفر منتخب کیا جس کے آنے سے اس کی زندگی میں بہار آ گئی حالانکہ وہ تو اس رشتے پر اعتراض کر رہا تھا مگر سچ ہے کہ اللہ بندے کی بہتری بندے سے بہتر جانتا ہے۔

☆☆......☆☆......☆☆



مہرین کنول

افسانہ

عیدِ قرباں

''امی! آپ میرے لئے کتنی پیاری چوڑیاں لائی ہیں اس میں ڈسکو بھی لگی ہوئی ہے میرے کپڑوں سے میچنگ بھی کر رہی ہے''۔ دس سالہ جھرنا چہکتی ہوئی غریدہ سے کہہ رہی تھی غریدہ جھرنا کو خوش دیکھ کر ہنس رہی تھی اتنے میں باہر سے باقی دونوں بچے بارہ سالہ بجیل اور گیارہ سالہ عقیل اندر داخل ہو کر غریدہ کے پاس بھاگتے ہوئے آئے۔

''امی امی آج ہم محلے کے پنڈال میں گئے تھے ایسے ایسے گائے اونٹ بکرے اور بھیڑ دیکھے ہیں سب محلے والے ہر سال بقرہ عید پر جانور قربان کرتے ہیں مگر ہم نے پچھلے سال اور اس سال سے پچھلے سال جانور کی قربانی نہیں کی آپ بتائیں اس سال ہم جانور قربان کریں گے یا نہیں''۔ بجیل نے حسرت سے پوچھا تھا۔

''کیوں نہیں بیٹا! اس سال ہم بھی قربانی کریں گے''۔ غریدہ نے پیار سے بجیل کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔

''لیکن اس بقرہ عید کو پندرہ دن رہ گئے ہیں بکرا تو آیا نہیں ہے ہمارے گھر ابھی تک''۔ عقیل نے اس بات پر توجہ کرائی تھی۔

''بیٹا! میں نے بیسی ڈالی ہے بیس ہزار کی فریحہ بیسی والی نے مجھے بیس ہزار 10 تاریخ کو دینے کا وعدہ کیا ہے اور 20 تاریخ کو عید ہے آج 5 تاریخ ہے میں فریحہ کے پاس جاؤں گی ابھی تم اپنے عید کے کپڑے دیکھ لو آج بازار سے تم تینوں بہن بھائیوں کے لئے شاپنگ کی تھی''۔ غریدہ اپنے تینوں بچوں کو پیار سے بولی تھیں۔

''اللہ کا شکر ہے امی ہر سال آپ ہمارے عید کے کپڑے تیار رکھتی ہیں اب اس دفعہ بکرا بھی آئے گا تو بڑا مزہ آجائے گا''۔ بجیل نے بے اختیار غریدہ سے کہا تھا۔

☆☆☆☆

غریدہ کے شوہر انیس صاحب گورنمنٹ کی نوکری سے ریٹائرڈ ہو چکے تھے ہر مہینے ان کی مناسب پنشن آجایا کرتی تھی جس سے ان کا گھر چلتا تھا غریدہ نے گھر کا نظام درست طریقے سے چلانے کے لئے سلائی مشین سنبھالی ہوئی تھی آج وہ اپنے بچوں کی فرمائش پوری کرنے کے لئے فریحہ کے گھر گئی تھیں۔

''ارے غریدہ! تو یہاں؟ میں تمہارے ہی گھر آنے والی تھی''۔ فریحہ نے اچانک آنے والی غریدہ کو دیکھ کر کہا تھا۔

''کیوں خیریت فریحہ بہن''۔ غریدہ نے دل پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تھا کیونکہ اس کا دل انجانے خوف سے دھڑکا تھا۔

''کیا بتاؤں تم رشیدہ خالہ کو تو جانتی ہو ان کے بیٹے کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے لیکن وہ بے گناہ ہے اس کو

چھوڑنے کے لیے پولیس بیس ہزار روپے طلب کر رہی ہے' میں بیس ہزار روپے رشیدہ خالہ کو دینا چاہ رہی تھی''۔ فریحہ نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

''ہرگز نہیں فریحہ بہن! میں اپنے بچوں کو اس عید پر خوشی دینا چاہتی ہوں' اس دفعہ قربانی کا جانور ضرور خریدا جائے گا' میں یہ 20 ہزار روپے کسی کو نہیں لینے دوں گی''۔ غریدہ دوٹوک لہجے میں کہہ کر اپنے گھر آگئیں۔ تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی گھر آئے ہوئے کہ رشیدہ خالہ بھی آدھمکیں۔ رشیدہ خالہ کو اپنے سامنے دیکھ کر غریدہ کے ماتھے پر شکنیں پڑی تھیں' تینوں بچے لوڈو کھیل رہے تھے وہیں پر غریدہ اور رشیدہ خالہ کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئی تھیں۔

''دیکھو غریدہ! میرے بیٹے کی زندگی کا سوال ہے تم تو پولیس والوں کی عادت سے واقف ہو' میرا بیٹا بے گناہ ہے' تم بیس ہزار مجھے دے دو نہیں تو پولیس اسے کسی نہ کسی کیس میں ڈال دے گی اور میں اپنا بیٹا کھو دوں گی' تم اپنے پیسوں کی قربانی دے دو' میں تمہارے آگے بھیک مانگتی ہوں''۔ رشیدہ خالہ روتے ہوئے غریدہ سے فریاد کر رہی تھیں' گویا سوالی ہوں۔

''لیکن خالہ! اگر اس دفعہ قربانی نہ کی تو میرے بچوں کی عید کی خوشی ماند پڑ جائے گی''۔ غریدہ نے وجہ بیان کی۔

''امی! کوئی بات نہیں آپ بیس ہزار روپے خالہ کو دے دیں ہمارے روپے کی قربانی دے کر ان کے بیٹے کو زندگی ملتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوگا''۔ جمیل' عقیل اور جھرنا نے ان کی گفتگو سن لی تھی۔ اپنے بچوں کی بات سن کر غریدہ نے رشیدہ خالہ کو 20 ہزار روپے دینے کی ہامی بھر لی اور رشیدہ خالہ دعائیں دیتیں لوٹ گئیں۔ شام ہو چلی تھی' انیس صاحب رسی

نکڑ کے گھر میں داخل ہوئے رسی سے بندھے بکرے کو پکڑے انہیں کو دیکھ کر غریدہ حیران رہ گئیں۔

''بکرا آگیا' بکرا آگیا''۔ تینوں بچے خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔

''آپ یہ بکرا کیسے لائے؟'' غریدہ نے حیرانی سے انیس سے بکرے کی بابت پوچھا تھا۔

''غریدہ بیگم! میں آپ کو اور بچوں کو سرپرائز دینا چاہتا تھا' میں نے اپنی پنشن سے کچھ پیسے بچانے شروع کر دیئے تھے' بس اسی پیسوں سے لایا ہوں''۔ انیس صاحب خوشی سے بتا رہے تھے۔

''سرپرائز تو میں بھی دینا چاہتی تھی میں نے بیسی ڈالی تھی جو بیس ہزار کی تھی''۔ پھر رشیدہ خالہ کی روداد سے لے کر اپنے بیس ہزار روپے دینے تک کی داستان کہہ ڈالی جسے سن کر انیس صاحب مسکرائے اور کہا۔

''غریدہ بیگم! اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے کام آتا ہے اور اپنی خوشی قربان کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ خوش ہو کر قربان کی ہوئی خوشی بھی لوٹا دیتا ہے' اسی کا تو کہنا ہے کہ

''اے بندے ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے ہوگا وہی جو میری چاہت ہے' پس تو قربان کر دے اپنی چاہت کو اس پر جو میری چاہت ہے پھر میں وہ بھی دے دوں گا جو تیری چاہت ہے' اگر تو نے ایسا نہ کیا جو میری چاہت ہے تو میں تھکا دوں گا تجھے اس پر جو تیری چاہت ہے پھر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے''۔ یہ سن کر غریدہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ اللہ کے حضور سجدے میں گر گئیں۔

☆☆......☆☆......☆☆





شہلا گل سحر صالح

افسانہ

نیت

''اماں! کیا اس سال بھی ہم قربانی نہیں کریں گے؟'' اپنی اسائنمنٹ تیار کرتی ایشل نے اچانک اماں سے سوال کیا۔ جو دال سے کنکر چن رہی تھیں۔

''گھر کے حالات دیکھ کر تمہیں لگتا ہے کہ ہم قربانی کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔'' اماں نے ایک پل اپنی مصروفیت ترک کر کے تاسف سے اسے دیکھا تو وہ شرمندہ ہوگئی۔ واقعی گھریلو حالات تو کافی عرصے سے ابتری کا شکار تھے۔ ہر سال بقرعید پر اس کا دل مچلتا تھا کہ ان کی ذاتی قربانی ہو، گوشت کے لیے ان کی نگاہیں دروازے پر نہ ہوں بلکہ وہ لوگ خود بانٹنے والوں میں شمار ہوں مگر ہر سال حالات اس کی اس خواہش کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیتے۔

ایشل رضا نے بچپن سے ان حالات کا سامنا کیا تھا۔ اس کے والد رضا ہمدانی نے اپنی غیر مستقل مزاجی اور کاہلی کی وجہ سے کہیں ڈٹ کے کام نہ کیا۔ ہر دفعہ جھگڑا کر کے گھر بیٹھ گئے۔ اپنا کاروبار تو دور کی بات وہ ڈھنگ سے دوسری جگہ بھی کام نہیں کر پاتے تھے۔ ایشل، مناہل اور حمزہ ان کی کل کائنات تھے۔ اماں سلائی سے کچھ نہ کچھ خرچہ نکال لیتیں یا پھر اس کے چچازاد رافع جو ایشل کا منگیتر بھی تھا اور ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں تھا۔ وہ مہینے بھر کا راشن ڈلوا دیتا۔ ایشل بی ایس سی فائنل کی اسٹوڈنٹ تھی اور کچھ بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی جس سے اس کا خرچہ اور حمزہ کی فیس نکل آتی مگر اس بار وہ سیریس سوچ رہی تھی کہ کاش کوئی سبب ایسا نکل آئے کہ وہ لوگ بھی قربانی کریں۔

☆......☆

کالج کے لان میں فری پیریڈ میں بیٹھی وہ رم جھم برسات انجوائے کر رہی تھی۔ ساتھ میں اس کی فرینڈز کینٹین سے گرم گرم پکوڑے لا کے موسم کا مزہ لے رہی تھیں۔

''ایکسکیوز می۔ کیا میں آپ کا تھوڑا سا وقت لے سکتی ہوں۔'' فرسٹ ایئر کی ایک پیاری سی لڑکی اس کے سر پر آ کے کھڑی ہوگئی۔

''ہاں بولو۔'' اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ مجھے کسی نے بتایا ہے کہ آپ Maths اور فزکس میں بہت ایکسپرٹ ہیں۔ مجھے اور میری تین فرینڈز کو ان سبجیکٹس میں بہت مسئلہ ہے۔ کیا آپ ہمیں ان دو مضامین کی ٹیوشن دے سکتی ہیں؟'' لڑکی نے ایک سانس میں اپنا مدعا بیان کیا۔

''مگر میرے پاس وقت اتنا نہیں ہوتا۔'' اس نے سہولت سے انکار کیا۔

''دیکھیے آپ کالج کے ویٹنگ روم میں چھٹی کے وقت صرف ایک گھنٹہ ہمیں ٹیوشن دے دیا کریں، میں اپنی گاڑی میں خود آپ کو آپ کے گھر تک ڈراپ کر دیا کروں گی اور ہاں ہم آپ کو فی

راشن کا سامان لے کے وہ لوگ رکشے میں سیدھا گڈو کے گھر آ گئے۔ گھر میں داخل ہو کے اس نے غم زدہ اور فاقہ زدہ چہرے دیکھے تو دل دکھ سے بھر گیا۔ اس نے فریدہ (گڈو کی ماں) کو راشن سپرد کیا اور گڈو کے پاس آ گئی جو زرد چہرہ لیے چھت پر نظریں گاڑھے لیٹا تھا۔ وہ آہستہ سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے گڈو کا سامان اس کے پاس رکھا تو اپنی چیزیں دیکھ کے اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

''جانتے ہو گڈو! تم اللہ کو بہت پیارے ہو اور یہ سب چیزیں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے تحفہ ہیں مگر تم نے آج جو کیا وہ اللہ کے نزدیک بہت برا فعل ہے۔ جب میں پڑھتی تھی تو میرے پاس بھی کبھی کچھ نہیں ہوتا تھا تو کبھی کچھ۔ حمزہ کو دیکھو اس کے پاس ڈھنگ کی چیزیں نہیں مگر زندگی تو ہے جو بہت قیمتی ہے اور اللہ کی امانت ہے اور آزمائش میں تو وہ ہی لوگ آتے ہیں جو اللہ کو عزیز ہوتے ہیں۔ علم کی روشنی ہر غربت کے اندھیرے کو نگل لیتی ہے۔ دیکھو ابو کا کتنے دن سے کام نہیں ہے۔ امی کتنی مشکل سے گھر چلا رہی ہیں تو کیا وہ لوگ خود کو ختم کر دیں۔ نہیں! مشکلات تو ہوتی ہی حل ہونے کے لیے ہیں اور تم نے ان کی مدد کرنے کے بجائے ان کی مشکلات میں اضافہ کر دیا۔ وعدہ کرو آئندہ یہ غلط کام نہیں کرو گے بلکہ محنت اور لگن سے پڑھ کے اپنی منزل خود حاصل کرو گے۔'' ایشل نے ہاتھ بڑھایا تو گڈو نے نم آنکھوں سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

گھر واپسی پر اس نے باقی بچی رقم چپکے سے فریدہ آنٹی کو تھما دی اور ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی گھر آ گئی۔ اس کے دل میں عجیب اطمینان تھا۔ قربانی کے نام پر حضرت ابراہیمؑ نے پیارے رب کے عشق میں اپنا بیٹا اپنا لخت جگر قربان کرنا چاہا تو پیارے رب کی بنائی ہوئی اس پیاری سی مخلوق کے لیے کیا وہ اپنے خواب قربان نہیں کر سکتی۔ شاید اس کے ہاتھ آئی یہ رقم گڈو کا مقدر تھی اور پیارے رب نے یہ نیکی اس کے مقدر میں لکھی تھی جس کے لیے وہ پور پور اس کی شکر گزار تھی۔

چاند رات کو جب مناہل اور وہ مہندی لگانے میں مصروف تھیں تو بکرے کی آواز سن کے اچھل پڑیں۔

''یہ حمزہ لگتا ہے پھر ساتھ والوں کا بکرا لے آیا ہے۔'' ایشل نے بھنویں اچکائیں۔

''جی نہیں آپی! یہ آپ کا بکرا ہے رافع بھائی لائے ہیں۔'' حمزہ نے خوشی سے تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ انٹری دی۔ تو وہ دونوں سرپٹ باہر بھاگیں۔ صحن میں پیارا سا بکرا اس کا منتظر تھا۔ اماں بکرے کے آگے تھوڑا سا پانی ڈال رہی تھیں۔ مناہل اندر سے مہندی کی کٹوری لانے بھاگی کہ بکرے کو مہندی لگائے۔ رافع چپکے سے اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔

''وہ بکرا بھی آپ کا ہے محترمہ اور یہ بکرا بھی آپ کا ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ کل قربان ہو جائے گا اور میں ساری عمر آپ کے ہاتھوں قربان ہوتا رہوں گا۔'' اس نے مصنوعی غصے سے رافع کو دیکھا۔

''یار بونس ملا تھا کچھ بچت تھی سوچا لگے ہاتھوں ہم قربانی کر لیں آخر منگیتر والے ہیں اور یہ بکرا اللہ کی طرف سے تمہارے لیے تحفہ ہے۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''واقعی میرا رب غفور و رحیم ہے وہ اچھی نیت کا پھل ضرور دیتا ہے۔'' اس نے اس کی خواہش اور دعا کو رد نہیں کیا وہ رافع کے ساتھ چلتی بکرے کے پاس آ گئی۔

......☆......

سبجیکٹ ایک ہزار روپے پے کریں گے۔" اب اس کا لہجہ بہت التجائیہ ہو گیا تھا اور ایشل کے کان میں یہ قول گونج رہا تھا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔" اس کی نیت کے بدلے اللہ تعالیٰ نے اُدھر سے اسباب بنا دیے تھے جہاں اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اس نے تشکر بھری نگاہ آسمان پر اٹھائی اور حامی بھر لی۔

یوں وہ کالج سے ایک گھنٹے دیر سے گھر جانے لگی اس کی اسٹوڈنٹ لائبہ نے ثابت قدمی سے اپنا قول نبھایا۔ وہ واپسی پر اسے گھر ڈراپ کر دیتی۔ دو تین دن بعد اس کے Method سے مطمئن ہونے کے بعد ان لڑکیوں نے ایڈوانس ٹیوشن فیس دے دی، آٹھ ہزار کی رقم ہاتھ آتے ہی اس کے احساسات عجیب سے تھے۔ کچھ رقم مناہل نے سلائی سے جمع کی تھی۔ ایف اے کے بعد تعلیم کو خیرآباد کہہ کے وہ پکی درزن بن گئی تھی۔ اسے اپنا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"اب کے حمزہ کو پڑوسی بچوں کے طعنے نہیں سننے پڑیں گے۔ نہ دوسروں کے بکروں کو حسرت سے دیکھنا پڑے گا۔" وہ دل ہی دل میں خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ گھر پہنچ کر وہ مناہل کو خوش خبری سنانا چاہتی تھی مگر گھر میں عجیب سی سوگواری تھی۔ کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں سن کے وہ کچن میں آ گئی۔ مناہل برتن دھو رہی تھی مگر چہرے پر سوگواری پھیلی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔" ایشل نے خوشگواری سے کہا۔

"وہ گڈو نے خودکشی کرنے کی کوشش کی۔" مناہل نے ساتھ والے آٹھ سالہ بچے کا ذکر کرتے ہوئے نم لہجے میں کہا۔

"گڈو نے وہ کیوں؟" ایشل بے اختیار چیخی۔

یہ پڑوس میں رہنے والا بچہ عموماً ان کے گھر پایا جاتا۔ ایشل اس کو مفت میں ٹیوشن دیتی اور اکثر محلے کی دکان سے سودا سلف لے آتا یا پھر حمزہ کے ساتھ بیٹھا کارٹون دیکھتا۔

"دراصل کتنے دنوں سے اس کے شوز پھٹے ہوئے تھے اور اسکول یونیفارم پر بھی پیوند لگے ہوئے تھے۔ دو تین دن سے اس کے باپ کو مزدوری نہیں مل سکی تھی۔ اس لیے وہ اپنے بال چھوٹے نہیں کروا پایا۔ استاد نے اسے اسمبلی سے نکال کے اس کے قینچی سے جگہ جگہ سے بال بھی کٹوائے اور لڑکوں سے اس کا مذاق اڑوایا۔ چھٹی کے وقت بھی لڑکے اسے چھیڑتے رہے۔ پھر گھر آتے ہی اس نے زہریلی دوا پی لی۔ شکر ہے کہ بروقت اس کی ماں کو پتا لگ گیا اور اس کو ایمرجنسی لے گئے۔ سوری ایشل حماقت ہونا میرے پاس جو تین ہزار جمع تھے وہ میں نے اس کی ماں کو دے دیے کہ گڈو تڑپ رہا تھا اور اس کی ماں کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔" مناہل نے ندامت سے سر جھکاتے ہوئے کہا تو ایشل اس کے گلے لگ کے رو دی۔

"لعنت ہو اس غربت پر کہ آٹھ سال کے بچے کو خودکشی پر مجبور کر دیتی ہے اور لعنت ہو ایسے اساتذہ پر جو طالب علموں کے ذرا حالات جاننے کے بجائے اپنے رویے سے انہیں قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے اس استاد کو میں خود دیکھوں گی۔ پہلے بتاؤ اب گڈو کیسا ہے؟"

"حمزہ گیا تھا وہ واپس آیا تو کہہ رہا ہے کہ اب بہتر ہے۔ اماں بھی ان کے ساتھ اسپتال میں ہیں۔ کچھ دیر میں واپسی ہو جائے گی اچھا چلو تم کھانا کھا لو، تھکی ہوئی آئی ہو۔" مناہل کو اس کی تھکن کا خیال آیا تو وہ سر ہلاتے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

گڈو کو دیکھنے کے بجائے سہ پہر کو وہ حمزہ کو لے کے بازار نکل گئی۔ اس نے گڈو کے لیے یونیفارم، شوز اور بیگ خریدا۔ کچھ کھلونے اور چاکلیٹ اور کچھ

ماریہ پارس عمیر

افسانہ

عیدِ ایثار

ہلکی ہلکی ہوا کے ساتھ بوندا باندی شروع ہوئی تو اس کے تیز چلتے قدم کچھ آہستہ ہوئے' اس نے رک کر ایک نظر آسمان کی طرف دیکھا' جہاں تیز آگ برسانے سورج کی جگہ اچانک گہرے سرمئی بادلوں نے لے لی تھی' اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار نمودار ہوئے اور اس نے دونوں ہاتھوں میں پکڑے شاپر کو جلدی سے دوپٹے کے نیچے کرلیا تاکہ سودا سلف بھیگنے سے بچ جائے۔

ایک جان ہزاروں فکریں دامن گیر تھیں' گھر کا راشن بالکل ہی ختم ہوگیا تھا' دالوں کے ڈبے خالی تھے تو سبزی' مصالحہ جات' صابن سرف سب ختم' آٹے کا تھیلا الگ خالی پڑا منہ چڑا رہا تھا' مہینے کا آخر چل رہا تھا اور اگلے دن عید تھی اسکول سے ابھی تنخواہ ملنے میں کافی دن پڑے تھے' بوڑھی بیوہ ماں اور چھوٹی تین بہنوں کے بھوک سے نڈھال چہرے سارا دن آنکھوں کے سامنے گھومتے رہے' اس لئے چھٹی کے بعد دو تین کولیگز سے کچھ پیسے ادھار لے کر آتے ہوئے بازار سے کچھ راشن اور اماں کی دوائیاں لے آئی تھی۔ لیکن اب راستے میں شروع ہونے والی بوندا باندی نے اسے پھر سے پریشان کردیا تھا کہ اگر بارش تیز ہوئی تو گھر تک پہنچنے سے پہلے ہی سارا سامان خراب ہوجاتا اور استعمال کے قابل نہ رہتا' پھر اس کی بوڑھی ماں اور چھوٹی بہنیں آج رات بھی بھوک کے تھپیڑوں کی زد میں آکر بھوکی سوجاتیں اس کے آہستہ ہوئے قدم پھر سے تیز ہوگئے۔

☆☆☆☆

سوچ میں گم تیز تیز چلتے اچانک اس کا پاؤں کسی پتھر سے ٹکرایا' شاپر پر گرفت مضبوط ہوئی اور وہ ٹھٹک کر رکی ٹھوکر کھا کر سنبھلنے کے دوران اس کی نظر دائیں سائیڈ پر بنے کچے مٹی کے گھر پر پڑی' جس کی دیواریں اور اکلوتے کمرے کی آدھی چھت گری ہوئی تھی' چند لمحے وہ یونہی کھڑی اس گھر کی طرف دیکھتی رہی' پھر آہستہ سے قدم بڑھاتی ٹوٹی دیوار کے راستے اس گھر میں داخل ہوگئی اندر گھستے ہی کسی بچے کے رونے کی آواز نے اسے متوجہ کیا' اس نے آواز کے تعاقب میں ادھ گری چھت والے کمرے میں جھانکا' جہاں اندھیرے کونے میں ایک زخمی عورت چت پڑی تھی' دو بچے اس کے اطراف میں بیٹھے تھے' ایک بچہ جو ذرا بڑا تھا' وہ دیوار سے لگا دبکا بیٹھا تھا جبکہ دوسرا بھوک سے بلبلاتا ہوا ماں سے لپٹا کھانا مانگ رہا تھا اور وہ عورت بس ایک ہاتھ سے اسے تھپکے جارہی تھی۔ وہیں کھڑے کھڑے اس کے دل کو کچھ ہوا'

اٹھایا اور پہلے اماں کے چہرے کی طرف دیکھا پھر کھانے کی ٹرے لاتی عائشہ کی طرف پھر حیران ہوتے ہوئے آنکھیں رگڑیں۔

''اماں! یہ کھانا کہاں سے آیا''۔ گھر میں تو دو دن سے کچھ نہیں تھا' پھر یہ سب''۔ اس نے حیران پریشان نظروں سے اماں کی طرف دیکھا اور کھانے کی ٹرے پکڑ کر نوالہ بناتے ہوئے اماں کے منہ کی طرف بڑھایا۔

''لے اماں! تو بھی کھا......'' اماں نے مسکراتے ہوئے نوالے والا ہاتھ پکڑ کر اس کے منہ میں ڈال دیا اور آہستہ سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''بیٹا! وہ آج کسی ویلفیئر ٹرسٹ کی جانب سے کچھ لگ آئے تھے اور ہمارے ساتھ ساتھ آس پاس کے سب غریب گھرانوں میں ایک ایک مہینے کا راشن اور کچھ نقدی تقسیم کر کے گئے ہیں' اللہ بھلا کرے ان لوگوں کا جن کی وجہ سے سینکڑوں غریبوں کی بھوک ختم ہوئی''۔ اماں بتاتے ہوئے انہیں دعائیں دینے لگیں اس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور آہستہ سے کھانا کھاتے ہوئے سوچنے لگی۔

واقعی جب انسان بے بس ہو جائیں تو اللہ ان کے لئے ضرور کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا دیتا ہے آج وہ کسی کے لئے وسیلہ بنی تھی تو اللہ نے اس کے لئے بہتر وسیلہ بھیج دیا تھا' اگر دنیا میں سب لوگ اسی طرح ایثار کے جذبے میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے کی مدد کریں تو اس دنیا کے آدھے کیا شاید پورے ہی غم ختم ہو جائیں۔

☆☆☆☆

اگلے دن عید تھی اس نے گھر سے کچھ راشن' پانی اور کھانا پکا کر ساتھ لیا اور اماں اور تینوں بہنوں کو ساتھ لے کر اسی گھر کی جانب آ گئی' وہاں پہنچی تو حیران رہ گئی کہ کل جو ٹوٹا بکھرا پڑا تھا آج مرمت ہو چکا تھا اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی' بڑے بچے نے آ کر دروازہ کھولا' اسے دیکھتے ہی بچے کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور خوشی سے چلاتا ہوا اندر بھاگا۔

''اماں' اماں کل والی باجی آئی ہے''۔ بچہ خوشی سے ماں کو بتا رہا تھا' وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے اندر آ گئی' عورت نے اٹھ کر گرمجوشی سے اسے گلے لگا لیا' پھر اس کی اماں اور بہنوں سے باری باری ملنے کے بعد انہیں بیٹھنے کے لئے جگہ دی' ان کے بیٹھ جانے کے بعد وہ انہیں بتا رہی تھی کہ کل اس کے جانے کے بعد کچھ لوگ آئے تھے کسی ویلفیئر ٹرسٹ کی جانب سے اور اس کے ٹوٹے ہوئے مکان کو مقامی مستریوں سے مرمت کروا دیا' ساتھ میں انہیں کھانا' پانی' راشن اور دوا دے کر چلے گئے' وہ مسکرا کر باتیں کرنے میں مصروف تھے کہ تبھی دروازے پر دستک ہوئی مدرسے کی جانب سے کوئی شخص تھا جو انہیں قربانی کا گوشت وافر مقدار میں دے کر چلا گیا' ان سب کے چہروں پر خوشی کی ایک لہر سی دوڑ گئی' سارہ کی چھوٹی بہن عائشہ نے اٹھ کر کھانا بنانا شروع کیا' باقی کا سارا دن انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ دکھ سکھ بانٹتے اور ہنستے کھیلتے گزارا' شام کو کھانا کھا کر وہ لوگ واپس آ گئے عید کا مزہ دوبالا ہو چکا تھا ان سب کی زندگی کی یہ پہلی عید تھی جو ایثار کے جذبے سے بھرپور ہو کر منائی گئی تھی اور اس سے بہتر عید ان کی زندگیوں میں پہلے کبھی نہ گزری تھی۔

''بے شک اللہ سب سے بڑا رحمٰن رحیم اور مسبب الاسباب ہے''۔

☆☆......☆☆......☆☆

ایک لمحے کو بڑھتی ہوئی بارش اور اس کی ماں، بہنوں کے بھوکے چہروں نے اسے پلٹ جانے کا کہا مگر اگلے ہی لمحے اسے اندر سے کسی نے جھنجھوڑ ڈالا اور وہ تیزی سے آگے بڑھی، دونوں شاپرز زمین پر رکھے اور ان کے قریب ہی زمین پر بیٹھ گئی، روتا ہوا بچہ سہم کر ایک طرف ہوا، عورت نے بھی کچھ حیران اور پریشان نظروں سے اس کی طرف دیکھا، مگر اس نے کچھ بولنے کے بجائے خاموشی سے اپنے کندھے سے بیگ اتارا اور پانی کی بوتل نکال کر چھوٹے بچے کے منہ سے لگائی، پہلے تو وہ سہمی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا، مگر پانی زبان سے لگتے ہی غٹاغٹ پینا شروع ہو گیا، بچے کی اس حالت کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں نمی آئی نہ جانے کتنے دنوں کی پیاس تھی، اس کے پینے کے بعد اس نے بوتل دوسرے بچے کو تھمائی اور بیگ سے اپنا ٹفن نکال کر کھانا دونوں بچوں کے آگے رکھا جو کہ دوپہر ٹائم ایک کولیگ نے اسے دیا تھا، مگر اس نے کھانے کے بجائے اپنی ماں بہنوں کے لئے رکھ لیا تھا۔

دونوں بچے کھانے میں مصروف تھے تو وہ زخمی عورت کی جانب متوجہ ہوئی جو کہ بھوک، پیاس اور درد کی وجہ سے نڈھال پڑی تھی، کل شام ہونے والی بارش کے نتیجے میں چھت گرنے کی وجہ سے کچھ ملبہ اس کی کمر پر بھی گر گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ درد سے ہل نہیں پا رہی تھی، اس نے پانی کی بوتل عورت کے منہ سے لگائی اور سہارا دے کر اسے بٹھایا پھر اس کی کمر کا جائزہ لینے لگی جہاں کوئی زخم تو نہیں تھا مگر نیل کا نشان بتا رہا تھا کہ چوٹ اندرونی ہے لیکن زیادہ گہری نہیں اس نے بچے کا بچا ہوا کھانا اس عورت کو دیا اور بیگ سے پین کلر نکال کر اسے دیے، پھر دونوں شاپرز کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ آپ کے لیے“۔ کہتے ساتھ ہی وہ خاموشی سے باہر نکل آئی، بارش تیز ہو چکی تھی بوڑھی ماں اور بھوکی بہنوں کے چہرے آنکھوں کے سامنے لہرانے مگر یوں لگ رہا تھا جیسے ایک بوجھ کندھوں سے اتر گیا وہ مطمئن سی قدم بڑھاتی گھر کے راستے کو چل دی۔

☆☆☆☆

وہ دروازہ کھول کر بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی اور آہستہ سے چلتی ہوئی اماں کے پاس تخت پر بیٹھ گئی کسی سے بھی آنکھ ملانے کی ہمت نہیں تھی۔

”آ گئیں سارہ بیٹا! اتنی دیر کہاں لگا دی؟“ اماں نے پیار سے کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

”وہ اماں اسکول میں کام تھا اس لیے دیر ہو گئی“۔ اس نے اٹکتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔

اماں نے پیار سے اس کا چہرہ اپنی جانب موڑا۔

”کیا بات ہے سارہ بیٹا! کیا ہوا پریشان کیوں ہو؟“ انہوں نے فکرمندی سے پوچھا۔

”وہ اماں! میں آج بھی گھر کے لئے راشن نہیں لا سکی“۔ رندھی ہوئی آواز میں اتنی سی بات بولنے پر اماں اس کی پریشانی سمجھ گئیں اور اسے دونوں بانہوں میں بھر کے سینے سے لگا لیا ماں کے سینے سے لگتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”ارے ارے چپ کر میرا بچہ چپ کر، جہاں انسان بے بس ہو جائیں وہاں خدا ان کے لئے ضرور کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا دیتا ہے“۔ اماں نے اسے تھپکتے ہوئے چپ کروانے کی کوشش کی اور چھوٹی بیٹی کو بلایا۔

”عائشہ بیٹا! جا بہن کے لئے کھانا ڈال کے لا“۔

اماں کی آواز پر سارہ نے حیران ہوتے ہوئے سر

ہلکی ہلکی ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔ فضا میں کہر کا ہلکا سا اثر بھی تھا۔ مدھم مدھم روشنی میں اس کے چھوٹے بہن بھائی اس کی ماں سے لپٹے سو رہے تھے وہ دبے قدموں بوسیدہ سی ساتویں منزل کی گیلری میں بیٹھی گزرنے والی اکا دکا گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ سوچنے کے لیے بھی کچھ نہیں تھا۔ بس صبح کا انتظار اور انٹرویو کی لمبی قطار اور وہ بھی صرف ایک ٹیچر کی جاب کے لیے باہر دیکھتے ہوئے سوچتے ہوئے ساری رات بیت گئی۔

''وجیہہ، وجیہہ!'' فجر کی اذان کے ساتھ ہی اماں کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ تو وہ جلدی سے پلٹ کر اندر آ گئی۔

''لائٹ کیوں بند کر دی؟'' اماں ہاتھ بڑھا کر اپنا چشمہ ڈھونڈ رہی تھیں۔

''رات بھر لائٹ کہاں تھی۔'' اس نے کھڑکی کے پردے کھول دیئے۔ کبوتروں کی غڑ غوں ساتویں منزل کے چھاجے پر بیٹھے ہوئے سنائی دے رہی تھی اور برابر والی مسجد سے بہت تیز آواز آ رہی تھی۔ ''حی الفلاح'' اماں کے ساتھ وہ بھی وضو کر کے آ گئی اور اللہ کے آگے جھک گئی۔ نہ جانے

پرانی سوسائٹی

جعفری

افسانہ

اعتمادِ زندگی

دعا روشنی کی طرح ہوتی ہے۔ کب اور کیسے راستہ بناتی ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔ اس نے کوئی ایسی نیکی بھی نہیں کی تھی جو اپنے رب کے سامنے حوالہ دے کر دعا کر سکے۔



اہم بات یہ تھی کہ اس کی لوکیشن بہت قریب تھی۔ پورا مہینہ انتظار کے بعد دس ہزار روپے، فوراً پرنسپل نے اسے اوکے کر دیا اور وہ اس طرح سے سلیکٹ ہو گئی۔

☆......☆

کامیابی کی پہلی سیڑھی پر اس نے قدم رکھ دیا تھا۔ اماں بھی خوش تھیں کہ چلو دس ہزار تو ملیں گے۔ ایک مہینہ ہزار بیسی میں چلے جائیں گے۔ تین سے چار ہزار تو دکاندار کا قرضہ جائے گا۔ جہاں سے راشن آتا تھا۔

''ہزار تمہارے کرائے کے لیے رکھ لوں گی۔''

''ارے اماں! کیا بات کر رہی ہیں۔ مہینے کے 2000 رکھ لیں۔ وہ تو میں ادھر ادھر بھاگتی پھرتی رہی مگر اب تو وقت پر پہنچنا پڑے گا۔''

''لو یہ ایک اور نئی مصیبت۔ کرایہ اتنا زیادہ ہو گیا ہے۔''

''جی اماں۔''

''کمال ہے ہم تو اپنے اسکول جاتے تھے تو ایک روپے میں چلے بھی گئے اور واپس بھی آ گئے۔ کبھی کبھی تو ایک اسٹاپ پہلے اتر گئے کہ چلو پیسے بچ گئے پروین کا ہنس ہنس کر برا حال ہوتا تھا جب کنڈیکٹر پیچھے بھاگتا تھا۔ ہم دونوں جب گلی میں گھستے تو گلی میں گولا گنڈے والا کھڑا ہوتا لو بھئی آرام سے کھاتے ہوئے گزر جاتے اور وقت بھی گزر جاتا۔ اب تو حکومت نے پیسے ہی اتنے بڑھا دیئے۔ بس نہ ہوئی ہیلی کاپٹر چل رہے ہیں۔ گرتے پڑتے بچیاں گھر پہنچتی ہیں اور کرایہ دیکھو آسمان پر۔''

''اماں! پھر ہماری اسکول کی فیس کا کیا ہو گا؟'' چھوٹی بہن بولی۔

''کیا بتاؤں کہ کیا ہو گا۔ لو یہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔ بجلی کا بل بھی رکھا ہوا ہے۔ نہ بھئی نہ دس ہزار میں کچھ نہیں ہو گا۔''

''ارے اماں یہی بہت ہے کہ جاب مل گئی کچھ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے۔'' وجیہہ بولی۔

''نہ بھئی نہ سارا دن کی خواری سے بہتر ہے کہ تو میرے ساتھ مشین پر بیٹھ جا ایک سوٹ تو نکال ہی لے گی۔ شام تک ویسے بھی اب میری آنکھیں جواب دے گئی ہیں۔'' اماں بولیں۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں! ٹیچنگ تو میرا خواب تھا ایسے نہ کہیں۔''

''رہنے دو بیٹا! ہاں پڑھ لیا ہو گا تم نے لائف بوائے کا اشتہار اور نکل پڑیں قسمت بدلنے۔''

''سچ اماں! ان کی سوچ دیکھو کسی نے تو تعلیم کے بارے میں سوچا ابھی آپ تعلیم یافتہ ہوتی ناں اماں تو کسی کالج میں ہوتیں اور ہم بھی فخر سے کہہ رہے ہوتے کہ ہماری اماں پروفیسر ہیں۔''

''ہاں تو پڑھ لکھ کر کیا کر رہی ہو بتاؤ گریجویٹ تو تم بھی ہو۔''

''مجھے تو شرمندگی ہوتی ہے لوگوں کو آپ لوگوں کے بارے میں بتاتے ہوئے۔'' وجیہہ ماں سے الجھ پڑی۔

''سب کو بتایا کرو کہ میرا باپ 5 بچوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ماں میری سلائی کرتی ہے۔''

''اماں! کوئی کسی کے لیے نہیں رکتا۔ یہ وقت گزر جائے گا۔''

''میرے ذہن میں تو ایک پلان ہے اماں! گھر گھر جا کر ایجوکیشن کے بارے میں آگاہی دوں۔ کچھ نہیں تو گھر میں ہی انسٹی ٹیوٹ کھول لوں۔''

''ہاں اب تم گھر میں مدرسہ کھول کر بیٹھو گی تو رہا سہا سکون بھی چلا جائے گا۔''

''اماں! آپ کو میری ہر بات پر اعتراض ہے۔'' وہ اٹھ کر چلی گئی۔

☆......☆

کتنے سفر اس کی زندگی میں لکھے تھے۔ وہ بھاگ بھاگ کر تھکن سے چور نہیں تھی۔ روز ایک نئی امید نئے حوصلے کے ساتھ وہ گھر سے نکلتی۔ اماں چلتے وقت اسے دس روپے تھما دیتی تھیں۔

"گھر میں کچھ بھی نہیں ہے واپسی پر جب اندھیرا ہو جائے تو مارکیٹ سے بچا کھچا سامان اٹھا لی لانا۔"

یہی زندگی کا معمول تھا۔ سو روپے کا سامان وہ 10 روپے میں لے کر روز گھر لوٹتی۔ آج بھی سبزی کے ٹھیلے پر کھڑی ہوئی وہ پھینکے ہوئے کچرے سے پالک، آدھے سڑے بینگن، نرم بیکار ٹماٹر، گلی سڑی پیاز بیکار پھینکے ہوئے آلو اٹھا اٹھا کر رکھ رہی تھی۔

"دس روپے۔" سبزی والے نے ان کے دس روپے مانگے تھے۔

"نہیں بھائی گلے سڑے کچرے سے میں نے یہ چیزیں چنی ہیں دس روپے تو میں نہیں دے سکتی۔"

"اچھا چل لے جا کھانا تو دعا دے دینا۔" سبزی والا رحم پر اتر آیا۔

"ارے میں تو جا کر اسی غریب عورت کو دیتی ہوں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی بھوکے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان کا گھر چلتا ہے وہ تمہیں دعائیں دیتے ہیں۔"

"اچھا باجی جاؤ لے جاؤ یہ لو اور!" اس نے ہرا دھنیا، ہری مرچیں اور لہسن بھی اچھال کر باسکٹ میں ڈال دیا۔

آج بھی وہ گھر لوٹتے ہوئے مایوس نہیں تھی۔ نوکری نہیں ملی تھی لیکن وہ اپنے بھائی بہنوں کے لیے کھانا لے کر آئی تھی۔ اماں جلدی سے اس کے شاپر سے چیزیں نکال کر دھو کر بنانے بیٹھ گئی تھیں۔ چولہے کے اردگرد اس کے سارے بہن بھائی بیٹھے تھے۔

"یہ تم نے اچھا کیا ہرا دھنیا ہری مرچ بھی لے آئیں، کتنے پیسے لیے اس نے۔"

"ارے اماں! بالکل مفت۔"

"اللہ اسے اور دے۔" اماں نے جلدی سے چاول بگھارے۔

"آج تو تم لوگوں کو سبزی پلاؤ کھلاتی ہوں۔ تم لوگوں کو بہت مزا آئے گا۔" واقعی اماں نے بہت لذیذ پلاؤ بنایا تھا۔

"بینگن تو سارے کیڑے لگے ہوئے تھے۔ پھر بھی میں نے تھوڑے بچا لیے۔ پیاز بھی گلی سڑی تھی مگر میں نے صاف حصہ نکال لیا۔ البتہ آلو سب ٹھیک تھے اور ہم نے کون سا پیسے دیے ٹماٹر بھی نرم تھے مگر چل گئے۔" اماں نے سب سے پہلے پلیٹ بھر کے چاول وجیہہ کو دیے۔ وجیہہ اپنی پلیٹ اٹھا کر بیڈ پر آ گئی تھی۔

"چلو آج کا دن تو گزر گیا۔ سب نے ٹھیک ٹھاک کھانا بھی کھا لیا۔ کل کا اللہ مالک ہے۔ کل کسی اور جگہ جاؤں گی ورنہ وہ بھوک کا کرب یہ روز روز آ جاتی ہے۔"

☆......☆

صبح وہ پھر ایک نئے عزم سے ایک کپ چائے پی کر گھر سے نکلی تھی۔ انٹرویو کے لیے لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ آج شدید دھوپ اور حبس تھا۔ کافی لوگ ہمت ہار کر لائن سے چلے گئے تھے لیکن وہ اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی۔

"نیکسٹ۔" سر نے اپنے ایمپلائی سے پوچھا۔

"بس سر! یہ آخری ہیں۔" وہ تھوڑا حیران ہوئے تو وہ بولی۔

"سر! آج دھوپ بہت تیز تھی تو سب واپس چلے گئے۔" سر نے بڑی حیرانگی سے اس آخری امیدوار کو دیکھا جو اسکارف میں اپنا چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ وہ پسینے سے شرابور تھی لیکن پھر بھی اس نے ایک گہرا سانس لیا اور ان کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پرنسپل نے اس سے کئی سوالات کیے تھے۔ سب سے

سستا مل رہا تھا...... تم وہ استعمال کرو۔'' اماں بولیں۔

''ارے اماں! یہ...... یہ تو انتہائی مضر ہے نہ تو اس کا کوئی نام ہے نہ میں نے اس کے بارے میں کبھی سنا۔'' وجیہہ بولی۔

''ارے نہیں نہیں ٹھیلے والا بتا رہا تھا کہ یہ ایران سے آتا ہے میں تو سرف بھی اسی سے لاتی ہوں۔''

''کیوں اماں! آپ بھی ناں یہ جعلی ٹھگ لوگ بے وقوف بناتے ہیں۔ چھوٹے موٹے گھروں میں کارخانے لگا کر لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ جا گڈو میرے لیے ساشے لائف بوائے کے دو لے آ۔ پہلی بار تو ڈھنگ سے تیار ہو کر اسکول جاؤں گی اور آپ اس میں بھی اتنا ٹوک رہی ہیں۔''

''باجی! اگر لائف بوائے نہ ملے تو کوئی سا بھی پکڑ لوں؟'' گڈو بولا۔

''ہرگز نہیں گڈو! لائف بوائے ہی لانا سب اس کی اتنی تعریفیں کر رہے ہیں۔ کل ایک ٹیچر بھی لائف بوائے کے بارے میں بات کر رہی تھی۔''

''ارے ان کا مقابلہ کرو گی وہ بڑے گھروں سے آتی ہیں ظاہر ہے لائف بوائے ہی استعمال کریں گی۔''

''ارے نہیں اماں! ہم جیسے لوگوں کے لیے ہی ان لوگوں نے ساشے نکالے ہیں پتا ہے کہ ہماری ماں اتنی کنجوس ہے۔'' شازیہ ہنس کر بولی۔

''بس اماں! کل مجھے اس کا کمال دیکھنا ہے اگر خدا نے مجھے ایک چیز حسین دی ہے تو میں کیوں نہ اس پر فخر کروں۔ وہ ہیں میرے بال ان کو ذرا شیمپو سے بھی دھو کر دیکھتی ہوں۔'' وہ پلٹ گئی۔

☆......☆

صبح اس کا پہلا دن تھا کہ وہ آج نہ صرف میٹرک کلاس میں پیریڈ لے گی بلکہ اس کا پرنسز گروپ سے سامنا ہوگا۔ بالوں میں برش کرتے ہوئے وہ خود چونک گئی۔

''وجیہہ بیگم! یہ تمہارے ہی بال ہیں۔'' اس نے اپنے بال اپنی ناک کے قریب کر کے سونگھے۔

''واؤ......'' نرم خوشبودار بال مہک رہے تھے۔ زندگی میں اسے پہلی بار ایک ٹھہراؤ سا محسوس ہوا۔ وہ بار بار اپنے بالوں کو لہرا کر دیکھے جا رہی تھی۔

''میرے بالوں میں تو لائف بوائے شیمپو نے ایک جان ڈال دی۔ اس کی مہک اور نرماہٹ نے مجھے بہت پراعتماد بنا دیا ہے۔ دیکھتی ہوں پرنسز گروپ کیا کرتا ہے۔ کس چیز پر میری تنقید کرتا ہے۔ آج پہلا دن ہے گڈو جاؤ رکشا لے کر آؤ میں رکشے میں جاؤں گی۔''

''لو بھئی ابھی پیسے آئے نہیں کہ میری بیٹی کو اڑانے کی سوجھ گئی۔''

''اماں! باجی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ پہلا دن ہے انہیں ٹھیک سے جانے دیں رعب پڑے گا کلاس میں۔''

''باجی! آپ کلاس میں جاتے ہوئے اسکارف اتار دیجیے گا۔'' شازیہ دوڑتی ہوئی زینے تک گئی تھی۔ اسٹاف روم میں پہنچ کر اس نے جب اپنا اسکارف اتارا میڈم تو اسے دیکھ کر ہنس پڑیں۔

''ماشاءاللہ!'' مگر دوسری ٹیچرز نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ ان کو جیلسی فیل ہو رہی تھی۔ ایک سینئر ٹیچر نے اسے میٹرک کلاس میں انٹرڈیوس کرایا۔

''آج سے آپ کی کلاس مس وجیہہ لیں گی۔''

''ویل کم وجیہہ......!'' اور پوری کلاس کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''چلیے ہنس چکیں آپ لوگ۔ اب آپ لوگوں کو چیپٹر 5 پڑھنا ہے نکالیے سب۔''

آج اس کا اسکول میں پہلا دن تھا۔ سر کے بجائے میڈم اس سے مخاطب تھیں۔

''دیکھو وجیہہ! آج کل کے دور میں والدین ٹیچر کی شخصیت کا جائزہ ضرور لیتے ہیں۔ آئی مین اس کا ڈریس، وے آف ٹاکنگ ضرور دیکھتے ہیں۔ ہر لحاظ سے تم کمپلیٹ ہو مگر اسکول کے اندر تم اسکارف نہیں باندھ سکتیں۔ تھوڑی سی گلیمر سے اٹریکشن پیدا ہوتی ہے۔ ٹیچر بچوں کو اٹریکٹ کرتی ہے۔ یوں بھی نائنتھ اور میٹرک کی بچیاں بڑی ہوتی ہیں۔ ان کو کچھ ایسا ایگزیمپل دینا چاہیے کہ وہ اپنی زندگی میں کچھ کر سکیں۔''

''یس میم! میں آپ سے ایگری ہوں لیکن میم کچھ انسان کی مجبوریاں بھی ہوتی ہیں۔''

''ہاں میں سمجھتی ہوں لیکن یہاں آپ سے مکمل تعاون کیا جائے گا مگر آپ اپنا حجاب اتار دیں یہاں خواتین اور بچیاں ہوتی ہیں۔'' وہ میڈم کے کہنے پر چپ ہوگئی۔

تھوڑا سا اسے آفس ورک سمجھایا گیا کون سی کلاس کب ہوتی ہے۔ کس کے بعد کلاس فری ہوتی ہے۔

''خاص طور پر کلاس A میٹرک ذرا آؤٹ آف کنٹرول ہے۔ کسی ٹیچر کو رکنے نہیں دیتی۔ ہر ٹیچر کا بس مذاق اڑاتی ہیں۔ اسے کنٹرول کرنا بہت ضروری ہے۔ سر ناصر کا خیال ہے کہ مس وجیہہ نیو ٹیچر ہیں کنٹرول کر سکتی ہیں۔''

''میم! مثلاً کیا پرابلم ہے؟ اس کلاس میں؟''

''مثلاً اگر آپ جائیں گی تو آپ کو کہیں گی کہ آپ اسکارف کیوں لیتی ہیں۔ مذاق اڑائیں گی۔ جب آپ چلی جائیں گی۔ کوئی اچھے رزلٹ کی امید نہیں ہے اس بار سر ناصر پریشان ہیں اس بار ہم ان کے ساتھ سختی کر بھی نہیں سکتے۔ ہر نیو ٹیچر کو تنگ کرتی ہیں۔ سب تو نہیں مگر ایک گروپ ایسا ہے۔ انہوں نے اپنے گروپ کا نام بھی رکھا ہوا ہے خود کو پرنسز گروپ کہتی ہیں ان کو بس ذرا آپ کنٹرول کرلیں۔''

''میم! میں کوشش کروں گی۔'' دو چار دن تو وہ آفس ورک میں ہی لگی رہی۔ پھر اسے کلاس لینے کے لیے کہا گیا۔ رات ہی اس نے اپنے سارے کاٹن کے ڈریس نکال کر دھوئے تھے۔ کلف لگا کر جب اس نے سوٹ استری کیا تو وہ بالکل نیا دکھائی دینے لگا۔ تیل چپڑی ہوئی چوٹی کو جب اس نے کھولا تو اس کے لمبے بال کمر تک ہو کر لہرا رہے تھے۔

''بالوں کو چھپا کر رکھنا نظر لگ جاتی ہے۔'' اماں فوراً بولیں۔

''لو بھلا سب سے خوب صورت تو باجی کے بال ہیں جو سب کو اٹریکٹ کرتے ہیں۔'' چھوٹی نے مسکرا کر کہا۔ وجیہہ نے ہنس کر اپنے لمبے لمبے بالوں کو دیکھا۔

''واقعی...... شنا رکی! اگر تمہاری کلاس میں کوئی ٹیچر شرارتی اسٹوڈنٹ کو کنٹرول کرنا چاہے تو وہ کیا کرے گی؟''

''باجی! ایک لڑکی تھی بہت بدتمیز بار بار ہنسے جاتی تھی۔ ایک دن ٹیچر نے کہا کہ جو بار بار آپ ہنستی ہیں صاف نظر آتا ہے آپ برش نہیں کرتیں۔ باجی مارے شرم کے وہ سر جھکا گئی۔ دو دن چھٹی کے بعد جب آئی تو بالکل نہ ہنسی ایسا سیٹ ہوگئی۔''

''واقعی میں......!''

''جی ہاں باجی! ویسے آپ اتنی رات میں سر دھونے جا رہی ہیں؟''

''چل گڈو! لائف بوائے شیمپو کے دو ساشے پکڑ اس سے میرے بال نرم اور خوب صورت لگتے ہیں۔''

''جب پیسے ملیں گے تب یہ چونچلے کرنا۔'' اماں کو پیسے نکالنے پڑ گئے تھے۔

''ایسا کرو میں ایک شیمپو لے کر آئی ہوں بہت

"کون سا چیپٹر؟ کون سا چیپٹر۔" دو تین آوازیں ایک ساتھ آئیں۔ سب سے پچھلی لڑکی اپنا سر جان کر کھجانے لگی کہ اس کے پلے کچھ نہیں پڑا۔

"کھڑی ہو جائیے آپ۔" وجیہہ نے سامنے والی لڑکی کو کہا۔

"کیا آپ اپنے بالوں کو برابر صاف نہیں کرتیں کیوں کھجلی ہو رہی ہے۔"

"جی نہیں۔" فوزیہ کھسیا کر بولی۔ جان بوجھ کر دوسری لڑکی نے بھی یہی حرکت کی۔

"سوری۔" وجیہہ نے چاک ٹیبل پر رکھ دیا۔

"آپ بھی اپنے بالوں کو اچھی طرح صاف کریں ایسے کلاس ڈسٹرب ہوتی ہے۔"

"یس مس یس۔" دوسرا گروپ ڈیسک بجا بجا کر وجیہہ کو ویل ڈن کہہ رہا تھا۔ پرنسز گروپ کھسیانا شرمندہ بیٹھا تھا۔

پیریڈ ختم ہوا اور وجیہہ کلاس سے باہر آگئی۔ آپس میں دونوں گروپ کے لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے۔

صبح جب دوسرے دن وجیہہ کلاس میں داخل ہوئی سب نے کھڑے ہو کر ویل کم کیا لیکن پرنسز گروپ بلیک بورڈ کو دیکھ کر ہنسے جا رہا تھا اور ڈر بھی رہا تھا۔

"مس وجیہہ کے خوب صورت بالوں کا راز کالا کولا اور کیوی بوٹ پالش کا کمال ہے۔"

"بیٹھ جائیں آپ۔" وجیہہ کو پتا تھا کہ یہ حرکت کس کی ہے۔

"اٹھیں فوزیہ اور تبسم اور بلیک بورڈ صاف کریں۔" انہوں نے اٹھ کر غصے سے بلیک بورڈ صاف کر دیا۔ وہ جونہی مڑیں وجیہہ نے روک لیا۔

"لکھیے اس بورڈ پر۔ مس وجیہہ کے خوب صورت بالوں کا راز صرف اور صرف لائف بوائے شیمپو ہے اور ہر بچی یہ سن لے کہ پراعتماد زندگی گزارنے کے لیے ایک اچھی پروڈکٹ خاص طور پہ بالوں کے لیے استعمال کرنی چاہیے۔" پیچھے سے ایک طالبہ کی آواز آئی۔

"مس! آپ کی پراعتماد شخصیت کا راز کیا ہے؟"

"لائف بوائے شیمپو۔" وجیہہ بولی۔

"کیوں کیا دوسرے شیمپو مارکیٹ سے غائب ہو گئے ہیں۔" پرنسز گروپ سے آواز آئی۔

"نہیں..... غائب نہیں ہوئے بلکہ وہ آپ کے جیسے بال کر دیتے ہیں جن میں ہر وقت خارش اور کھجلی ہوتی ہے۔" وجیہہ کی براہ راست نظر فوزیہ کے بالوں پر تھی۔ اینجلز گروپ نے خوب ہوٹنگ کی۔

"بس..... بس۔" وجیہہ نے روک دیا۔

"ہمیں اعتماد حاصل کرنے کے لیے بہت دیکھ بھال کر کسی چیز کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہوتی ہیں لیکن آپ یقین جانیے کہ مجھے انہی چیزوں نے اتنا بولڈ بنایا ہے کہ آج میں تمہارے سامنے ہوں۔"

"مثلاً مس ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"کسی چیز کا بھی انتخاب کرتے وقت اس پروڈکٹ کے معیار کو دیکھنا چاہیے۔ اس کی ڈیمانڈ کو دیکھنا چاہیے اور پھر فیصلہ کریں۔ میں دراصل آپ سب سے یہ بات شیئر کرنا چاہتی ہوں کہ کل تک میں مختلف شیمپو اور صابن سے بال دھوتی تھی مگر میں نے کبھی اپنے اندر کی تبدیلی محسوس نہیں کی۔ لائف بوائے شیمپو کا اشتہار دیکھ کر میں نے بھی سوچا کہ ہم بھی اپنی قسمت کو آزماتے ہیں۔ آپ یقین جانیے میں نے خود کو بہت مضبوط اور توانا پایا اور میں آپ کے سامنے ہوں۔ چھوٹی سی تبدیلی بھی آپ کے اندر اعتماد پیدا کر دیتی ہے۔" فوزیہ اور تبسم کھڑے ہو کر وجیہہ سے سوری کر رہی تھیں۔

☆

تھا اور اسے ہلکا ہلکا بخار بھی محسوس ہو رہا تھا۔ اماں نے اس کی بات کو سنا ان سنا کر دیا اور پھر بولیں۔

''اب اٹھ بھی جا بیٹا دیکھو سورج ڈوبنے کو ہے اٹھ جا میری بچی نماز پڑھ کے آٹا گوندھ لے اور ہاں دیکھ بھری دوپہر میں بھائی مزدوری کر کے آتا ہی ہوگا اس کے لیے املی آلو بخارے کا شربت بنا کے رکھ دے اور غسل خانے میں پانی کی بالٹی بھی بھر دے جب تک آئے گا تو پانی بھی ٹھنڈا ہو جائے گا' گرمی تو ہم گھر بیٹھوں کو ہی نڈھال کر رہی ہے میرے بچے کا کیا حال ہوگا''۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ میں بھی تو صبح سے کولہو کے بیل کی طرح کام میں جتی ہوئی ہوں مگر اماں نے ایک بار بھی میرے لیے نہ سوچا نہ ہی ایسے الفاظ نہ ہی کوئی شربت کی گھونٹ نصیب ہوئی' کیا میں ان کی اولاد نہیں ہوں' آخر کئی سالوں کا چھپا ہوا شکوہ آج شانزے کی زبان پہ آ ہی گیا۔

''اماں! اگر بھائی باہر سے مزدوری کر کے آتے ہیں تو میں بھی تو سارا دن کام کرتی ہوں مگر میرے لیے کبھی آپ نے شربت دودھ کا نہیں سوچا''۔ اس کا یہ شکوہ اماں کے تن بدن میں آگ لگا گیا۔

''بس بس زیادہ بک بک نہ کر اور خبردار جو میرے بچے کی برابری کی تو یا اس کے کھانے پینے سے حسد کیا' اری تجھے کیا پتہ سات بھائی مرے

زاہدہ ہاشمی

افسانہ

فرح

''شانو اے شانو''۔ شانزے نے اماں کی پکار پھر مندی مندی آنکھوں سے اماں کو دیکھا اور کروٹ بدل کے بولی۔

''اچھا اماں اٹھتی ہوں نا تھوڑا اور سونے دیں''۔ سارا دن کپڑے دھو کے گرمی میں پورا گھر صاف کر کے وہ گھنٹہ پہلے ہی تو لیٹی تھی۔ ابھی تو کمر کا درد بھی ختم نہ ہوا

میرے ان سالوں کے بعد رات دن بیٹوں میں مجھے اپنے بھائی نظر آتے ہیں' کان کھول کے سن لے شانو آج کے بعد تیری زبان پہ یہ الفاظ نہ آئیں' چل اب اٹھ جا پڑی پڑی نحوست پھیلا رہی ہے"۔ وہ آنکھوں میں آنسو اور دل میں درد لیے خاموشی سے گھر کے باقی کام کرنے کے لیے اٹھ گئی مگر پہلے وضو کیا اور نماز کے بعد اس کی ہتھیلیاں دعا کرتے وقت آنسوؤں کی لڑیوں سے بھر گئیں دنیا میں ان آنسوؤں کی کوئی قدر کرے نہ کرے مگر وہ مالک حقیقی ان آنسوؤں کا بڑا قدر دان ہے جو عرش پر جلوہ افروز ہے۔

"اے مالک! کیا میں ان کی اولاد نہیں؟ میں بیٹی وہ بیٹا یہ فرق کیوں؟ بیٹیوں کے احساسات کو کیوں روندا جاتا ہے ان کے جذبات کی کوئی اہمیت نہیں؟" وہ بھی اپنے مالک سے شکوہ کناں تھی تو کبھی اپنے پیاروں کے سامنے سوالوں کا کشکول لیے کھڑی تھی شاید اس کے سوالوں کے جواب کسی کے پاس نہیں تھے اماں کی آواز پھر آئی تھی۔

"نماز پڑھ کے سالن میں سے اچھی اچھی بوٹیاں عبدالصمد کے لیے رکھ دینا میرا اصمد گوشت شوق سے کھاتا ہے اور اپنے باپ کے لیے رات کو دودھ ضرور گرم کر دینا"۔ اس نے بڑے دکھ سے ان کی طرف دیکھا اور خاموشی سے آٹا گوندھنے لگی۔

☆☆☆☆

"اے رانی تو جائے گی شانو کی شادی پر؟" بلو نے اپنے گھر کی چھت پر پڑی ٹوٹی کرسی پر بمشکل چڑھتے ہوئے ساتھ والے گھر میں مقیم اپنی سہیلی کو پکارا تھا اور رانی بھی کسی بوتل کے جن کی طرح چھپاک سے صحن میں آئی تھی اور بولی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں میں تو جاؤں گی اور سن بلو تو آج شادی پہ وہ ہی جوڑا پہننا جو میرے جیسا ہے ہم دونوں کالا جوڑا پہن کے جائیں گے"۔ وہ خوشی خوشی شانوں کی شادی کے لیے تیار ہونے لگیں آخر کو شانو ان کی عزیز سہیلی تھی شادی کے بعد اللہ نے شانو کو دو جڑواں بیٹوں سے نوازہ وہ مالک کی شکر گزار تھی وہ سارا دن کی تھکی بچوں کو سلا کے ابھی لیٹی ہی تھی کہ ساس اماں کی آواز آئی۔

"آئے ہائے عصر کا وقت ہے اور تم بستر پر ہی پڑی ہو"۔ آدم (شانزے کا شوہر) آتا ہی ہوگا اس کے لیے فریش جوس نکال کے رکھو اور یہ ہر وقت کا سونا ٹھیک نہیں ہوتا"۔ اور وہ ہر وقت کے سونے کے لفظ کو سوچتی اٹھ گئی کہ نصیب ہی کب ہوتا تھا جی بھر کے سونا۔

"اے لڑکی کیا بہری ہوگئی ہے"۔ عیسیٰ اور یحییٰ کی رونے کی آواز پر خدیجہ خاتون پھر بولیں۔

"میں اپنے پوتوں کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں چلو اٹھو ان کو دیکھو"۔ اور شانزے اپنی اماں اور ساس کی باتوں میں موازنہ کرنے لگی۔ اماں تو دونوں کی ایک جیسی تھیں مگر لہجوں میں فرق تھا اماں کی باتوں میں کہیں نہ کہیں شانو کے لیے پیار ہوتا تھا' اور ساس کی باتوں میں بے حسی اور بے رخی کا مادہ زیادہ تھا مگر باتیں ایک جیسی تھیں سوچ ایک جیسی تھی وہاں باپ بھائی کی اہمیت یہاں شوہر اور بیٹوں کی کیا اس کی کوئی وقعت نہیں تھی کیا اس کی کوئی اپنی زندگی نہ تھی کیا بنت حوا ہمیشہ ہی ابن آدم کے آگے مات کھاتی رہے گی؟ کیا کوئی بھی اس کے لیے بھی پیار بھرے احساس سے لبریز الفاظ استعمال کرے گا؟ کیا آپ کے پاس ان سوالوں کے جواب ہیں؟ کیا آپ اپنے قلم کے ذریعے اس کھلے تضاد کو اس قبیح فرق کو ختم کرنا چاہیں گی؟ تو آئیں ہم سب اپنا اپنا حق ادا کریں کہ کب سے کوئی شانو کوئی جاجو' کوئی بلو' کوئی رانی اپنے سوالوں کے جوابوں کی منتظر ہیں کہ یہ سب اپنے ماں باپ سے معاشرے سے سوال کر رہی ہیں کہ بیٹے اور بیٹی میں یہ فرق کیوں کیا جاتا ہے۔

☆☆......☆☆......☆☆

☆☆☆



سلمیٰ غزل

ناولٹ

بوسنی کا ناسور

اقراء کالج سے گھر لوٹی تو دروازے پہ بڑی سی گاڑی کھڑی دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ جانتی تھی والد کے علاوہ اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں وہ گیٹ کھول کر اندر آئی تو باتوں کی آوازیں باہر تک آرہی تھیں یہ دوسو گز پہ بنا خوب صورت گھر نہ صرف بلکہ اس کا سرسبز شاداب لان باپ بیٹی کی محنت بولتا ثبوت بھی تھا۔ کالج سے آکر شام کا زیادہ تر وقت باپ بیٹی کا پھول پودوں کی تراش خراش میں ہی گزرتا تھا اقراء نے چاہا کہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی جائے لیکن بابا نے دیکھ لیا۔

''اقراء بیٹی ادھر آؤ دیکھو کون آیا ہے؟ یہ میرے پرانے دوست کا بیٹا شہریار ہے۔''

اقراء نے سلام کیا پھر اس کی نگاہیں آنے والی شخصیت پر جم سی گئیں۔ شہریار مردانہ وجاہت کا مکمل شاہکار تھا اپنے باپ کے بعد کسی مرد کو اسے غور سے دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا جو خود بھی بڑی دلچسپی سے اقراء کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم چینج کر کے کھانا لگا دو ہم کھانا ساتھ ہی کھائیں گے۔'' اقراء نے جلدی سے اسٹو اور کباب نکال کر گرم کیے جو وہ اکثر ایمرجنسی کے لیے فریز کر لیا کرتی تھی تاکہ پکانے کا موڈ نہ ہو تو نکال لے۔ کھانے کے دوران وہ تو خاموش تھی مگر بابا خوب چہک رہے تھے اور خوش بھی لگ رہے تھے۔ ان کے اصرار پر شہریار اپنا سامان ہوٹل سے لے آئے تب بابا نے اقراء کو بتایا۔

''شہریار نے بچپن ہی سے ماں سے محرومی کا دکھ اٹھایا ہے تمہاری طرح اور اس کی پرورش اس کی سگی خالہ نے کی ہے جو اس کی ماں کی جڑواں بہن ہے۔''

☆......☆

اقراء کے بابا واحد خان کھلے ذہن کے پڑھے لکھے انسان تھے۔ کالج سے بحیثیت پروفیسر ریٹائرڈ ہو گئے تھے لیکن اقراء جب دس سال کی تھی تو کینسر جیسے موذی مرض نے ان کی بیوی کی جان لے لی تھی۔ اقراء شادی کے پانچ سال بعد بڑی منتوں مرادوں سے پیدا ہوئی تھی اس لیے بیوی کے انتقال پر جب دوست احباب نے دوسری شادی پر زور دیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اب اقراء ہی ان کی کل کائنات اور جینے کا سہارا تھی اور انہوں نے اس کی تربیت باپ اور ماں دونوں کی طرح کی تھی۔ وہ ذہین ہی نہیں خوب صورت اور خوب سیرت بھی تھی۔ شہریار سے پہلی ملاقات بے شمار ملاقاتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی دونوں میں کافی بے تکلفی ہو گئی تھی اور بابا کی اجازت سے اقراء نے شہریار کو کراچی کے تمام مشہور اور چیدہ چیدہ مقامات دکھا دیئے تھے اور جہاں بے تکلفی پیدا ہو جائے۔ وہاں سارے حجاب ختم ہو جاتے ہیں۔ بات چیت میں جرأت اور بے باکی پیدا ہو جاتی ہے مگر اس کی بے تکلفی میں بھی ایک رکھ رکھاؤ اور خاندانی وقار تھا بابا نے شاید ایک

میرے جانے کی وجہ سے ہے تو میری طرف سے
شہریار کو انکار سمجھیں اگر آپ کو میری جدائی گوارہ
نہیں تو میں بھی آپ کے بغیر خوش نہیں رہ سکوں گی
آپ فیصلہ کرلیں مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔''
اقراء جذباتی ہو کر باپ سے لپٹ گئی اور بری طرح
آنسوؤں سے رونے لگی اور باپ کو بے قرار کر گئی۔
''پگلی نہ ہو تو۔'' وہ اس کی پیشانی کو بوسہ دیتے
ہوئے پیار سے بولے۔
''ساری زندگی تمہاری ماں کے بغیر گزار دی مگر
آج تمہاری ماں مجھے بہت یاد آرہی ہے اس کی کمی
شدت سے محسوس ہورہی ہے وہ زندہ ہوتی تو آج
کتنا خوش ہوتی میں بے حد خوش ہوں۔ شہریار ہیرا
لڑکا ہے ایسا شوہر تو خوش نصیب لڑکیوں کو ملتا ہے اور
تمہاری خوش نصیبی میں مجھے کوئی کلام نہیں۔ لیکن تم
بھی اس سے بدگمان مت ہونا نہ اس پر شک کرنا وہ
ایک مخلص اور سچا انسان ہے اور ہاں یہ گھر میں نے
تمہارے نام کردیا ہے اور بینک اکاؤنٹ تو ہمارا
جوائنٹ ہی ہے ہر چیز تمہاری ہے۔''
''بابا! آپ کیسی باتیں کررہے ہیں آپ کے
ہوتے ہوئے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' اقراء
منہ بسور کر بولی۔ پھر دوسرے دن محلے والوں کی
موجودگی میں اقراء کا نکاح شہریار سے ہوگیا۔ رخصتی
لاہور جاکر خاندان والوں کی موجودگی میں واجد خان
کو خود کرنی تھی مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ بیٹی کی خوشی
انہیں دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔ شاید وہ اپنے فرض
سے سبکدوش ہونے کے لیے ہی زندہ تھے کیونکہ رات
کو کسی وقت اچانک ہارٹ فیل ہونے سے ان کی
زندگی کا چراغ گل ہوگیا اقراء نے رو رو کر زمین
آسمان ایک کردیا۔ اس کو لگتا جیسے باپ کے ساتھ دنیا
ہی ختم ہوگئی ہو جو تدفین سے پہلے شہریار کے ابو بھی
آگئے اور ان کے سینے سے لگ کر جس بے قراری
سے اقراء روئی اس نے سب کی آنکھیں اشکبار
کردیں۔ وہ بھی اقراء کو اپنے بابا کی طرح لگے دھیمے،
شفیق اور محبت کرنے والے ان کی موجودگی سے اقراء
کو بڑی ڈھارس ملی انہی کے مشورے سے اقراء نے
اپنی ضرورت کا سامان رکھ کر باقی ایک رفاحی ادارے
کو دے دیا۔ مکان کرائے پر چڑھا دیا اور تینوں لاہور
کے لیے روانہ ہوگئے جہاں ایئر پورٹ پر پورا خاندان
ان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ اقراء کو ان سب
سے مل کر بے حد خوشی ہوئی پھر اسی ہفتے شہریار کے پاپا
نے دھوم دھام سے اس کی رخصتی اور ولیمہ کردیا باپ
کے بغیر اس کو سب کچھ ایک ادھورا خواب لگ رہا تھا
مگر وہ بے حد خوش تھی کیونکہ اس کو یہاں سب کی
بھرپور محبت اور توجہ مل رہی تھی۔

☆☆

اقراء کو شہریار کی دونوں بھانجیاں بڑی اچھی لگیں
لیکن شہریار نے تعارف کراتے ہوئے اسے ڈرایا۔
''دیکھو اقراء! کنزہ ہے تو میڈیکل کی اسٹوڈنٹ
مگر بلا کی شریر اور باتونی دماغ کھا جائے گی تمہارا
اس سے بچ کر رہنا۔''
''ماموں یہ زیادتی ہے میں کوئی آدم خور ہوں؟''
کنزہ نے بھنا کر احتجاج کیا جسے شہریار نے کان پر
مکھی کی طرح اڑا دیا۔
''اور یہ سویرا انجینئرنگ کی اسٹوڈنٹ۔ بے حد
پڑھاکو مگر حد سے زیادہ کاہل اور کام چور مجال ہے جو
ہل کر پانی بھی پی لے اس کا بس چلے تو اس کی جگہ
واش روم بھی کوئی اور چلا جائے اس سے تم ارج کر
کام لینا تاکہ سسرال میں جاکر ناک نہ کٹوائے۔''
شہریار کے لہجے میں شرارت تھی۔
''ناک ہوگی تو کٹوائے گی نا۔'' کنزہ نے پھبتی کسی
کیونکہ سویرا تھی تو خوش شکل مگر ذرہ ناک چپٹی تھی۔
''خبردار شہریار جو تم نے میری بیٹیوں کو تنگ کیا
ہو تو۔'' اچانک شہریار کی خالہ آگئیں اور انہوں نے
شہریار کی گوشمالی شروع کردی۔

دوسرے میں ان کی دلچسپی محسوس کرلی تھی تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوا کیونکہ انہیں اپنی بیٹی پر بھروسا اور اس کی بلند کرداری پر یقین تھا۔ پھر ایک دن شہریار نے صاف صاف لفظوں میں اقراء سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے شادی کا کہہ دیا اقراء خود اس پیش کش کی منتظر تھی۔ اس لیے اسے حیرت نہیں ہوئی مگر اس نے بھی صاف کہہ دیا کہ اپنے بابا کی مرضی کے بغیر وہ کوئی فیصلہ نہیں کرے گی اور اسے بھی اپنی فیملی سے پوچھ لینا چاہیے۔"

"یار میری فیملی بے حد لبرل اور کھلے ذہن کی ہے۔ مختصر سی فیملی جس میں پاپا خالہ اور دو بھانجیاں ہیں جو پڑھنے کی وجہ سے نانا کے پاس رہتی ہیں میری بڑی بہن شوہر کے ساتھ سعودی عرب میں مقیم ہے اور پاپا سے میں اجازت لے چکا ہوں۔"

"پھر تم بابا سے بات کرلو؟" اس کی بات سن کر اقراء بولی۔

"تم جانتے ہو میری ماں کا انتقال میری کم عمری میں ہی ہوگیا تھا۔ میرے بابا جوان تھے مگر انہوں نے میری خاطر دوسری شادی نہیں کی۔ پھر انہیں میری ماں سے بے تحاشا محبت تھی لوگ بتاتے ہیں کہ ایسی محبت نہ دیکھی نہ سنی شاید کتابوں میں پڑھی اور کہانیوں میں سنی ہو۔" یہ کہتے ہوئے اقراء کی آواز بھرا گئی اور شہریار بھی کچھ افسردہ سا ہوگیا۔ اقراء کو اپنا اور شہریار کا دکھ مشترکہ لگا۔ پھر شہریار نے اس کو اپنے خاندان کے بارے میں بتایا۔

"آج سے پچاس سال پہلے ہمارا شمار امراء میں ہوتا تھا لیکن دادا مرحوم کی عیاشیوں کی وجہ سے سب کچھ ختم ہوگیا۔ میرے والد نے بمشکل گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا اور اب اللہ کا شکر ہے ہمارا شمار بھی خوش حال گھرانوں میں ہوتا ہے میں پڑھائی کے سلسلے میں زیادہ تر ملک سے باہر رہا اس لیے اپنے خاندان کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتا۔"

پھر بابا نے شہریار کے پاپا سے بات کرکے انہیں رضا مندی دے دی لیکن ان کی ایک ہی شرط تھی کہ شہریار کو ان کے ساتھ ہی رہنا پڑے گا۔ وہ اس کو رخصت نہیں کریں گے۔

شہریار نے یہ سن کر زبردست احتجاج کیا۔ "انکل یہ ممکن نہیں ہے گاؤں میں ہماری حویلی ہے زمینیں ہیں میں نے عمر کا بڑا حصہ ملک سے باہر گزارا ہے میں اپنوں میں رہنا چاہتا ہوں۔"

اقراء کو بھی بابا کی یہ شرط اچھی نہیں لگی۔

"بابا! میں پہلے ہی شہریار سے کہہ چکی ہوں کہ آپ ہمارے ساتھ ہی چلیں گے آپ شہریار کے بابا کے ساتھ شطرنج کھیلنا، گپیں لڑانا آپ کا وقت اچھا گزرے گا ہم سب مل کر خوش رہیں گے۔"

اقراء کے اصرار پر وہ خاموش تو ہوگئے مگر اس نے ان کے رویے میں ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کی وہ کھوئے کھوئے سے رہنے لگے تھے دونوں ہی انہیں ہر طرح سے مطمئن اور خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے مگر اقراء کو ان کی اداسی اور افسردگی کا سبب سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ شاید اقراء کی جدائی شاق گزر رہی تھی اقراء بھی ان کے اس وطیرہ سے پریشان تھی پھر ایک دن بابا کے کمرے سے کھٹ پٹ کی آوازوں سے اس کی آنکھ کھل گئی اس نے کمرے سے باہر نکل کر کھڑکی سے جھانکا تو حیران رہ گئی۔ رات کے تین بجے وہ سر پکڑے بیٹھے تھے ان کا چہرہ زرد ہورہا تھا۔

"بابا! کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے آپ اتنی رات گئے جاگ رہے ہیں؟" اقراء نے کمرے میں داخل ہوکر بے قراری سے پوچھا۔

اور بیٹا تم کیوں جاگ رہی ہو؟" انہوں نے سوال کے جواب میں سوال کرکے بات کو ٹالا۔

"بابا! آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں میں آپ کو کئی روز سے گم صم دیکھ رہی ہوں۔ یہ اضطراب اگر

محبت کی نہیں۔

"بے وقوف لڑکی۔" اقراء نے ہلکے سے اس کے سر پر ایک چپت لگائی۔

"میں نہ تو وہم پرست ہوں نہ کم عقیدہ۔ اللہ نے اگر میری زندگی رکھی ہے تو یہ بددعا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ حسن اتفاق کو تم نے حسن ظن بنا دیا کیونکہ اللہ کے سوا کسی کے اختیار اور بس میں نہیں کسی کی جان لینا ورنہ ہم انسان تو اتنے کم ظرف اور تھڑ دلے ہیں کہ کسی غریب اور مسکین کو تو زندہ رہنے کا حق ہی نہ دیں۔ شکر ہے اللہ نے یہ اختیار اپنے بندوں کو نہیں دیا۔"

☆......☆

اقراء کو شہریار کے کمرے میں لگی اس کی امی کی تصویر دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ خالہ اور شہریار کی امی بے شک جڑواں تھیں لیکن اتنی مماثلت اس نے بہت ہی کم کسی میں دیکھی تھی۔ آخر ایک دن اس نے شہریار سے پوچھ ہی لیا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو اکثر لوگ دھوکا کھا جاتے تھے اور ہماری خالہ میمونہ چونکہ شریر بہت تھیں اس لیے امی بن کر اکثر لوگوں کو دھوکا دے جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ تو ہمارے پاپا بھی بے وقوف بن گئے تھے۔ یہ ہمیں میمونہ خالہ ہی نے بتایا تھا مگر ایک فرق تھا جو ہم نے نہیں دیکھا۔ ہماری مرحومہ ماں کے کاندھے پر ایک پدم کا نشان تھا جو ظاہر ہے نانا نانی یا پھر پاپا نے ہی دیکھا ہوگا۔"

ایک دن شہریار نے مجھے اچھی طرح تیار ہونے کو کہا۔ ساتھ ہی کسی کو نہ بتانے کی بھی تاکید کی۔

"مگر مجھے تو بتا دو کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔" اقراء نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ایک بزرگ ہستی جو کسی سے نہیں ملتی تم سے ملنا چاہ رہی ہے۔ سنا ہے جوانی میں بڑے جیدار، ضدی، بخیل اور گھوڑے کی طرح اڑیل تھے مگر بڑھاپے نے سب کس بل نکال دیے، بیوی مر گئی اولاد کوئی ہے نہیں اب دولت سے کھاتے ہیں اس پر سوتے ہیں اور شاید کھاتے بھی ہوں۔" شہریار نے تمسخر سے کہا۔

"ویسے بڑے مالدار بڑے میاں ہیں ہو سکتا ہے تمہاری کچھ رشتے داری نکل آئے اور ہم ارب پتی ہو جائیں۔" شہریار کا لہجہ شرارتی تھا لیکن اقراء کو برا لگ گیا۔

"شہریار اللہ کا دیا ہمارے پاس سب کچھ ہے پھر یہ طمع اور لالچ۔" اقراء کا لہجہ تلخ تھا۔

"لاحول ولا قوۃ تم تو سیریس ہو گئیں یار میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ورنہ تم میری عادت سے واقف ہو۔"

دونوں چوہدری اللہ یار کی حویلی پہنچے تو اقراء کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں حویلی کیا تھی اچھا خاصا محل تھا۔ بے حد خوب صورت ہرا بھرا لان بڑے بڑے کشادہ کمرے دلکش اور قیمتی ساز و سامان سے آراستہ نایاب اور قیمتی نوادرات نوکروں کی ریل پیل۔ نوکر انہیں احترام سے اللہ یار کے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ بستر پر لیٹا ہوا وجود کمزور اور لاغر ہونے کے باوجود جلال اور تمکنت سے بھرپور تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ یہ بوسیدہ عمارت کبھی شاندار اور بارعب رہی ہوگی۔ انہوں نے شفقت سے اقراء کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر پیشانی پر بوسہ دیا تو اقراء کا دل گداز ہو گیا اور آنکھیں بھر آئیں آنسو تو ان کے بھی گالوں کو بھگو رہے تھے اور وہ ٹکٹکی باندھے اقراء کو غور سے دیکھ رہے تھے اقراء کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے تصرف میں ان گنت کہانیاں بکھری ہوں جنہیں وہ سمیٹ کر اس کے دامن میں ڈالنا چاہتے ہوں لیکن بے بس ہوں کافی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ گویا ہوئے۔

"بیٹی! میں بالکل تنہا ہوں کبھی کبھار آجایا کرو۔ تمہیں دیکھ کر مجھے بڑی تسکین ہوتی ہے۔"

"اور یہ ہیں ہماری پیاری راج دلاری خالہ میمونہ امی کی جڑواں بہن جن کی موجودگی نے سچ پوچھو تو اماں کی کمی محسوس ہونے نہیں دی ان کا اور ہمارا الگ ہوتے ہوئے بھی ایک گھر ہے۔ بیچ کی دیوار کی وجہ ہے جس میں دروازہ ہے ہماری تو بڑی خواہش تھی کہ خالہ ہماری ماں کی۔"

"شہریار......"

خالہ میمونہ نے سرزنش کی اور شہریار کو چپ ہونا پڑا مگر اقراء کو ادھورے جملے سے شہریار کی خواہش کا اندازہ ہوگیا۔

☆......☆

اقراء کا زیادہ تر وقت کنزہ کے ساتھ گزرتا تھا جو ذہین اور باتونی تھی جب کہ سویرا ہمیشہ پڑھائی میں منہمک رہتی تھی۔ شہریار کے بابا سے بھی اس کی کافی دوستی ہوگئی تھی صرف شہریار کی خالہ سے اقراء خائف تھی ان کی آنکھوں میں اسے عجیب سی پراسراریت اور اضطراب نظر آتا تھا۔ حالانکہ اقراء کے ساتھ ان کا رویہ مشفقانہ تھا مگر ایک دن کنزہ نے خود ہی بتایا۔

"ماموں خالہ کا بے حد احترام کرتے ہیں کیونکہ ہماری نانی کے انتقال کے بعد خالہ نے ہی ہماری ماں اور ماموں کی پرورش کی تھی۔"

"شہریار کی امی کی وفات کیسے ہوئی کیا انہیں کوئی بیماری تھی؟" اقراء نے یونہی پوچھ لیا اور کنزہ ایکدم سنجیدہ اور سہمی ہوئی لڑکی بن گئی۔ اقراء حیران تھی کہ اس نے ایسا کیا پوچھ لیا اقراء کا اشتیاق اور جستجو بڑھ گیا تو کسی کو نہ بتانے کا وعدہ لے کر کنزہ نے بتایا۔

"ہمارے جاٹ خاندان کی تاریخ میں یہ بڑی اذیت ناک بات ہے کہ ہر آنے والی دلہن مختصر زندگی لے کر آتی ہے اور بہت سے بہت چھ ماہ یا سال دو سال زندہ رہ کر مر جاتی ہے۔"

"ممانی مجھے آپ کی بہت فکر ہے۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اقراء نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ بھی تو غیر خاندان اور غیر ذات سے آئی ہیں اور مجھے ڈر لگ رہا ہے کیونکہ خالہ نانی (میمونہ کو بچیاں اسی طرح پکارتی تھیں) نے ہمیں سختی سے منع کیا تھا کسی کو بھی بتانے سے وہ تو میں نے ایک دن اتفاقاً سن لیا تھا ورنہ ماموں کو بھی اس بات کی خبر نہیں۔ سنا ہے ماموں کے دادا ایک عیاش انسان تھے اور انہوں نے دولت کے لالچ میں ایک امیر غیر خاندان کی بیوہ سے شادی کر لی تھی اور عین شادی کے وقت ایک عورت ایک بچہ اٹھائے یہ کہتے ہوئے آ گئی کہ یہ دادا کا بچہ ہے اور اس کی اجازت کے بغیر دادا دوسری شادی نہیں کر سکتے۔ وہ ان کی پہلی بیوی تھی دادا نے اسے دھکے مار کر نکال دیا اور اس عورت نے جاتے وقت دادا کو بددعا دی تھی کہ اس خاندان کی کوئی دلہن زیادہ عرصے زندہ نہ رہے اور زندہ رہے تو بھی خوش نہ رہے۔ دوسرے دن ماں بچے کی لاش ندی سے ملی اور پھر آپ دیکھیں دادا کی بیوی ایک سال کے اندر اندر مر گئی ڈینگی سے۔ مگر سب نے کہا یہ بددعا کا اثر ہے پھر چھ مہینے بعد دادا کی بھابی بھی اچانک گزر گئی اور ڈاکٹر نے بتایا کہ انہیں ہیپاٹائٹس ہی تھا۔ حالانکہ یہ بھی بددعا کا اثر تھا۔" کنزہ نے ڈر ڈر کر بتایا۔

اقراء نے پھر پوچھا۔ "کیا سچ مچ شہریار کے دادا نے شادی کر رکھی تھی؟"

"کہتے تو سب یہی ہیں کہ وہ عورت سچی تھی اس لیے آج تک اس خاندان پر اس بدنصیب عورت کی بددعا چھائی ہوئی ہے۔"

کنزہ بے حد ڈری ڈری اور خوف زدہ لگ رہی تھی اور میر زندگی سے مایوس بھی۔ کنزہ کو اس انکشاف پر ایک دھچکا سا لگا کہ شہریار کے دادا نے صرف لالچ کی خاطر شادی کی تھی وہ بھی دولت کی

تھا وہ کینسر سے لڑ نہیں سکے گی اور زندگی کی بازی ہار جائے گی وہ مرنے سے پہلے مجھ سے ملنا چاہتی تھی اس نے خط میں تمہارا ابھی ذکر کیا تھا۔'' مگر میرا دل نہیں پسیجا۔'' انہوں نے تھک کر لمبی لمبی سانسیں لیں۔ اقراء دم بخود تھی۔

''بڑھاپا اچھے اچھوں کے دم خم نکال دیتا ہے۔'' انہوں نے پھر سے بولنا شروع کیا۔

''ضعیفی نے مجھے احساس دلایا کہ اس دولت نے مجھے کیا دیا میں نے کیا کھویا اور کیا پایا اپنوں سے جدائی، زندگی بھر کی تنہائی، بے بسی اور لاچاری۔ نوکر چاکر کے علاوہ کون ہے میرا اپنا۔ یہ سب محبت سے نہیں پیسوں سے خدمت کر رہے ہیں پھر مجھے تمہارا خیال آیا مگر دیر ہو چکی تھی میں داماد سے بھی معافی نہ مانگ سکا اور وہ بھی دنیا سے چلا گیا یہ جانے بغیر کہ میں کتنا شرمندہ ہوں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگے اب اقراء کو سمجھ میں آیا کہ کیوں بابا اس کو گاؤں بھیجنے کے خلاف تھے انہیں نانا کا ڈر تھا۔

''اقراء میری بیٹی میری زندگی کا بھروسا نہیں تم میری اکلوتی وارث ہو اس لیے میں نے اپنی پوری جائیداد قانونی طور پر تمہارے نام کر دی ہے کچھ رفاحی ادارے ہیں اس کا نگہبان بھی تمہیں بنا دیا ہے۔ میری خدا سے دعا ہے کہ تم شہریار کے ساتھ ایک لمبی اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزارو۔ میری ایک بات یاد رکھنا تمہارے باپ کو پہچاننے میں، میں نے غلطی کی تھی لیکن اس مرتبہ میں یہ غلطی نہیں کر رہا۔ وہ ایک بہترین انسان ہے اس پر بھروسا کرنا کیونکہ اس کے علاوہ دنیا میں اب تمہارا ہے ہی کون میں تو چراغ سحری ہوں کب گل ہو جاؤں۔''

اس دوران ان کی دوا کا ٹائم ہو گیا تھا۔ اس لیے نرس نے آ کر دوا دینا چاہی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

''تم جاؤ مجھے کسی دوا کی ضرورت نہیں بس میں اپنی بیٹی کے ہاتھ سے پانی پیوں گا۔''

پانی پی کر انہوں نے اقراء کا ہاتھ ہونٹوں سے لگایا اور آنکھیں موندھ لیں۔ وہ تھک گئے تھے یا شاید سو گئے تھے لیکن نرس نے ان کے بے روح چہرے پر نظر ڈال کر ان کی موت کی تصدیق کر دی انہوں نے خاموشی سے ابدی سکون حاصل کر لیا تھا پہلے تو اقراء کو یقین ہی نہیں آیا مگر پھر اس کی چیخوں سے حویلی کے درو دیوار گونج اٹھے۔

اقراء اب اس گاؤں کی امیر ترین عورت تھی۔ نانا کی جائیداد نے اسے زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا تھا اور اس کو لگتا تھا کہ دولت نے سب کے مزاج اور رویے تبدیل کر دیے ہیں اس کو شک تھا کہ شاید شہریار نے بھی اسی دولت کے لیے اس سے شادی کی تھی۔ بقول کشور اس خاندان میں مرد شادی ہی دولت کے لیے کرتے ہیں اور پھر دلہنیں زیادہ عرصے زندہ بھی نہیں رہتیں۔''

اقراء ہراساں ہونے کے ساتھ ساتھ محتاط بھی ہو گئی تھی۔ ایک دن اس نے شہریار سے پوچھ ہی لیا۔

''شہریار آپ نے کچھ سوچا ہے نانا کی اتنی دولت کا ہم کیا کریں گے؟''

''یہ نانا تمہارے دولت تمہاری فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔'' شہریار نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''ویسے میرا مشورہ تو یہی ہے کہ تم اس سرمائے سے کوئی چیریٹی اسپتال کھول لو۔ یہاں گاؤں میں ویسے بھی صحت کے مسائل زیادہ ہیں اور غریبوں کے پاس وسائل نہ ہونے کے برابر اس طرح نانا کی روح کو ثواب بھی ملے گا اور ایک طرح سے صدقہ جاریہ بھی۔'' شہریار نے خلوص سے کہا لیکن اقراء کو اطمینان نہیں ہوا۔

''تو ہمارے پاس کیا بچے گا؟'' اقراء نے معصومیت سے سوال کیا۔

اور شہر یار کے بولنے سے پہلے ہی وہ بول پڑی۔
''انکل میں آتی جاتی رہوں گی آپ فکر نہ کریں۔''
انہوں نے خاطر مدارات کے علاوہ بہت کچھ دے دلا کر انہیں رخصت کیا۔ راستے میں شہر یار اسے سمجھانے لگا۔
''دیکھو اقراء روز روز کا آنا جانا ٹھیک نہیں، کہتے ہیں قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا۔ پتا نہیں بڑے میاں تم پر اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہیں۔'' پھر اقراء کے اصرار پر اس نے ہفتے میں دو تین دن جانے کی اسے اجازت دے دی۔

☆......☆

اقراء جب بھی چوہدری اللہ یار کی حویلی جاتی اسے ایک عجیب طرح کی تسکین ملتی ایک انجانا سا قرار جس کو وہ بیان نہیں کر سکتی تھی۔ ایک دن چوہدری صاحب کا نوکر اسے بلانے آ گیا۔ شہر یار کے بغیر اقراء کو اکیلے جانا اچھا تو نہیں لگ رہا تھا مگر وہ خود کو جانے سے روک نہ پائی ان کی حالت کافی نازک لگ رہی تھی۔
''نرس تم باہر جاؤ'' انہوں نے بمشکل نرس سے کہا اور پھر اقراء کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر بے آواز رونے لگے۔ اقراء کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔
''بیٹی! میں مرنے سے پہلے تمہیں ایک بڑے راز سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ شہر یار کو میں نے تمہیں بتانے سے منع کر دیا تھا تم نہیں جانتیں تمہاری ماں رخشندہ میری اکلوتی اولاد اور تم میری نواسی ہو۔'' وہ اقراء کو گلے لگا کر بلک بلک کے رونے لگے اور اقراء ورطہ حیرت میں ڈوب گئی خود بھی بے قراری سے آنسو بہانے لگی۔
''تمہاری ماں نے لاہور کالج میں پڑھائی کے دوران تمہارے باپ کو پسند کر لیا تھا جو وہاں ایک معمولی لیکچرار تھا مگر میرے جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکیوں کے باوجود اس نے تمہارے باپ سے عہد وفا نبھایا اور میرے لاکھ سمجھانے اور منع کرنے کے باوجود شادی کر لی۔ وہ شادی کے بعد میرے پاس آئی تھی مگر میں نے دونوں کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیا پھر وہ جانے کہاں چلی گئی۔'' یہ کہہ کر وہ تھک کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگے اقراء جو سکتے کے عالم میں تھی ان کو تسلی دینے لگی۔ انہوں نے پیار سے اس کا ماتھا چوما پھر آہستہ آہستہ کہنے لگے۔
''ہم ماں باپ اولاد کو ہر خوشی اور آزادی دیتے ہیں سونے کا نوالہ کھلاتے ہیں لیکن جب اپنی زندگی کے فیصلے کا وقت آتا ہے تو ہم انہیں اپنی ملکیت اور جاگیر سمجھ کر پابند سلاسل کر دیتے ہیں یہ سوچے بغیر کہ اپنی زندگی پر ان کا بھی کوئی حق ہے جیتے جاگتے انسان کو روبوٹ سمجھنے لگتے ہیں۔ تمہارے باپ میں کوئی برائی نہیں تھی سوائے اس کے کہ وہ غریب تھا میری ٹکر کا نہ تھا اور میں دولت اور خاندانی جاہ و حشمت میں مبتلا وہ رئیس زادہ تھا جو غریبوں کو کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں سمجھتے ان کو پاس بٹھانا تو دور ان سے بات کرنا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تھوڑی سی بھی عقل استعمال کرتا تو ماجد خان کی یہ کمی پوری کر سکتا تھا۔ آخر میرے مرنے کے بعد بھی شرعاً اور قانوناً میری بیٹی حقدار تھی لیکن اس غرور و تکبر نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی تھی۔ دولت کے زعم نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا اور وہ بھی آخر میری ہی بیٹی تھی انا پرست اور خود دار سب کچھ چھوڑ چھاڑ کہاں چلی گئی پتا ہی نہیں چلا کیونکہ میں نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر ماجد خان کبھی میرے سامنے آیا تو میں اسے جان سے مار دوں گا اور تمہاری ماں جانتی تھی کہ میں شقی القلب بھی ہوں اور ظالم بھی۔ میرے پاس اختیارات بھی ہیں اور بے حساب دولت بھی جس کے ذریعے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں پھر کئی سال بعد مجھے اس کا خط ملا اس نے مجھ سے معافی مانگتے ہوئے اپنی بیماری کا لکھا تھا اس کو یقین

"میری مانو تو کچھ دن میرے ساتھ چل کر رہو۔ تنہائی میں تم زیادہ بہتر طور پر سوچ سکو گی اس حادثے کو تم ایک اتفاق اور اللہ کی رضا سمجھ لو مگر شہریار پر شک کر کے اپنی ازدواجی زندگی کو تلخیوں کی نذر مت کرو میں تمہیں یقین دلاتی ہوں بلکہ حلفیہ کہہ سکتی ہوں کہ شہریار ایسا کر ہی نہیں سکتا۔"

خالہ میمونہ کی باتوں سے اقراء کو کافی ڈھارس ملی کیونکہ شہریار اس کی بھی محبت تھا پھر خالہ میمونہ کا خلوص، ہمدردی اور محبت ہر قسم کے شک و شبے سے بالاتر تھی ان کی بھانجے بھانجی سے محبت مثالی تھی۔ اقراء کو شہریار نے بتایا تھا کہ انہوں نے خالہ پر پاپا سے شادی کرنے کے لیے بہت زور دیا تھا مگر وہ راضی نہیں ہوئیں حالانکہ پاپا تیار تھے۔

پھر اچانک ایک دن ایک اور حادثہ ہوتے ہوتے بچا۔ کچن کے ساتھ ہی ایک تہہ خانہ تھا جو عام طور پر بند رہتا تھا۔ اس دن اقراء پانی لینے کچن میں آئی تو تہہ خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا وہ تجسس کے مارے اندر داخل ہوئی تو کسی نے بجلی کی سرعت کے ساتھ دروازہ بند کر دیا۔ اس نے پوری قوت سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ شور بھی مچایا لیکن لاحاصل رات کا وقت تھا سب اپنے اپنے کمروں میں اس کی آواز کون سنتا اقراء کو یقین تھا اب کوئی آئے گا اور خاموشی سے اسے قتل کر کے چلا جائے گا۔ گھپ اندھیرے سے وحشت ہو رہی تھی اور موت کے خوف نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اس نے دروازے کو پوری قوت سے دھکیلا اور گرتے گرتے بچی کیونکہ دروازہ کھولا جا چکا تھا۔ اس کو ہلاک کرنے کی یہ ایک اور سازش تھی اقراء بھاگتی ہوئی میمونہ خالہ کے پورشن میں آئی جہاں شہریار کے ساتھ کنزہ اور سویرا بھی موجود تھیں اس کے چہرے سے غصہ، نفرت، وحشت، خوف اور حیرت کے آثار چھلک رہے تھے۔ وہ شہریار سے مخاطب ہو کر چلائی۔

"شہریار آپ آخر چاہتے کیا ہیں۔ خدا کے لیے میری جان بخش دیں؟"

اقراء کی پوری بات سن کر سب پریشان ہو گئے پھر شہریار دکھ سے بولے۔ "اقراء! تم ایک غلط فہمی دل میں بٹھا چکی ہو اس لیے میں کتنی بھی صفائیاں پیش کروں، کوئی فائدہ نہیں تمہارا دل صاف نہیں ہو گا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے صرف تم سے محبت ہے تمہاری جائیداد سے نہیں۔ ذرا سوچو تم میری بیوی ہو، میری ہر چیز تمہاری اور تمہاری میری ہے پھر مجھے تمہاری جان لینے کا کیا فائدہ۔ تم چاہو تو ایک وصیت لکھ دو کہ خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جائے تو تمہاری منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سب ٹرسٹ کو چلی جائے گی۔"

پھر میمونہ خالہ نے ہی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مداخلت کی۔ "شہریار! ایسے دقونی کی باتیں مت کرو۔ اقراء کی جگہ میں بھی ہوتی تو ایسا ہی سوچتی بچی ڈر گئی ہے تم اور ہراساں کر رہے ہو۔" پھر وہ اقراء سے مخاطب ہوئیں۔

"اب میں تمہاری ایک نہیں سنوں گی تمہیں میرے ساتھ چلنا ہی ہو گا وہ اور یہ گھر الگ تھوڑی ہیں جب دل چاہے آجانا کوئی پابندی تھوڑی ہے۔"

☆......☆

خالہ میمونہ کا گھر بھی بہت خوب صورت تھا جس کمرے میں انہوں نے اقراء کو ٹھہرایا اس کی آرائش اور زیبائش دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"ویسے تو آج کل میں یہاں رہ رہی ہوں مگر اصل میں یہ تمہاری ساس رضوانہ کا کمرہ ہے۔" پھر خالہ دیر تک اقراء سے باتیں کرتی رہیں اور وہ ان کے خلوص و محبت کی پھوار میں بھیگتی رہی مگر دل اداس تھا۔ شہریار کی ماں کتنی کم عمری میں دنیا چھوڑ گئیں۔ ہر چیز سے ساس مرحومہ کے ذوق اور نفاست کا پتا

''دیکھو ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے والد کے علاوہ خالہ بھی مجھے بہت چاہتی ہیں اور انہوں نے وصیت میں اپنی ساری دولت میرے اور میری بہن کے نام کر دی ہے اور مجھے زیادہ کی ہوس نہیں۔ سچ پوچھو تو دولت انسان کو طمع اور لالچ کا شکار کر دیتی ہے۔ رشتوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں اور انسان۔ انسانیت کی معراج سے گر جاتا ہے اسی لیے میں ان چیزوں سے دور رہنا چاہتا ہوں باقی تمہاری مرضی جو چاہو کرو۔''

اقراء نے سوچا۔''کس قدر چالاک ہے یہ شخص دل میں کچھ زبان پر کچھ مگر میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں ایک نہ ایک دن تو بلی تھیلے سے باہر آ ہی جائے گی۔''

☆......☆

کافی دن سے اقراء لاہور جا کر شاپنگ کرنے کا سوچ رہی تھی لیکن شہریار کو فرصت ہی نہیں تھی۔ بچیاں پڑھائی میں مصروف تھیں۔ خالہ نے بھی جانے سے معذرت کر لی ان کی طبیعت خراب تھی۔ البتہ انہوں نے بھی ایک دو چیزوں کی فہرست اقراء کو پکڑا دی۔ خود اس کا دل بھی بوجھل ہو رہا تھا۔ رات نیند بھی ٹھیک نہیں آئی تھی اس نے فہرست ڈرائیور کو پکڑائی اور سونے لیٹ گئی۔ ویسے تو وہ خود ہی بغیر ڈرائیور کے جا رہی تھی کیونکہ عبدل کسی کام سے گیا ہوا تھا مگر ڈرائیور کو دیکھ کر اس نے ارادہ بدل دیا۔ نانا کی ہنڈا سوک اب اس کے تصرف میں تھی اور ڈرائیور بھی نانا کے زمانے کا ہی تھا۔ بوڑھا لیکن بے حد تابعدار اور شریف ایک خون کا رشتہ نانا کی شکل میں ملا تھا۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔ اب اقراء کو نانا کا یہ ڈرائیور بے حد عزیز تھا اکثر شہریار مذاق میں کہنے لگتا تھا۔''ڈرائیور میں تو لگتا ہے تم اپنے نانا کی روح تلاش کرتی ہو کتنے احترام سے بات کرتی ہو اس سے۔''

''آپ صحیح کہتے ہیں۔ شہریار مجھے لگتا ہے ڈرائیور کی موجودگی مجھے نانا کا احساس دلاتی ہے۔''

وہ ابھی غنودگی میں تھی جب اسے یہ اندوہناک خبر ملی کہ گاڑی درخت سے ٹکرا گئی اور ڈرائیور کی شدید زخمی حالت میں وفات ہو گئی۔ تحقیقات سے پتا چلا کہ گاڑی کے بریک فیل ہو گئے تھے۔ ڈرائیور کی موت کا صدمہ اپنی جگہ لیکن اقراء یہ سوچ کر کانپ گئی کہ گاڑی تو اسے لے جانی تھی اس کو اچھی طرح یاد تھا کہ شہریار نے ڈرائیور کو ضروری کام سے بھیج دیا تھا اور اقراء کو خالہ یا کسی بھانجی کو ساتھ لے جانے کو کہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اقراء کو گاڑی چلانی آتی ہے اگر ڈرائیور جلدی نہ آتا تو اسے ہی گاڑی لے جانی تھی۔ کیا یہ اس کے قتل کی سازش تھی جس کے پیچھے شہریار کا ہاتھ تھا؟ اور بارا غریب بے گناہ ڈرائیور گیا کیونکہ ٹیکی گاڑی کے فیل ہونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا شہریار کو دیکھ کر وہ پھٹ پڑی۔

''شہریار! آخر تم چاہتے کیا ہو تمہاری سازش کی وجہ سے ایک بے گناہ کی جان چلی گئی تم ہی نے تو مجھے گاڑی لے جانے کو کہا تھا اور اسی لیے تم نے ڈرائیور کو اپنے کام سے بھیج دیا تھا وہ تو میری قسمت کہ ڈرائیور آ گیا اور میں بچ گئی۔''

''میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔'' شہریار نے حیرت سے پوچھا۔

''یہی کہ تم میری ساری جائیداد لے لو اور مجھے جانے دو۔ یہ دولت روپیہ پیسا کب کس کے کام آیا ہے تمہارے سامنے میرے نانا کی مثال ہے سب کچھ دنیا میں چھوڑ کر خالی ہاتھ چلے گئے۔ آخر کیا کر گئے اتنی دولت کا؟'' اقراء پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور شہریار اپنی بے گناہی کا یقین نہ دلا سکا تو غصے میں باہر نکل گیا پھر خالہ میمونہ نے اسے اخلاقی سہارا دیا۔

''بیٹا! تم شہریار پر بلاوجہ شک کر رہی ہو میں جانتی ہوں میرا بیٹا ایسا نہیں وہ تم سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔'' خالہ کے لہجے میں سچائی اور صداقت تھی۔

ہے۔ ڈائری کے کافی صفحے خالی تھے۔ اب ایک اور صفحہ اس کے سامنے تھا۔

"اب تو میمونہ ہر دوسرے تیسرے دن بن سنور کے میرے گھر آجاتی ہے۔ بچوں کی پیدائش نے مجھے بے ڈھب اور بے ڈول کر دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے لیے ہی سجتی سنورتی ہے اور ذیشان کی نظریں اب صرف میمونہ کے لیے ہیں جو دن بدن خوب صورت، چاک و چوبند اور اسمارٹ ہوتی جارہی ہے اس کو دیکھ کر ذیشان کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور میرے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔ آج کل اس کا رویہ خشک اور بیگانوں کا سا ہو گیا ہے اور گھر میں دلچسپی بھی برائے نام رہ گئی ہے ان دونوں سے میری نفرت میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ذیشان سے مجھے گھن آتی ہے اور کمرے میں اس کا وجود ناقابل برداشت لگتا ہے۔" اب ایک اور صفحہ اقراء کی نظروں کے سامنے تھا۔

"میں نے ان حالات میں خودکشی کا فیصلہ کرلیا ہے اپنی بہن کی بے حیائی اور شوہر کی بے وفائی مجھ سے برداشت نہیں ہورہی موجودہ کشمکش میں، میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔"

آگے کے کئی صفحے پھر خالی تھے۔ اقراء کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا پھر ایک اور صفحے پر لکھا تھا۔

"میں آج بہت خوش ہوں۔ ایک پنتھ دو کاج یعنی ہلدی لگی نہ پھٹکری رنگ چوکھا آیا۔"

اس خاندان کے ہر فرد کو یہ علم ہے کہ میں یعنی رضوانہ مرچکی ہوں مگر میں تو زندہ ہوں اور میمونہ کے روپ میں زندگی گزار رہی ہوں میمونہ کو مارنا میرے لیے مشکل نہیں تھا وہ اکثر میرے کپڑے منع کرنے کے باوجود پہن لیتی تھی اور جب ذیشان کے ہمراہ ہوتی تھی تو ظاہر کرتی تھی رضوانہ بن کر بہنوئی سے مذاق کرتی ہے اور اس دن میں نے خود ایک دن پہلے پہنے ہوئے کپڑے بصد اصرار اسے پہنائے جو میں نے اس کے ساتھ ہی ایک تقریب میں پہنے تھے اور سب نے بے حد تعریف کی تھی۔ میچنگ شوز اور ہیرے کی انگوٹھی پھر چھت پر بہانے سے لے جا کر اسے دھکا دے کر گرادیا اور شور مچادیا کہ رضوانہ گر گئی مگر میں نے یہ یقین کرلیا تھا کہ وہ مرچکی ہے۔ مسئلہ تھا اس کے شانے پر پدم کا جو اسے رضوانہ ثابت نہیں کرتا کیونکہ میمونہ کے شانے پر کوئی پدم نہیں تھا۔ نہلاتے وقت سب کو پتا چل جاتا کہ رضوانہ نہیں میمونہ کی وفات ہوئی ہے مگر یہاں میری عقلمندی کام آئی میں نے رورو کر التجا کی کہ اپنی بہن رضوانہ کو میں خود نہلاؤں گی ویسے بھی نہلاتے ہوئے ستر ڈھانپنے کا کا حکم ہے۔"

اب ذیشان میمونہ سے شادی کا خواہش مند ہے مگر میں اس خوب صورت مگر بے وفا شوہر کی بے وفائی پر ہنستی ہوں جس نے مجھے وحشی درندہ بنا کر اپنی ہی بہن کی جان لینے پر مجبور کردیا۔

☆......☆

14 جنوری اب میرے پاس کچھ لکھنے کا حوصلہ نہیں اور لکھنے کو کچھ رہا بھی نہیں کہ اب سب کو پتا ہے کہ میمونہ ایک حادثے کا شکار ہو کر دنیا چھوڑ چکی ہے۔ کسی کو یہ علم ہی نہیں ہے کہ رضوانہ زندہ ہے اور اب میں اس دن کی منتظر ہوں جب ایک نئی دلہن یہاں آئے گی اور میں یعنی رضوانہ اس کو روایات کی بھینٹ چڑھائے گی کیونکہ اس خاندان میں محبت کے لیے نہیں دولت کے لیے شادی کی جاتی ہے جیسا میرے ساتھ ذیشان نے کیا۔ دکھ صرف اس وقت ہوتا ہے جب میرا اپنا بیٹا شہریار مجھے خالہ کہہ کر پکارتا ہے وہ جانے کب تک مجھے خالہ کہتا رہے گا اور میں لفظ "ماں" کے لیے ترستی رہوں گی۔ اسے کبھی علم نہ ہوگا کہ اس کی ماں زندہ ہے خالہ میمونہ مرچکی ہے۔

☆......☆

پھر اس کے بعد اقراء سے پڑھا نہیں گیا۔ اس

چل رہا تھا پھر خالہ نے پوچھا۔
''تم کیا پیو گی چائے کافی یا دودھ؟''
''خالہ! آپ شرمندہ کر رہی ہیں اتنی میری خاطر نہ کریں۔'' اقراء شرمندگی سے بولی۔
''بے وقوف۔'' انہوں نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی۔
''تم بالکل میری بیٹی کی طرح ہو میں تمہارے لیے گرم دودھ بھیجتی ہوں چائے کافی تو تمہاری نیند اڑا دے گی۔'' وہ مسکراتی ہوئی چلی گئیں اور پھر فوراً ہی گرم گرم دودھ کا گلاس لے کر کمرے میں داخل ہوئیں۔
''خالہ آپ نے کیوں زحمت کی کسی نوکر سے کہہ دیتیں۔'' ان کے اس قدر التفات سے اقراء کو شرمندگی ہو رہی تھی۔
''ارے بھئی زحمت کیسی نوکر سب سونے چلے گئے تھے اب فوراً پی لو ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' خالہ نے پیار سے گلاس منہ سے لگایا تو وہ بمشکل ایک چسکی ہی لے سکی۔
''خالہ! آپ آرام کریں، دودھ بہت گرم ہے تھوڑا ٹھنڈا ہو جائے، میں پی لوں گی۔'' خالہ نے پیار سے اس کی پیشانی پر بوسا دیا اور دودھ فوراً پینے کی تاکید کرتے ہوئے کمرہ بند کر کے چلی گئیں۔
اقراء نے الماری کھولی تو وہ کتابوں سے بھری ہوئی تھی اور سب پر رضوانہ لکھا ہوا تھا پھر ایک ڈائری نظر آئی کافی پرانی اور بوسیدہ یہ گویا ایک غیر اخلاقی حرکت تھی لیکن تجسس نے اسے پڑھنے پر مجبور کر دیا۔
اچانک اسے لگا اس کا سر چکرا رہا ہے اور دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئی ہیں شاید تنہائی اور پے در پے حادثات نے اقراء کا دل کمزور کر دیا تھا وہ اپنے حواسوں پر قابو پا کر ڈائری پڑھنے لگی۔
''پتا نہیں میمونہ کیوں مجھ سے اتنی جلتی اور خار کھاتی ہے۔ ہم دونوں جڑواں بہنیں ہیں مگر مزاجاً ایک دوسرے کی ضد وہ میری ہم شکل ضرور ہے مگر ہمیشہ اس نے میرے حق پر ڈاکہ ڈالا ہے جو چیز مجھے اچھی لگتی ہے اس کو مجھ سے چھین لیتی ہے مگر ذیشان کوئی چیز نہیں ایک جیتا جاگتا انسان ہے۔ میری اور ذیشان کی دوستی میمونہ کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے۔ حالانکہ روڈ ایکسیڈنٹ میں اچانک پاپا ماما کے گزر جانے کے بعد میں نے اس کا بے حد خیال رکھا ہے۔'' یہاں تک پڑھ کر اقراء خوف زدہ سی ہو گئی جانے آگے کیا لکھا ہوگا اب ڈائری کا ایک اور صفحہ اس کے سامنے تھا۔
''مجھے ذیشان کا میمونہ کو زیادہ اہمیت دینا بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ پتا نہیں ہم شکل ہونے کے باوجود زیادہ تر لوگ میمونہ کو اہمیت دیتے ہیں کیوں؟ شاید اس کا خلوص و اخلاق انکساری اور عاجزی مگر مجھ سے یہ بناوٹی اور چکنی چپڑی باتیں نہیں ہوتیں میں نے سوچ لیا ہے میں میمونہ کو یہ بازی جیتنے نہیں دوں گی۔''
آگے کے بہت سارے صفحے خالی تھے۔ اقراء کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ اب ایک اور صفحہ اس کے سامنے تھا۔
''ذیشان سے شادی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ ذیشان اس قدر مطلب پرست عیاش اور خود غرض انسان ہے یہ مجھے اب پتا چلا جب اس نے مجھے کنگلا کر کے ساری جائیداد اپنی عیاشیوں میں اڑا دی وہ مجھے بے وقوف بنا تا رہا ہے اور اب میمونہ اس کے ہاتھ بے وقوف بن رہی ہے۔ میں نے کئی مرتبہ انہیں چھپ چھپ کر ملتے دیکھا ہے۔ میری بہن میرے ہی حق پر ڈاکہ ڈال رہی ہے یہ گھٹیا حرکت کے ساتھ شرمناک اقدام بھی ہے انہیں سماج، معاشرے اور مذہب کسی کا نہ ڈر ہے نہ لحاظ۔ میمونہ بہن نہیں ڈائن ہے۔''
اقراء کانپ رہی تھی مگر خوف کے باوجود آگے بڑھنے پر مجبور تھی۔ اس کو لگ رہا تھا اسے بھی ایک ناقابل فہم جال میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی

نے بار بار اس عبارت کو پڑھا اور لرز گئی اس کی روح کانپ اٹھی۔ احساسات اور شعور میں ایک زلزلہ سا آ گیا۔ بے ہوشی کا وہ بادل جو ذہن پر چھا گیا تھا اس نئے انکشاف سے چھٹنے لگا لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنی موت بھی نظر آنے لگی۔ دودھ کے پیالے پر نظر پڑی تو وہ پھٹ چکا تھا۔ اقراء نے جلدی سے دودھ کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ وہ بری طرح فریب کے جال میں پھنس چکی تھی اور اب جال سے نکلنے کے لیے اسے عقل مندی سے کام لینے کی ضرورت تھی اس نے کمرے کا جائزہ لیا تو ایک کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں جو ٹی وی لاؤنج میں کھلتی تھیں۔ ڈائری چھوٹی سی تھی اسے اس نے گریبان میں اڑس لیا اور سوچنے لگی کہ اب بچاؤ کے لیے کیا کرے کیونکہ یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ اصل میں خالہ اقراء کی ساس تھیں اب بیتے ہوئے تمام واقعات اس کی نگاہوں کے سامنے آ گئے۔ شکوک و شبہات کے تمام پردے نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو شہریار کا اصل روپ سامنے آ گیا وہ بے قصور تھا۔ بے گناہ تھا اور وفادار تھا اس کو واقعی اقراء سے محبت تھی اور چونکہ وہ رضوانہ کا ہی بیٹا تھا اس لیے وہ ہر وقت اقراء کے سامنے اس کی صفائیاں پیش کرتی رہتی تھیں۔ پھر اقراء کو سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سنائی دی اس نے جلدی سے بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں اور جھری سے جھانکنے لگی۔

میمونہ خالہ نے خالی پیالہ دیکھا تو ایک فاتحانہ مسکراہٹ ان کے چہرے پر پھیل گئی۔ اسے بے ہوش سمجھ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ پھر جلد ہی ان کی واپسی ہو گئی۔ پیٹرول کی بو سے اقراء کا دل متلانے لگا۔ انہوں نے پردوں پر پیٹرول چھڑک کر آگ لگائی اور دروازہ بند کر کے باہر نکل گئیں اب وہ باہر قہقہے لگا رہی تھیں۔

''شہریار کی ماں مر گئی مگر میں تو زندہ ہوں۔ مری تو میمونہ ہے اور اب اس کی تمام جائیداد کی وارث بھی کتنی خوبصورتی سے میں نے میمونہ کے دستخطوں کی پریکٹس کی ہے کوئی پہچان ہی نہیں سکا اور اب یہ آخری کانٹا بھی راستے سے نکل گیا اب میرا بیٹا شہریار، اقراء کی جائیداد کا بھی وارث ہو گا۔'' وہ خوشی میں ہذیان بک رہی تھیں۔ یہ دیکھے بغیر کہ اقراء کھڑکی سے کود کر سب گھر والوں کو بلا لائی تھی اور اب سب گھر والے تعجب، حیرت اور دکھ سے اس عورت کی طرف دیکھ رہے تھے جو کسی کی بیوی، کسی کی ماں تو کسی کی نانی بھی تھی مگر لالچ اور ہوس نے اسے عقل و شعور سے بیگانہ اور اندھا کر دیا تھا

''ممی ہوش کریں۔'' اقراء ہی نے بڑھ کر انہیں بلایا تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور سکتے کے عالم میں سب کی طرف دیکھنے لگیں۔

''یہ سب کیا ہے؟'' شہریار نے چیخ کر کہا۔

''یہ تمہاری ماں ہیں شہریار اور تمہاری خالہ میمونہ کی قاتل بھی اس ڈائری میں انہوں نے سب کچھ لکھ دیا ہے میں بلاوجہ تم پر شک کرتی رہی۔''

اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کرتا رضوانہ بھڑکتے ہوئے شعلوں کی لپیٹ میں آ گئیں۔ سب دیکھتے رہ گئے اور جو آگ انہوں نے دوسروں کے لیے لگائی تھی اس میں خود جل گئیں۔

اس واقعے کو سال گزر چکا ہے کبھی کبھار اقراء، شہریار سے کہتی ہے۔

''اگر اس دن میں سارا دودھ پی لیتی تو آج تمہارے ساتھ نہ ہوتی۔''

''اور اگر تمہارے نانا تمہارے لیے یہ جائیداد نہ چھوڑتے تو شاید یہ حادثہ بھی نہ ہوتا۔'' شہریار دکھ سے جواب دیتا اور وہ سچ ہی کہتا ہے اللہ تعالیٰ زندگی دیتا ہے اور اتفاقات اور حادثات اس کو رواں دواں رکھتے ہیں مگر اتنا ضرور ہوا کہ اس حادثے کے بعد اس خاندان سے تو ہم پرستی کی لعنت ختم ہو گئی۔

......☆......



افسانہ

محبت ہار کے جیتی ہے

"حریم میں نے تمہیں ایک بار کہہ دیا تو کہہ دیا، اب اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں اپنی جان دے دوں گا"۔ رمیز کے لہجے میں ضد تھی جسے محسوس کر کے وہ گھبرا اٹھی۔

"رمیز! تم ایک بار دوبارہ سوچ لو، دیکھو یہ ٹھیک نہیں ہے میں اپنے والدین کے منہ پر کالک مل کر تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی"۔

"ٹھیک ہے پھر میری موت کی ذمہ دار بھی تم ہی ہو گی"۔ وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا تو حریم نے اس کا راستہ روکنا چاہا۔

"دیکھو رمیز! یوں ناراض ہو کے مت جاؤ، تمہارے بغیر تو میں بھی نہیں رہ سکتی"۔ وہ بھی کچی عمر کی کچی محبت کے ہاتھوں مجبور تھی، کم سے کم اسے تو یہی لگ رہا تھا کہ اگر وہ اسے چھوڑ کے چلا جائے گا تو اس کا سانس ہی بند ہو جائے گا۔

"تو پھر میرا ساتھ دو گی؟" وہ ایک بار پھر سے بینچ پر بیٹھا اس سے پوچھ رہا تھا۔

"اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے، نہ میرے گھر والے اس رشتے پر مان رہے ہیں اور نہ تمہارے۔ ہمارے پاس یہی ایک حل ہے کہ تمہاری شادی ہونے سے پہلے ہم یہاں سے بہت دور چلے جائیں تاکہ کوئی بھی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے، بولو منظور ہے"۔ اس نے حریم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"میرا دل بہت گھبرا رہا ہے رمیز!"

"ایک تو تم ڈرتی بہت ہو، دیکھو اگر اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی راستہ ہوتا تو میں وہی اپناتا، لیکن ہمارے پاس یہی ایک حل ہے اور اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے، میں تمہارے ساتھ ہوں ناں، تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ دیکھو میں تمہاری خاطر اپنے ماں باپ بہن بھائی چھوڑنے کو تیار ہوں، کیا تم نہیں کر سکتیں؟" اس کا لہجہ منت بھرا تھا۔

"اچھا مجھے سوچنے دو، کچھ وقت چاہیے مجھے"۔

"کوئی وقت نہیں مل رہا مجھے ابھی جواب چاہیے، تم اتنا کیا سوچ رہی ہو یار۔ دیکھو میں تمہارے لیے اپنے گھر والوں کو چھوڑ رہا ہوں ناں، تو اس کا کیا مطلب ہے کہ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں، تمہیں ساری زندگی بہت خوش رکھوں گا، اب فیصلہ تم پر ہے کہ تمہیں میرا ساتھ منظور ہے یا میری موت"۔ اس کی بات پر 22 سالہ حریم نے تڑپ کے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"یوں تو مت کہو رمیز!"

"تو پھر میرا ساتھ دو گی"۔

"اچھا ٹھیک ہے مجھے منظور ہے"۔ اس کے جواب پر رمیز نے خوشی کے مارے اس کا ہاتھ ہی چوم ڈالا تو وہ حیا کے مارے سرخ ہو گئی۔

"اچھا تو پھر آج رات تم تیار رہنا میں تمہیں آج رات یہاں سے لے کر بہت دور چلا جاؤں گا"۔ اس نے رات کے لیے سارا منصوبہ اس کے گوش گزار کیا، جسے اس نے کانپتے دل اور لرزتے جسم کے ساتھ سنا۔

"اچھا اب مجھے کالج سے تھوڑے فاصلے پر چھوڑ آؤ،

کالج کی چھٹی بس ہونے ہی والی ہے، میں وہاں سے خود ہی گھر چلی جاؤں گی، اگر ذرا سی بھی دیر ہوئی تو امی کو شک ہو جائے گا''۔ وہ بیگ کندھے سے لگائے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆.........☆.........☆

''کیا بات ہے بیٹا! آج بہت تھکی تھکی سی لگ رہی ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری''۔ وہ لیٹی رمیز کی باتوں کو سوچ رہی تھی جب زوباریہ (امی) نے آ کر اس کے پاس بیٹھتے پوچھا۔

''بس سر میں تھوڑا درد ہے امی''۔

''میں سر درد کی گولی دیتی ہوں تمہیں لیکن اس سے پہلے کھانا کھاتے ہیں دونوں، تمہاری پسند کی بھنڈی گوشت بنایا ہے۔ تمہارے ابو تو کہہ رہے تھے اچار گوشت کا لیکن میں نے کہہ دیا کہ میری گڑیا تو یہاں چند دن کی مہمان ہے تب تک اس کی پسند سے ہی کھانا بنے گا''۔ ان کے لہجے میں اکلوتی بیٹی کے لئے لاڈ ہی لاڈ تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو وہ شرمندہ سی ہوگئی، جو اس سے دل و جان سے پیار کرتے ہیں انہیں ہی تکلیف دینے کو چلی ہے۔

کھانا کھلا کے، سر درد کی گولی دے کر اب وہ اس کا سر دبا رہی تھیں۔ اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی وہ باز نہ آ رہی تھیں۔ اس کی نگاہوں میں بچپن سے لے کر جوانی کے سارے منظر گھومنے لگے، کیسے اس کے والدین نے اسے لاڈ اور محبت سے پروان چڑھایا، کبھی کوئی تکلیف نہ ہونے دی، اس کی آنکھوں میں آنسو تک نہ آنے دیئے اور بدلے میں وہ کیسے ان کی مرضی کے خلاف اسی لڑکے سے شادی کے لئے گھر سے بھاگنے کو تیار بھی ہوگئی جس کے بارے میں اس کے والدین مان نہ رہے تھے کیونکہ وہ ایک نمبر کا لوفر اور آوارہ انسان تھا، کبھی ایک اور کبھی دوسری لڑکی کے ساتھ اس کے افیئرز چلتے ہی رہتے تھے لیکن وہ اپنے والدین کی پسند سے اپنے خالہ زاد سے شادی کرنے کی بجائے اس کے ساتھ گھر سے بھاگ کر والدین کے منہ پر کالک ملنے کو تیار بیٹھی تھی، اس کا ذہن منتشر تھا۔ اسی پریشانی میں وہ رمیز کے ساتھ ہونے والی ملاقات کو سوچنے لگی۔

''میں تمہارے لئے اپنے والدین کو چھوڑ دوں گا، کیا تم نہیں چھوڑ سکتیں''۔ رمیز کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

گھڑی 4 بجا رہی تھی جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کے دل کی بے قراری بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ رمیز کی کہی باتیں بار بار ذہن کے پردے پر ابھرتیں۔

''میں تمہارے لئے اپنے والدین کو چھوڑ دوں گا، سب کو چھوڑ دوں گا''۔ ایک طرف وہ تھا جو اتنے آرام سے سب کو چھوڑ دینے پر تیار ہو گیا اور دوسری طرف حریم تھی جو والدین کو یوں چھوڑ کر جانے پر تذبذب کا شکار تھی۔

''میں تمہاری خاطر اپنے والدین کو چھوڑ دوں گا، چھوڑ دوں گا سب کو''۔ بار بار اس کے ذہن میں اسی جملے کی گونج ہونے لگی، اچانک جیسے کسی سوچ کا در وا ہوا تھا۔

''جو شخص چند ماہ پرانی محبت کی خاطر اپنے پیدا کرنے والے والدین کو چھوڑ سکتا ہے کیا گارنٹی کہ وہ کل کو کسی اور کی خاطر مجھے نہیں چھوڑے گا''۔ اس کے ذہن میں جیسے جھماکا سا ہونے لگا، جس کو وہ اپنی منزل سمجھ رہی تھی اب اس منزل کی حقیقت اس پر تھوڑی واضح ہونے لگی۔ وہ پریشانی سے یہاں وہاں ٹہلنے لگی، گھڑی کی سوئیاں اپنی رفتار سے آگے بڑھتی چلی جا رہی تھیں لیکن اب اس کی بے چینی کچھ کم ہونے لگی، دوا کا اثر غالب آیا تو وہ نیند کی وادی میں اتر گئی۔

☆.........☆.........☆

''رمیز! تم کہاں جا رہے ہو مجھے چھوڑ کے، میرے پاس آؤ مجھے ڈر لگ رہا ہے، یہ کوٹھڑی بہت اندھیری ہے مجھے چھوڑ کے مت جاؤ، تمہیں خدا کا واسطہ ہے''۔ اس نے منت کی لیکن رمیز کے قدموں کی آواز مدھم ہونے لگی۔ اس کے اٹھنے والے قدم حریم کی جانب نہ تھے بلکہ دور ہوتے جا رہے تھے، اب مدھم آواز بالکل خاموش ہو چکی تھی۔ وہ اندھیرے میں پاگلوں کی طرح یہاں وہاں ٹٹولتے ہوئے اسے ڈھونڈنے لگی، لیکن اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ اسے کچھ بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔

''رمیز! کہاں چلے گئے ہو تم، پلیز لوٹ آؤ میرے

پاس، مجھے تنہا چھوڑ کے مت جاؤ"۔ وہ روتے ہوئے اسے پکارتی یہاں وہاں دوڑ رہی تھی کہ اچانک اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ منہ کے بل گرتی چلی گئی، وہ درد سے کراہ اٹھی، اس کے ہونٹ پر لگی تھی، وہ روتے ہوئے اپنے ہاتھ سے ہونٹ کو سہلانے لگی جب اچانک کسی کے ہنسنے کی آواز آئی۔

"رمیز! یہ تم ہو، کہاں ہو تم، میرے پاس آؤ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، تم آجاؤ میرے پاس اور تم ہنس کیوں رہے ہو، دیکھو تمہاری حریم کو کتنے زور سے چوٹ لگی ہے"۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے یہاں وہاں دیکھنے کی کوشش میں ہلکان ہوئے جا رہی تھی۔ ہنسی کی آواز تھمنے کے بجائے مزید گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"ہنسنا بند کرو رمیز! پلیز میری مدد کرو، میرے پاس آؤ"۔ اب اس آواز سے اس کے کانوں کے پردے پھٹنے والے ہو گئے، آواز اور اندھیرا مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا، روتے روتے اس کا برا حال ہو گیا وہ پاگلوں کی طرح مدد کے لئے پکار رہی تھی، جب اچانک دور سے روشنی کا ایک ہیولہ اس کی طرف آنے لگا، رفتہ رفتہ وہ ہیولہ اس کے نزدیک ہوتا چلا گیا، وہ آنکھیں پھاڑے اس طرف دیکھنے لگی، ہنسی کی آواز اب تھم چکی تھی، روشنی کے ہیولے میں اسے ماں کا چہرہ نظر آیا۔

"امی... "وہ نا قابل یقین خوشی کے زیر اثر تھی۔

"ہاں میری بچی میں آگئی ہوں تمہیں یہاں سے لے جانے کے لئے"۔ وہ اس کے چہرے کو پیار سے سہلا رہی تھیں۔

"یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے، چلو میرے ساتھ چلو یہاں سے میں تمہیں بہت دور لے جاؤں گی، اپنی امی پر بھروسہ ہے ناں؟"

"جی امی مجھے بھروسہ ہے آپ پر، مجھے لے جائیں یہاں سے"۔ وہ مارے خوشی اور شرمندگی کے ان کے ساتھ لپٹ گئی۔

"کیا ہوا حریم بیٹا! تم ٹھیک تو ہو ناں؟ کہاں جانے کی بابت کر رہی ہو تم؟" وہ نیند میں چلائے جا رہی تھی جب انہوں نے پیار سے اسے بوسہ دیا تو اس کی آنکھ اس آشنا لمس سے کھل گئی، وہ حیران نظروں سے یہاں وہاں دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا بیٹا! کوئی برا خواب دیکھ لیا ہے"۔

"جی امی بہت برا خواب دیکھ لیا ہے میں نے، لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ صرف خواب تھا حقیقت نہیں"۔ اس نے صحیح معنوں میں شکر ادا کیا کہ وہ صرف خواب تھا۔

☆............☆............☆

وہ خواب اللہ کی طرف سے اس کی مدد کے لئے تھا اور اس نے اس مدد کا بھرپور فائدہ بھی اٹھایا۔ اب سارا منظر واضح ہو چکا تھا جسے وہ منزل سمجھ رہی تھی وہ تو سراب تھا، ایسا سراب جس کے پیچھے بھاگنے سے اسے سوائے بدنامی، ذلت اور تکلیف کے کچھ حاصل نہ ہوتا، جو بندہ کل کی محبت کے لئے والدین کو چھوڑ سکتا ہے وہ زندگی میں کسی بھی موقع پر کسی دوسرے کی خاطر اسے بھی چھوڑ سکتا ہے، اسے اس بات کی سمجھ آ چکی تھی۔

"اے اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے مجھے کھائی میں گرنے سے بچا لیا"۔ اسے اس خواب کے بعد سمجھ آ گئی تھی کہ والدین اپنی اولاد کی بھلائی چاہتے ہیں اور اس کے والدین بھی اس کی بھلائی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہیں، آخر وہ ان کی لاڈلی اکلوتی اولاد جو ہے۔

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جو رات کے 12 بجا رہی تھی، اگر اللہ کی رحمت نہ ہوتی اس پر تو اس وقت وہ اپنی تباہی کا سامان کرنے چلی تھی۔ اسے بے اختیار اپنے رب اور اپنے والدین پر ٹوٹ کر پیار آیا جنہوں نے اسے بدنامی سے بچا کے نئی زندگی عطا کی تھی۔ وہ مطمئن سی ہو کر وضو کرنے چل دی۔ آخر کو اپنے خالق کی بارگاہ میں شکر کا سجدہ بھی تو کرنا تھا جس نے اسے نئی زندگی دی تھی۔ اس کے بعد اسے اپنی ماں سے لپٹ کر سونا تھا جنہوں نے ہمیشہ اس کی بھلائی چاہی تھی۔

☆............☆............☆

مادرا بشارت چیمہ

افسانہ

تم میرا مان ہو

ہر طرف گاڑیوں کا شور' لوگوں کی بھیڑ اور پھل فروش والوں کی چیخ و پکار تھی' شہر کا مصروف ترین علاقہ تھا اسی چوک کے دائیں ہاتھ ایک گلی ہے اس گلی میں داخل ہونے کا مطلب ہے آپ عمرو عیار کی زنبیل میں داخل ہوگئے ہیں' ایک طرف سے داخل ہوں تو شہر کے دوسرے رخ جانکلیں کوئی شہر میں نیا ہو تو اس طلسمی گلی میں کھو جائے۔

اوہو...... ہم بھی کیا بات لے کر بیٹھ گئے آپ بھی اس شہر میں نئے ہی ہیں تو اس سے پہلے آپ عمرو عیار کی زنبیل...... میرا مطلب ہے اس گلی میں کھو جائیں' ہم آپ کو منزل مقصود تک لے چلتے ہیں۔

گلی میں داخل ہوں پانچ منٹ کا پیدل مارچ کریں تو دائیں ہاتھ ہری بیلوں سے ڈھکا دو منزلہ خوبصورت مکان آجاتا ہے۔ یہ ''الہٰی ہاؤس'' ہے جو ہماری منزل مقصود' ہمارا کام یہیں تک تھا۔ آپ خود آگے بڑھیے اور گھر کا نظارہ کریں۔

''توبہ بھئی توبہ...... اللہ کا تو خوف' ڈر ہی نہیں رہ گیا' دن کے بارہ بج رہے ہیں' مگر جہاں صبح کا آغاز اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے نہیں ہوتا' وہاں نحوست ٹپکتی ہے''۔ بے جی کانوں کو ہاتھ لگاتی اور بولتی جارہی تھیں۔

''ارے بڑی بہو! تم کیا گونگے کا گڑ کھائے بیٹھی ہو' مجھ بوڑھی کے گلے میں خراشیں ڈلوا رہی ہو' وقت دیکھو اور جا کے سب کو اٹھاؤ''۔ بے جی نے غصے سے فاطمہ بیگم کو مخاطب کیا تھا۔

آج کافی دنوں بعد دھوپ نکلی تھی تو انہوں نے کسی کا انتظار کیے بنا ہی مشین لگالی تھی' چھٹی کا دن تھا سب نے اپنے ارمان نکال کے ہی اٹھنا تھا مگر بے جی کو صحن میں سکون برداشت نہیں ہو رہا تھا' فاطمہ بیگم جانتی تھیں کہ آج سارا دن گھر میں ''سہیل احمد'' کا تھیٹر ڈرامہ ہونا ہے اور بے جی سے وہ بھی برداشت نہیں ہونا تھا۔ اسی ڈر سے وہ پچھلے کئی منٹوں سے بے جی کی باتیں سن رہی تھیں اور دن کے نو بجے کو بارہ کا نام دینا بھی ہضم کرلیا تھا بغیر ہاضمے کی دوائی کے۔

☆☆☆☆

''اف اللہ...... ابھی تو ہمسائے کے مرغے نے اذان بھی نہیں دی اور دادی کا وعظ شروع ہوگیا''۔ عاتکہ جو بے جی کی آوازیں سن کر پہلے ہی اٹھ گئی تھی بینش کی بات سن کر عش عش کر اٹھی۔

''محترمہ! کیا مسجد کے امام صاحب کی آواز دادی کو ناپسند ہے جو وہ مرغے کی اذان سنتی ہیں''۔

عاتکہ نے بینش کو دھمو کا مارتے ہوئے سرزنش کی تھی مگر وہ ویسے ہی بے سدھ پڑی تھی۔

''اٹھ جاؤ باہر تمہارے سورج ماموں آگئے ہیں''۔ عاتکہ نے پھر اونچی آواز میں ہانک لگائی تھی۔ بینش کے سر پر جوں تک نہیں رینگی مگر زرش چیخ مار کر اٹھ بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا......؟ کیا ہوا......؟'' کی آوازوں کے

ہو گئے تھے اور اس نے سنجیدگی کا لبادہ اوڑھتے ہوئے عاتکہ کی طرف دیکھا۔

''ہاں...... بولو کیا بات ہے' میری بھابھی سنجیدہ ہے تو ضرور کوئی خاص بات ہوگی''۔ عاتکہ کا رشتہ عزیر سے طے تھا اور عنقریب شادی بھی متوقع تھی' زرش اسی رشتے کے حوالے سے اکثر عاتکہ کو تنگ کرتی تھی۔

''اب ارسطو کی جانشین کیوں بن گئی ہو' بولو بھی کیا بات ہے' کیوں ہارٹ فیل کرواتا ہے''۔ زرش اس کی خاموشی سے تنگ آ کر بولی تھی۔

''سمجھ نہیں آ رہی میں کیا بات کروں اور کہاں سے کروں' بے جی نے عزیر کے ساتھ میرا رشتہ کیا میں کچھ نہیں کہہ سکی' لیکن اب اتنی جلدی شادی کے حق میں نہیں ہوں' مجھے ابھی ماسٹر کرنا ہے' ایم اے جرنلزم میرا خواب ہے' میں اپنی پڑھائی کیسے آدھے راستے میں چھوڑ دوں''۔ عاتکہ نے بات کے خاتمے پر زرش کی طرف دیکھا جو خاموش نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''عاتکہ میں عزیر کی بہن ہونے کے ساتھ ساتھ تمہاری کزن اور بہت اچھی دوست بھی ہوں' تم خود کو اتنا نہیں جانتی جتنا کہ میں تمہیں اس لیے سیدھی طرح جو بات دل میں ہے وہ بات بتاؤ''۔

''زرش! میں نہیں جانتی کہ تم میری بات کا کیا مطلب لوگی لیکن عزیر کا رویہ دن بدن بدلتا جا رہا ہے' اس کے برویے میں ہر اس بات کی کمی ہے جس کا متقاضی ہمارا رشتہ ہے' کافی دنوں سے میں اسے اپنا وہم سمجھ رہی تھی پر یہ میرا وہم نہیں ہے سو تم بھی مجھے سمجھانے کی بجائے اپنے بھائی کے رویے کی وجہ تلاش کرو' اور ہاں سب کھانے پر انتظار کر رہے ہیں جلدی سے آ جاؤ''۔ زرش کا جواب سنے بغیر ہی وہ لاؤنج کی سمت مڑ گئی تھی زرش کے طوطے کیا کبوتر کوے سب پھر اڑ گئے تھے۔

☆☆☆

''الٰہی ہاؤس'' میں دستور تھا اتوار کے دن دوپہر کا کھانا اور باقی دنوں میں رات کا کھانا سب اکٹھے کھاتے تھے' لاؤنج میں دستر خوان لگتا اور سب زمین پر بیٹھ کر سنت نبویؐ کے مطابق کھانا کھاتے' ڈائننگ ٹیبل پر کھانا بے جی کو لادینیت لگتا تھا اور ''بے جی'' کے کسی حکم کی خلاف ورزی پر ڈائریکٹ دفعہ 302 لگتی ہے اس سے نچلے درجے کی سزا ''بے جی'' کے قانون میں نہیں تھی۔ کھانا کھانے کے بعد چائے کا دور چلتا تھا جس کی ذمہ داری لڑکیوں پر ہوتی تھی سب لڑکیاں ایک طرف بیٹھی تھیں اور لڑکے دوسری طرف براجمان تھے' زرش کی نظریں ''عزیر'' کا طواف کر رہی تھیں۔

''کیوں ہر وقت جلا بنی رہتی ہو......؟ میں نے وجہ تلاش کرنے کو کہا تھا مگر میری بات کا اتنا ہی اثر کہ آنکھوں میں ایکسرے مشین فٹ کروالی ہے۔ عاتکہ نے اسے چڑایا تھا مگر وہ ''زرش'' ہی کیا جس کو کچھ اثر ہو جائے۔

''ہونہہ'' کہہ کر دوبارہ سے ''عزیر'' کا جائزہ لینے لگی۔ وہ ممکن حد تک ''عزیر'' کا سامنا کرنے سے بچ رہی تھی' اسے عزیر کی آنکھوں میں موجود اجنبیت سے خوف آتا تھا' اب تو وہ دل قصہ پارینہ بن چکے تھے جب عزیر کی شوخیاں' شرارتیں ''الٰہی ہاؤس'' کی رونق ہوتی تھیں۔ اس کے پاس آ کر زور سے بولتا اور وہ ڈر کر زمین سے دو قدم اوپر اچھل جاتی' وہ گلاب کی دیوانی تھی اور ہر خاص موقع پر اسے گلاب کا تحفہ ہی ملتا تھا' اس کی خاموش مگر بولتی نگاہیں عاتکہ کو روح تک سیراب کر دیتی تھیں' مختلف مواقع پر دیئے گئے تحفے اس کے بھرپور احساس کے گواہ تھے' کارڈز کے اوپر لکھے گئے سادہ مگر گہرے الفاظ محبت کی کہانی سناتے تھے وہ جب بھی عزیر کو سوچتی تھی تو سوچتی چلی جاتی تھی شاید اسے ہی محبت کہتے ہیں' محبت ایسا آکٹوپس ہے جس کو جکڑ لے اسے بے بس کر دیتا ہے'

ساتھ سب کے چہروں پر سوالیہ نشان تھا سب کی نگاہوں کا مرکز زرش تھی کیونکہ اتنا اعلیٰ لاؤڈ اسپیکر صرف زرش کا ہی تھا۔

''پاگلوں کی طرح سب مجھے کیوں دیکھ رہی ہو......؟ مجھے بھی دکھ ہوا ہے سن کر اب صدمے سے تم لوگوں کی آوازیں بند ہو گئیں اور میری چیخ نکل گئی تو میرا کیا قصور ہے''۔ زرش کی بات سن کر سب کی نظروں میں پریشانی کا عکس لہرایا تھا۔

''کون سا صدمہ کیا ہوا ہے......؟ پہیلیاں نہ بوجھو سیدھی طرح بات بتاؤ''۔ عائزہ نے اپنی نظر کی عینک لگاتے ہوئے سوال کیا کیونکہ سب میں اس کے حواس قابو میں تھے۔

''یار تم لوگوں نے سنا نہیں ابھی' عاتکہ نے کیا کہا ہے' باہر ہمارے سورج ماموں آ گئے ہیں' ہمارے تو ایک ہی ماموں ہیں تو کیا نانا نے اس عمر میں ہمیں نئے ماموں دے دیئے ہائے مجھے تو سوچ کے ہی شرم آ رہی ہے''۔ زرش اپنی دھن میں بولتی جا رہی تھی اگر ان سب کے چہرے دیکھ لیتی تو زبان کو بریک لگ جاتی۔

عاتکہ نے چپ چاپ باہر کی راہ لی کیونکہ زرش کا حلیہ بگاڑنے کے لئے وہ تینوں ہی کافی تھیں' ویسے بھی وہ ذرا نرم دل تھی غصہ جتنی جلدی آتا تھا اتنی ہی جلدی ''نو دو گیارہ'' ہو جاتا تھا۔

ہائے رے قسمت......وہ کمرے کے دروازے میں ہی سے صحن میں بیٹھی دادی کی آنکھوں سے نکلتی ایک ہزار والٹ کی شعاعیں محسوس کر رہی تھی' اندر زرش نے ''ہائے ہائے'' ڈالی ہوئی تھی اور باہر اس کا دل ''ہائے ہائے'' کر رہا تھا ''وہ جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو'' کہتے ہوئے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی تا کہ سب کا ناشتہ بنا کر بے جی کے سامنے سرخرو ہو سکے۔

☆☆☆☆

''الٰہی ہاؤس'' میں مظہر الٰہی کے تین بیٹے رہائش پذیر تھے سب سے بڑے ''اظہر الٰہی'' جن کی شادی اپنی چچازاد ''فاطمہ بیگم'' سے ہوئی تھی' ان کے چار بچے زرش' عزیر' بینش' جرار تھے۔ پھر ''رزاق الٰہی'' جن کے تین بچے عاتکہ' منیب' عائزہ تھے' سب سے آخر میں ''طارق الٰہی'' جن کے دو بیٹے احمد اور عبید الرحمٰن تھے۔

''الٰہی ہاؤس'' خوشیوں کا گہوارہ تھا سب کا پیار و محبت مثالی تھا' لڑی سے لڑی جڑ کر پیار ریگانگت کا ہار بن گیا تھا اور بیگم مظہر الٰہی جو سب کی بے جی تھیں بچوں کے رشتے کر کے اس ہار کو اور مضبوط کر چکی تھیں۔

☆☆☆☆

آئے موسم رنگیلے سہانے جیا نہیں مانے
تو چھٹی لے کے آ جا بالما ہو

''تمہارے ہاتھ میں مسترتی کے اوزار ہیں بندہ دیکھو کا تو ایسے مارے کے انسان لگے تم میں حیوانوں والی خصوصیات کچھ زیادہ ہی پیدا ہو رہی ہیں' کیا ہو گا میرے بے چارے بھائی کا......؟'' زرش عاتکہ کے مارنے پر تپتی ہوئی ہو رہی تھی اس کے سارے موڈ کا ستیاناس ہو چکا تھا' وہ جو موسم کے تیور دیکھتے ہوئے بڑے سر سے گانا گا رہی تھی عاتکہ کے دھموکے سے سر بے سر کر دیئے تھے۔

''تمہارے بھائی کا تو پتہ نہیں البتہ تمہارا قتل واجب ہے میرے پر''۔ عاتکہ نے بھی اس کی فراٹے سے چلتی زبان کو اسٹاپ کیا تھا۔

''کیا......تم میرا قتل کرو گی......اپنی نند کا قتل کرو گی' کیا مستقبل ہو گا تمہارا مجھے تو سوچ کر ہی ہول اٹھ رہے ہیں''۔

''تم اپنی ڈرامے بازی بند کرو گی مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے''۔ عاتکہ نے زرش کی زبان بندی کی اور ایک کوشش کی تھی۔

ضروری بات پر زرش کے بھی کان کھڑے

"نہیں بے جی! کوئی بات نہیں کی۔"

"خیر گھر کے جھمیلوں میں اسے کہاں یاد رہا ہوگا تمہارے لیے رشتہ آیا ہے لڑکا تمہارے ساتھ ہی پڑھتا رہا ہے اپنا جواب فاطمہ کو بتا دینا' عائزہ کی رخصتی کے ساتھ تمہاری بھی کشتی پار لگے۔" بے جی کے الفاظ کے ساتھ شاید تیز دھاری تلوار بھی تھی جس نے اس کے دل کے ٹکڑے کیے تھے اس نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے بے جی کی طرف دیکھا۔

"بے جی! آپ نے جو بھی فیصلہ کیا میں نے ہمیشہ سر جھکا کے تسلیم کیا پر اس بار میں آپ کی بات ماننے سے قاصر ہوں' اس کو آپ میری گستاخی سمجھیں یا معذرت' میں نے زندگی میں ہمسفر کے لیے اپنے گھر کے انسان کو آزما لیا ہے مجھے اب کسی اور کو پرکھنے کی آرزو نہیں ہے۔" پہلی بار وہ بے جی کے سامنے اس لہجے میں بولی تھی مگر وہ اس دل کا کیا کرتی جہاں محبت کے بکھرنے سے زیادہ عزت نفس اور انا کی پامالی کا دکھ تھا وہ سر جھکائے بے جی کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

☆☆☆☆

شادی میں دو دن تھے اور تایا ابو کے سخت ترین احکامات تھے کہ ساری شاپنگ جلد از جلد ختم کی جائے' وہ صبح سے بازار میں گھوم رہی تھیں چچی جان تو تھک ہار کر کہیں بیٹھ جاتیں مگر سب لڑکیاں چابی والی گڑیا کی طرح چل رہی تھیں۔ سب کی شاپنگ مکمل ہوگئی تھی مگر زرش کو سوٹ پسند ہی نہیں آرہا تھا تنگ آکر سب ایک جگہ بیٹھ گئیں تھیں اور زرش کو کھلی آزادی دے دی' زرش نے عاتکہ کو ساتھ لیا اور ایک نئے جوش و ولولے سے دکانوں کی تلاش شروع کردی۔

"یار! کیا "سی آئی ڈی" کی طرح تلاشی لے رہی ہو تمیز سے کپڑے دیکھو اور وقت مجھ سے پوچھ لو یوں بار بار پاگلوں کی طرح گھڑی مت دیکھو۔" زرش کی حرکتوں نے عاتکہ کو بھی بے بس کردیا تھا۔

"ایکسکیوزمی...... مس عاتکہ"۔ اجنبی آواز پر دونوں نے حیرانی سے پیچھے دیکھا۔ اس لڑکے نے ان دونوں کی آنکھوں میں حیرانی دیکھی تو جلدی سے بول اٹھا۔

"مس عاتکہ! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے' یہاں کھڑے کھڑے عجیب لگے گا وہ سامنے کیفے ٹیریا ہے وہاں بیٹھ کر بات کرلیں' پلیز"۔ عاتکہ کے کچھ بولنے سے پہلے ہی زرش نے ہاں میں سر ہلایا اور عاتکہ کو پکڑ کر کیفے ٹیریا میں داخل ہوگئی۔

"جی...... پلیز آپ کو جو بات کرنی ہے ذرا جلدی کیجیے"۔ زرش نے ہی بات کا آغاز کیا۔

"میرا نام "ذوالقرنین عباس" ہے یونیورسٹی میں آپ سے دو سال سینئر تھا' آپ اسے پہلی نظر کی محبت کہہ لیں یا کچھ اور' مگر میں آپ سے شادی کا خواہشمند ہوں' آپ کے گھر رشتہ بھجوایا ہے مگر چونکہ "ہاں" یا "ناں" کا دارومدار آپ پر ہے سو آپ سے بات کرنا ضروری سمجھا"۔ اس کی ساری بات سن کر عاتکہ کا دل چاہ رہا تھا کہ سامنے پڑا گلاس اس کے سر پر دے مارے مگر بڑے تحمل سے اس نے بات سنی۔

"میرا جواب انکار ہے امید ہے آپ کی تسلی ہوگئی ہوگی"۔ زرش کو ساتھ لے کر اس کیفے ٹیریا سے ہی نہیں اس فلور سے بھی نکل گئی گھر آکر وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا ہر چیز تہس نہس کردے۔

☆☆☆☆

"الٰہی ہاؤس" پر چھایا جمود آہستہ آہستہ چھٹ رہا تھا' سارا گھر شادی کی مخصوص لائٹنگ سے جگمگا رہا تھا' ہر طرف چہل پہل تھی چوڑیوں کی جھنکار' مہندی کی خوشبو' زرتار آنچل لیے لڑکیاں ادھر سے ادھر گھوم رہی تھیں۔ "الٰہی ہاؤس" کی ساری لڑکیاں جزار اور

محبت پانے کا احساس انسان کو ہواؤں میں اڑاتا ہے اور کھو جانے کا دکھ ریزہ ریزہ کردیتا ہے وہ گہری اور جامد خاموشی اپنے اندر محسوس کررہی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا' سارا لاؤنج خالی تھا' بے جی کے کمرے سے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں یقیناً وہ بے جی کے پاس تھا اور اس نے خود کو بے جی کے کمرے کے باہر کھڑا پایا۔

''کیا میرے دل میں اسے دیکھنے کی آرزو ہے.....؟ مگر دیکھتی تو دن میں کئی مرتبہ ہوں' تو پھر میں یہاں کیوں آئی ہوں'' ۔ وہ بے جی کے کمرے کے باہر کھڑی کشمکش کا شکار تھی۔

اسے بولتا ہوا سننے کے لیے کیونکہ وہ بے جی کے سامنے نان اسٹاپ بولتا تھا''۔ دل و دماغ کے سوال و جوابات سے پریشان ہو کر اس نے جلدی سے بے جی کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہوگئی۔

لیکن کاش وہ نہ ہی آتی جس کمرے سے اونچے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں اس کے قدم رکھتے ہی موت کا سا سناٹا چھا گیا' یہ سناٹا اسے پاتال میں گراتا جارہا تھا' اس سے پہلے کہ اس کی انا اور وقار بھی پاتال کی گہرائیوں میں گم ہوجاتا وہ کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆☆

اس کی آنکھوں کے سامنے زرش کا چہرہ تھا وہ اس سے کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ اس سے کونسی چیز چھن گئی ہے کس چیز کا سوگ منا رہی ہے وہ کسی ایک چیز کے کھونے پر نہیں رو رہی تھی بلکہ وہ بالکل خالی ہاتھ ہوچکی تھی' انا' وقار' عزت نفس' محبت کچھ بھی تو نہیں رہا تھا اس کے پاس۔ وہ رونا چاہتی تھی' اتنے آنسو بہانا چاہتی تھی کہ اس میں وہ خود بھی بہہ جاتی وہ زرش کے کندھے پر سر رکھ کر رو پڑی تھی۔ جس انسان پر خود سے زیادہ مان تھا آج سب کے سامنے رسوا کر گیا تھا' وہ چاہتی تھی کہ ''ایم اے'' کے بعد شادی ہو مگر بے جی کے اصرار پر مان گئی تھی اسے کھونے کا ڈر ختم ہوا تھا مگر سکون کی کیفیت پل دو پل کی تھی جسے پانے کے لیے زندگی کا اتنا بڑا خواب توڑ دیا وہ ہی سب کے سامنے اسے توڑ گیا تھا۔

''مجھے ''عاتکہ'' سے شادی نہیں کرنی بے جی ! میں اس انکار کی کوئی وجہ پیش نہیں کرسکتا' مجھے لگتا ہے ہم دونوں زیادہ دور تک ساتھ نہیں چل سکتے ہمارے ذہن مطابقت ہی نہیں رکھتے' میں نے اپنی ٹرانسفر کروا لی ہے جلد از جلد یہ گھر چھوڑ جاؤں گا''۔ یہ صرف الفاظ نہیں تھے بلکہ صور اسرافیل تھے' جنہوں نے عاتکہ کے کانوں کو شل کردیا تھا سب گھر والوں کے سامنے وہ اس کی ذات کی دھجیاں اڑا گیا تھا۔

''تمہارا بھائی بہت ظالم ہے بہت برا ہے زرش' وہ اس قابل ہی نہیں تھا کہ اسے دل کے تخت پر براجمان کرتی' مجھے محبت کے راستے پر چلا کر بنا منزل کا پتہ دیئے اپنا راستہ بدل گیا' میں تو اسے بد دعا بھی نہیں دے سکتی کیونکہ میری محبت کم ظرف نہیں پر مجھے میرا قصور تو بتا دے''۔ زرش کے کندھے پر سر رکھے اپنا ہر غم مٹا رہی تھی۔

☆☆☆☆

''الہٰی ہاؤس'' میں خاموشیوں کا راج تھا' جہاں دن کے آغاز سے ہی آوازوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوتا تھا اب وہاں ہر کوئی اونچا بولنا بھی گناہ کبیرہ سمجھتا تھا' اس سناٹے کا جمود توڑنے کے لیے ''بے جی'' نے ''عائزہ'' اور ''جرار'' کے نکاح کا فیصلہ کیا اور ساری تیاریوں کا حکم عاتکہ کو دے دیا' وہ بازار سے تھک ہار کر آ کے بیٹھی ہی تھی کہ بے جی نے اپنے کمرے میں بلالیا' سلام کر کے ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی' بات کرنے کے بجائے چند لمحے بے جی اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتی رہیں۔

''تمہاری ماں نے تم سے کوئی بات کی ہے''۔

اس کو دیکھا اور گھر سے نکل گیا۔ عاتکہ کی تو یہ حالت تھی ''کاٹو تو بدن میں لہو نہیں''۔ پانچ منٹ لگے تھے اس ساری کارروائی میں اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے چکراتے سر کے ساتھ وہ وہیں گر گئی تھی۔

☆☆☆☆

اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں اور اپنے اردگرد دیکھا سب لوگ اس کے آس پاس موجود تھے اسے ہوش میں آتا دیکھ کر سب نے سکون کا سانس لیا کسی نے بھی اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

''شکر ہے بچی کو ہوش آ گیا' اب سب لوگ جا کر آرام کریں''۔ بے جی کے کہنے پر سب کمرے سے چلے گئے۔

''سنو عاتکہ! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بیٹا' تمہاری زندگی ہے اس کا اختیار بھی تمہارے پاس ہے مگر میں نے بھی ایک عمر گزاری ہے بس اتنی سی بات کہوں گی کوئلہ اور ہیرا دونوں زمین کے نیچے سے نکلتے ہیں مگر یہ قسمت کی بات ہے کہ کس کو کوئلہ ملے اور کس کو ہیرا' میری نصیحت سمجھ لو یا گزارش کہ ایک کوئلے کے پیچھے ہیرے کو مت کھو دینا''۔ بے جی نے اپنی بات ختم کی اور اس کے سر پہ پیار دیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں' تب وہ آنکھیں موندے گزرے واقعات کو سوچنے لگی۔

''کتنے استحقاق سے وہ انسان اس کے ہاتھ میں اپنے نام کی چھاپ چھوڑ گیا تھا' اس نے اس کا منہ کیوں نہیں توڑا......؟ کتنے آرام سے اس نے ذوالقرنین عباس کی ساری باتیں سنی تھیں کیوں وہ اسے انکار نہ کر سکی......؟ کیوں اس کے ہاتھ نہیں جھٹک سکی تھی......؟''

''کیونکہ تم خود ایسا چاہتی ہو' تمہارا مان' تمہارا وقار ایک انسان نے توڑا تھا تو اس سے دگنے مان اور محبت سے تمہیں دوسرا انسان مانگ رہا ہے''۔ اس نے حیران نظروں سے زرش کو دیکھا' کیا وہ اس کے چہرے کو پڑھ رہی تھی زرش نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''میرا بھائی بہت بدقسمت تھا عاتکہ! جس نے تم جیسی لڑکی کو کھو دیا' جو اپنوں کی خوشیوں کا خیال رکھتی ہے' غیروں کے دکھوں میں کام آتی ہے جس کی شفاف و بے ریا ہنسی چاندنی کو بھی شرما دے' خدا کی ذات اپنے بندے کے لئے درست انتخاب کرتی ہے تم بہتر مانگ رہی تھیں مگر اللہ کی ذات تمہیں بہترین سے نواز رہی ہے' تم شدت سے عزیز بھائی کو مانگتی رہی اور ذوالقرنین نے اس سے زیادہ شدت سے تمہیں مانگا' جو مان ایک انسان نے توڑا اس سے زیادہ عزت تمہیں دوسرا انسان دے رہا ہے' اچھی طرح سوچو اور پھر اپنے فیصلے سے اسے بھی آگاہ کر دینا''۔ زرش کی باتوں نے اسے اندر تک ہلا کے رکھ دیا تھا وہ کوئلے کے پیچھے ہیرے کو کھو رہی تھی مگر نہیں وہ تو اندر سے کب کی ٹوٹنے سے خود آمادہ تھی' بس اس کی انا اسے روک رہی تھی' اس نے زرش کے موبائل سے کال ملائی اور پہلی بیل پر ہی کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''ہیلو......ہیلو...... میں جانتا ہوں عاتکہ کہ فون کے دوسری طرف آپ ہیں مگر پلیز جو بھی فیصلہ ہے اسے جلدی سے بتا دیجئے' میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا ہر فیصلہ مجھے منظور ہوگا''۔ اس کی خاموشی سے تنگ آ کر وہ بول اٹھا تھا' اس نے کال تو کر لی تھی مگر بات کرنے سے قاصر تھی' اس کا دل جیسے موٹر وے پر دوڑ رہا تھا' 140 سے اسپیڈ نیچے نہیں آ رہی تھی۔

''تم میرا مان ہو''۔ دل کی ہزار سازشوں کے بعد اس نے چار لفظ کہے تھے۔ دوسری طرف سے اتنا پرزور قہقہہ نکلا تھا کہ دل کو اندر تک شاد کر گیا تھا' اس کا دل ہتھیلیوں میں دھڑک رہا تھا' عاتکہ الٰہی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی کیونکہ آج اس کا مان اس کی انا اسے لوٹا دی گئی تھی۔

☆......☆☆......☆

عائزہ کی مہندی میں ایک جیسے کپڑے پہنے آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہی تھیں، عاتکہ نے بھی ساری بے زاری بھلا کر خوشیوں کو محسوس کرنا شروع کیا تھا وہ لاؤنج کے ایک کونے میں کھڑی سب کے ہنستے مسکراتے چہرے دیکھ رہی تھی۔

"آپی! آیئے آپ بھی بھنگڑا ڈالیئے"۔ بینش، عائزہ، منیب اور احمد نے لاؤنج میں ہلا گلا ڈالا ہوا تھا اور اسے بھی بلا رہے تھے، انڈین گانوں پر ڈانس کر رہے تھے جو کہ اسے تو کرتب ہی لگ رہے تھے۔

"نا بابا مجھے تو معاف ہی رکھو، یہ ٹارزن کی اچھل کود میرے سے نہیں ہوتی، جس طرح تم لوگ اپنی ٹانگیں استعمال کر رہے ہو ضرور کسی ساتھ والے کی ہڈیاں توڑ دو گے"۔ اس نے مسکین سی شکل بناتے ہوئے کہا تو سب منہ لٹکائے واپس آ گئے۔

"بے جی" بس اتنی دیر ہی یہ سب برداشت کر سکتی تھیں تو ان کو منع کرنے کی بجائے خود ہی کمرے میں جانے کے لیے اٹھیں عاتکہ نے بے جی کو اٹھتے دیکھا تو آگے بڑھ کر انہیں تھاما اور کمرے کی طرف لے گئی، بے جی کو بستر پر بٹھا کر وہ جلدی سے ان کے کمرے سے نکل آئی کیونکہ ان کی سوالیہ آنکھوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"آہ...... ای جی"۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اپنے دھیان میں چلتے ہوئے وہ کسی چیز سے ٹکرائی تھی ہوش سنبھلے تو اس نے سر اٹھا کر وہ چیز دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ چیز نہیں تھی بلکہ دراز قد ردان تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں، میرے گھر میں کیسے گھس آئے"۔ کچھ دیر پہلے لگنے والی چوٹ بھول کر وہ جارحانہ انداز سے اپنے سامنے کھڑے "ذوالقرنین عباس" کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ شروع سے ہی اتنی عجلت کا مظاہرہ کرتی ہیں یا مجھے دیکھ کر ہو جاتی ہیں لیکن خیر...... آپ جو بھی ہیں جیسی ہیں مجھے ویسی ہی پسند ہیں"۔

"میں نے آپ سے پوچھا ہے آپ یہاں کیسے اور کیوں آئے ہیں......؟" عاتکہ نے اس کی باتوں سے متاثر ہوئے بنا دوبارہ سوال دہرایا اس کی باتوں اور انداز پر ذوالقرنین کے لبوں کو ہنسی نے چھو لیا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں اپنے قدموں پر چل کر آیا ہوں اور کیوں آیا ہوں......؟ اس بات کا جواب ذرا تفصیل سے دیتا ہوں"۔ اس کے کڑے تیور دیکھتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے بات کا آغاز کیا۔

"میں آپ کو پسند کرتا ہوں اس دن سے جس دن سے آپ کو دیکھا ہے، آج تک میں آپ کے راستے میں اس لیے نہیں آیا تھا کہ میں اپنی محبت کو پرکھنا چاہتا تھا میں دیکھنا چاہتا تھا آپ کے لیے میرے جذبات سچے ہیں یا پانی کے بلبلے کی طرح چند پل کے لیے ہیں یونیورسٹی سے جانے کے دو سال تک میں آپ سے ملا تک نہیں لیکن پھر بھی آپ اس دل پر قابض رہیں"۔ اس نے شہادت کی انگلی اپنے سینے پر رکھتے ہوئے اسے بتایا۔

"آج میں اپنی محبت میں سرخرو ہو کر آپ کے سامنے کھڑا ہوں"۔ وہ بالکل ساکت کھڑی تھی جیسے قدموں میں جان ہی نہ ہو۔

"گھر والے تو ڈائریکٹ شادی پر زور دے رہے ہیں مگر آپ کو سب رسموں، رواجوں سے اپنانا چاہتا ہوں تا کہ کوئی بھی حسرت ہماری زندگی میں نہ آئے"۔ اپنی جیب سے اس نے مخملی ڈبیا نکالی اور بہت احتیاط سے اس کا ہاتھ پکڑا، وائٹ گولڈ کی نفیس سی انگوٹھی اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں ڈال دی۔

"میں نے محبت رانجھے، مجنوں جیسی کی ہے مگر ہوں تو اکیسویں صدی کا لڑکا، اتنی سی گستاخی تو کر سکتا ہوں"۔ اس نے عاتکہ کی حیران آنکھوں میں دیکھا اور آہستگی سے اس کے گال کو چھوا، چند ثانیے

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل وضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

افسانہ

ملاک

ادھ کھلی کھڑکی کے سامنے ہاتھ میں دھواں اڑاتی کافی کا مگ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ایک وجود بے حد تھکا ہارا ہوا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس ہلکی بارش کو روک دے، کافی کا مگ کھڑکی کے شیشے پہ مار دے، ہر چیز کرچی کرچی ہو جائے جیسے وہ خود۔

☆..........☆..........☆

اس نے ہمیشہ سے چاہا تھا ایک ایسا گھر جہاں اس کے ماں باپ ہوں چھوٹے بہن بھائیوں کی قلقاریاں ہوں ان کی مستیاں ہوں، وہ سب سے بڑی تھی بھائی بہن جڑواں تھے، اس کی پیدائش کے پندرہ سال بعد ہوئے تھے۔ جتنا پیار اسے اپنے ان نٹ کھٹ بہن بھائیوں سے تھا اتنا تو شاید اسے اپنے آپ سے بھی نہ تھا۔

اماں روکتیں کہ اتنا سر پہ نہ چڑھاؤ انہیں، وہ مانتی تب ناں۔ ہر نئی صبح اس کے گھر میں ان ننھے بچوں کی چہکار گونجتی تھی اور رات ان کو سلاتے کہانی سناتے پیار کرتے گزرتی۔

گھر میں بڑی ہونے کی وجہ سے اس کی تھوڑی بہت چلتی تھی اس نے داخلہ اپنے پسند کے کالج میں لیا، جب یونیورسٹی میں آئی تب بھی سبجیکٹس کا انتخاب، ادھر اُدھر کے کام، بس کے روٹ سب اس کے ذمے تھا۔ ابا جی تو بری الذمہ تھے بقول ان کے کہ "ملی میری بیٹی نہیں بیٹا ہے"۔

ملاک ذمے دار بچی ہوتے ہوئے ماں بنی اس نے پڑھائی کے علاوہ ان دو شرارتی بچوں کو بھی سنبھالا ہوا تھا، وہ امی کہتی تو یہ بچے اپنی ماں کے علاوہ ملاک کو بھی امی کہہ دیتے بھی ابا اور دادی کی طرح ملی کہتے۔

ایک ہنستا بستا گھر تھا جسے کسی کی نظر ہی لگ گئی یا قدرت کو ہی یہ منظور تھا۔

ملی اور وہ دونوں بچے اپنے اسکول یونیورسٹی گئے ہوئے تھے، امی تو گھر پر تھیں لیکن گھر کا کچھ سامان لینے کے لئے ابا جی کو گھر جلدی بلوایا تھا، دونوں میاں بیوی بازار چل دیئے۔

شہر کے حالات یکا یک خراب ہو گئے، جلاؤ گھیراؤ، مار دھاڑ ہو رہی تھی ایسے میں امی ابا جی کا ہاتھ تھامے ہوئے تھیں ہر سمت لوگ اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے، اپنی جان بچانے کے لئے کوئی دھکا دے دیتا کوئی ان کے بیچ سے گزرنے کی کرتا۔

☆..........☆..........☆

ملی شہر کے حالات کا جان کر فوراً وہاں سے نکل آئی، اسکول جانے کے لیئے رستے بند، جہاں جہاں سے کوشش کرتی چلی جاتی رکشہ بدلنا پڑتا خود رکشہ والے بھی ڈر ڈر کے چلا رہے تھے، کہیں دور سے دھماکے کی آواز آئی۔ ملاک سہم گئی، اسے ڈر

مقبول خواتین رائٹرز کے شاہکار ناول شائع ہو گئے ہیں

ناول	مصنفہ	قیمت
بن مانگی دعا	عفت سحر طاہر	1000/- روپے
دکھ کا دریا سکھ کا ساگر	آسیہ مرزا	1000/- روپے
جام آرزو	مہوش افتخار	600/- روپے
برف کے آنسو	نازیہ کنول نازی	500/- روپے
اے مژگاں محبت	نازیہ کنول نازی	600/- روپے
وہی اک لمحہ زیست کا	فاخرہ گل	600/- روپے

کتابیں خوبصورت سرورق بہترین کمپوزنگ و طباعت کے ساتھ شائع ہو گئی ہیں

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ، چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37668958 — 37652546

لگنے لگا۔ رکشے والا اس کی حالت دیکھ رہا تھا کہ ملاک نے رونا شروع کر دیا۔

"ارے بچہ تم کیوں روتی ہو؟" رکشے والے نے پوچھا۔

"میرے بچے ہیں اسکول میں اور ابھی دیکھو دھماکے کی آواز آئی، یا اللہ رحم کر ہم پر"۔ ملاک نے اور رونا شروع کر دیا۔

رکشے والے نے اس کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچانے کی جدوجہد کرنا شروع کر دی، مارے باندھے وہ لوگ اسکول پہنچ گئے تھے، رکشے والے کو ملی نے انتظار کرنے کا کہا اور خود بچوں کو لینے گئی۔ انہیں لا کر رکشے میں بٹھایا اور گھر کا پتہ بتانے لگی۔ دل ہی دل میں اسے خوف ستانے لگا دھڑکن تیز ہونے لگی عجیب بے چینی سی کیفیت میں آ گئی اور دونوں بچوں کو بانہوں میں لے کر بھینچ لیا۔ رکشے والا ابھی سمجھتا رہا یہ دونوں ملی کے بچے ہیں جیسے ماں خوف کھاتی ہے ویسی حالت تھی۔ ملی نے گھر پہنچ کر رکشے والے کا شکریہ ادا کیا۔

بچے پریشان تھے کہ ملی کو اچانک کیا ہوا ہے۔ گھنٹی بجائی کوئی جواب نہ ملا، ملی کو فکر کھانے لگ گئی، حالانکہ احتیاطاً اس کے پاس بھی چابی موجود ہوتی تھی لیکن وہ بوکھلائی ہوئی تھی، جیسے تیسے سنبھالا اور چابی دیکھنے کے لئے بیگ کھولا، ٹٹولتی رہی اور چابی مل جانے پر گہری سانس خارج کی اور دروازہ کھولا، گھر کے اندر قدم رکھتے ہوئے پیر لڑکھڑا رہے تھے، خوف سے پسینے پسینے ہو رہی تھی۔ دونوں بچوں کو بھی ملی کو دیکھ دیکھ کر چپ لگ گئی تھی لیکن اس نے تو سنبھلنا تھا ناں کسی بھی طرح خود کو قابو میں لائی۔ بچوں کے کپڑے بدلوائے، دل میں ہزار سوچیں مقید تھیں امی اور ابا جی کے حوالے سے۔

اچانک سے فون بج اٹھا، دل کی دھڑکن بڑھتی رہی لبوں کو ہلاتی رہی اور دعا کرتی رہی دل میں کہ امی یا ابا جی کا فون ہو۔ فون اٹھایا ابھی ہیلو ہی کہا تھا... ہاں تو فون ان کے امی ابا جی کا تھا بلکہ ان کے بارے میں تھا ایک دھماکہ جو اس نے سنا اور دوسرا دھماکہ اس پر ہوا۔ خبروں کے ذریعے ملاک کے ماموں نے پتا کروایا تھا۔

تین دن تک لوگوں نے سوگ تو منایا پھر یوں چل دیئے کہ کسی کو اس معصوم بچی کی پرواہ ہی نہ ہو، اس کے ساتھ ساتھ اس کے دو چھوٹے بھائی بہن چپ چپ سے گم صم سے بس لوگوں کا آنا جانا دیکھتے تھے۔

☆......☆......☆

زندگی میں بہت سے ایسے مقام آ جاتے ہیں جن پر نا چاہتے ہوئے بھی چلنا پڑتا ہے، وقت بھی ایک سا تو رہتا نہیں اب یا تو انسان وقت اور حالات کے سپرد کر دے خود کو یا حالات و وقت کو اپنے حساب سے لے چلے۔ لیکن جب قدرت نے جو لکھا ہے چاہے اس کی آزمائش ہو یا اس کے لئے آسانی انسان کو اس میں ڈبکی مارنی ہی پڑتی ہے تبھی وہ جیت سکتا ہے ورنہ نہیں۔

ملاک نے علی اور لائبہ کو دیکھا اور پھر پلٹ کر ادھ کھلی کھڑکی سے بارش کو دیکھا، آنسوؤں کے قطرے اس کے گلابی گال پر تیرنے لگے۔

وقت ظالم ہوتا ہے تو مرہم بھی ہوتا ہے کسی وقت وہ زخم لگاتا ہے تو کسی وقت تلخ یادوں کو مٹانے والا مرہم بھی بن جاتا ہے۔

ملاک نے کھیلتے ہوئے معصوموں کو دیکھا اور آنسو پونچھ کے ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی، انہیں گدگدانے لگی۔

☆......☆......☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



اپنے خیر خواہ باپ کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھا جیسے اس کی زندگی کا مقصد تھا' آج وہ اس کے لیے رو رہا تھا' کاش وہ آج زندہ ہوتا تو وہ بدنصیب بیٹا اس کے پیر پکڑ کر اس سے معافی مانگ لیتا۔ گھٹن بڑھتی جا رہی تھی دنیا کا حبس اس کا دم گھونٹ رہا تھا مگر موت آ کر ہی نہ دے رہی تھی' کیونکہ موت ہی واحد رستہ بچی تھی جو اسے اس گھٹن اور حبس کے ماحول سے رہائی دلاتی' دنیا میں ایسا کوئی شخص نہ تھا جو اس کے شر سے بچا ہو' کوئی خیر خواہ نہ تھا' صرف ماں تھی جو باقی تو نہ تھی مگر اس کی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھی۔

سب یار دوست جو اسی کی طرح اوباش اور جاہل تھے' قوت کے زمانے میں ساتھی تھے اب صبر نہ طاقت رہی' نہ پیسہ تو سب منتشر ہو گئے' جیسے وہ اچھوت ہو۔ اس کا باپ ایک عربی شعر اکثر کہتا تھا' آج وہ ان الفاظ کو یاد کر کے رو رہا تھا کہ کاش وہ پہلے ان الفاظ کا اثر لے لیتا' کاش وہ پہلے رو لیتا تو آج زندگی اتنی مشکل نہ ہوتی' گھٹن کا ماحول یوں دم نہ اٹکاتا۔

قسط نمبر 1



سلسلے وار ناول

دردِ عجب نگاہ

بے بسی ولاچاری کا اصل مفہوم اسے آج سمجھ آیا تھا' غرور اور طاقت کے نشے میں چور کسی کی نا سننے والا انسان آج بغیر سنے ہی سمجھ چکا تھا' مگر افسوس' بہت دیر ہو چکی تھی۔



گئے"۔ انہوں نے اس کے حسین سرخ و سپید چہرے کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔
"جی چچی"۔ وہ فرمانبرداری سے بولی اور کر بھی کیا سکتی تھی۔
"ہونہہ..... ایک تو گھر میں مفت کی جگہ دے رکھی ہے اوپر سے نخرے"۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے کچن کے دروازے سے نکلیں تھیں۔ حرم اب اس رویئے کی عادی ہو چکی تھی' پہلے پہل وہ ہر بات پر رونے لگ جاتی تھی اس پر بھی زبیدہ اسے لتاڑتیں جیسے سارا قصور اسی کا ہو' اب وہ بے حس ہو گئی تھی یا شاید خود کو بے حس کر دیا تھا' جب فرار ممکن نہ ہو تو آخری راستہ سمجھوتے کا ہی بچتا ہے اور اس نے سمجھوتا کر لیا تھا۔
سب کو کھانا دے کر برتن سمیٹتی دھونے لگی تھی کہ فرحان کا فون آ گیا تھا اور ہمیشہ کی طرح گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔
زبیدہ چچی تو بیٹے کے فون کرنے پر یوں خوش مزاج ہو جاتیں گویا وہ تلخ سی پاٹ دار لہجے والی زبیدہ چچی کوئی اور ہو جو بات بات پر بندے کو ذلیل کر کے رکھ دے۔
وہ اگر بڑے بیٹے پر فخر کرتی تھیں تو ناحق نہیں تھا وہ تھا ہی فخر کے لائق' کماؤ پوت خوش مزاج' خوش شکل لمبا چوڑا نرم مزاج سا جوان مرد' جس کے مضبوط بازو کسی کو بھی تحفظ کا احساس دلاتے ہوں' چچا اس سے بات کر کے دکان پر چلے گئے زبیدہ نے بات کی اور پھر سعدیہ یعنی بڑی بیٹی کو فون دیا جو کب سے ماں کو اشارے کیے جا رہی تھی۔
"السلام علیکم بھائی کیسے ہیں؟ مجھے آپ سے ایک فرمائش کرنی تھی"۔ وہ بے صبری سے بولی انٹر کے بعد دو دھوکر بہ بھائی ادھوری چھوڑ دی تھی آج کل پارلر کام سیکھنے جاتی تھی۔
"وعلیکم السلام سعدیہ گڑیا! کیسی ہو؟ اور ایک کیوں' دس فرمائش کرو"۔ وہ خوش دلی سے مسکرایا' بہنوں کی پیار بھری فرمائش اسے بہت لطف دیتی تھی۔
"مجھے بڑا سا میک اپ بکس چاہیے' یہاں اچھا نہیں ملتا اور مہنگا بھی بہت ہے"۔ وہ اٹھلائی۔
"بس اتنی سی فرمائش؟" وہ مسکراتے لہجے میں بولا اور سعدیہ کا مان بڑھا گیا۔
"بھائی! آپ جیسا کسی کا بھی بھائی نہیں' بہت شکریہ"۔ سعدیہ بے تحاشہ خوش تھی۔
"اور سیماب کا کیا حال ہے' کیا کر رہی ہے؟" اس کے بچکانہ پن پر مسکراتے ہوئے اس نے چھوٹی بہن کا پوچھا۔
"کھانے کے سوا اسے اور کوئی کام نہیں' ٹی وی دیکھتی ہے یا نت نئے فیشن' آپ کو پتا ہے تیسری بار فیل ہو گئی انٹر میں' مگر ذرا شرمندگی نہیں اسے"۔ سعدیہ نے فالسے کی پلیٹ گود میں رکھے ٹی وی دیکھتی صوفے پر دراز چھوٹی بہن کو گھورا۔
"خود تو جیسے ٹاپ پوزیشن سے گریجویشن کر کے گھر بیٹھی ہو"۔ وہ کہاں حساب رکھتی تھی جھٹ سے جواباً گھورتے ہوئے اور سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے سعدیہ سے تقریباً فون جھپٹا تھا۔
"السلام علیکم بھائی' کیسے ہیں؟"
"وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں تم بتاؤ' کیسے فیل ہو گئی' اس بار تو تم نے کافی محنت کی تھی"۔ وہ پریشان ہوا۔
"کیا کروں بھائی! امتحانی کمرے میں رشوت دینے والوں کو نقل کروائی جاتی ہے' محنت کی کوئی قدر نہیں' بالکل الیکشن والی دھاندلی جیسی صورتحال تھی"۔ وہ لہجے کو حتی الامکان افسردہ بنا کر بولی۔
"تم پریشان نہ ہو' انشاء اللہ اگلی بار پاس کر لینا' اور بولو کوئی فرمائش یا کچھ چاہیے تو نہیں؟" وہ تسلی دے کر

جو شخص زندہ رہے گا زمانہ اس کی حدت اور شدت کو بوسیدہ اور پرانا کر دے گا اور اس کے سب سے بڑے دو شفقہ دوست یعنی شنوائی اور بینائی کی طاقتیں بھی اس سے خیانت کر کے الگ ہو جائیں گی۔ اسے اپنا ہر ظلم اپنی ہر زیادتی یاد آ رہی تھی' اور پشیمانی و پچھتاوا بڑھ رہا تھا' یہ تکلیف اب آخری سانس تک ساتھ نہ چھوڑنے والی تھی' بلکہ جاں کا روگ بن گئی تھی۔ وہ محلے کی کشادہ گلی میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

''ایسے ہی تو مجھے اکبر جنگجو نہیں کہتے' آپ نے میرے ذمے کام لگا دیا ناں؟ اب آپ مجھ پر چھوڑ دو' اس کے تو حلق سے بھی کاغذات نکال کر آپ کو دے دوں گا' میں نے ہارنا نہیں سیکھا' جس کام میں ہاتھ ڈال دوں' سمجھو ہو گیا''۔ موبائل کان سے لگائے' ہمیشہ کی طرح پرجوش اونچی آواز میں بولتا وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا اور یہی وقت تھا کہ وہ گلی کے موڑ سے ناک کی سیدھ میں آتی' سر پر دوپٹہ جمائے نظریں نیچی کیے اس حسین سی لڑکی سے ٹکرایا تھا۔

''اب اندھے ہو گیا؟ نظر نہیں آتا؟'' اس پر نظر پڑتے ہی وہ آخری لفظ پر منہ کھولے ٹھہر گیا تھا۔ وہ لڑکی ڈری سہمی سی بغیر اس کی سمت دیکھے فائل سینے سے لگائے سر جھکائے تیز تیز چل پڑی۔

''رکو..... سالی اپنا نام تو بتاتی جاؤ' تم سے کہہ رہا ہوں' رکو''۔ وہ بایاں ہاتھ پھیلا کر اسے بلانے لگا' مگر لگ رہا تھا لڑکی کے پیروں کو پہیے لگ گئے تھے۔

''کتنی حسین تھی کمبخت' لگتا تھا پرستان کی کوئی پری راستہ بھٹک کر ادھر آ نکلی ہو''۔ وہ سر پر ہاتھ پھیرتا سامنے سنسان رستے کو دیکھ کر بولا جہاں سے وہ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ سر سے دوپٹہ اتارتی' کچن میں پانی پینے آئی تو زبیدہ اس کے پیچھے آئی تھیں۔

''کیا کہہ رہے تھے اکیڈمی والے' کتنا معاوضہ دیں گے؟'' ان کی پاٹ دار آواز پر وہ بوتل سلیب پر رکھ کر پلٹی اور دوپٹہ سر پر لیا تھا۔

''چار ہزار...... اگر کارکردگی اچھی رہی تو کچھ دنوں میں تنخواہ ڈبل کر دیں گے''۔ وہ سر جھکائے دھیمے لہجے میں بولی۔

''مجھے شرمندہ مت کروا دینا' نکل آؤ باپ کی بغل سے اور دنیا کا سامنا کرنا سیکھو' میرا بیٹا پردیس میں تنہا بیٹھا کما رہا ہے' تمہارے چچا دکان میں دن بھر سر کھپاتے ہیں' مگر وہ بھی کیا دکان ہے' مرغیوں کا ڈربہ' میری تین اولادیں مزید بھی ہیں' بجلی فون اور گیس کے بل الگ اوپر سے تم اور تمہارے معذور بیمار باپ کے خرچے الگ سے' اسی لیے فرحان کے دوست کے ہاں جا کر اکیڈمی میں تمہاری نوکری کے لیے منت کی تھی' پچھلی گلی ہے' بسوں کے دھکے اور کرائے کی جھنجھٹ سے بھی بچالیا' احسان مانو' بی بی میرا اور دل لگا کر کام کرنا میرے سر پر خاک مت ڈلوا دینا' اور یہ ڈرنا ورنا چھوڑ دو مضبوط بنو' کوئی تمہیں کچھ نہیں کہہ سکے گا''۔ سمجھانا بھی کیا تھا ان کا ایسے لگ رہا تھا تاک تاک کر طنز کے تیز برسا رہی ہوں۔ وہ نکلنے لگی تھی کہ اسے بھی اپنے پیچھے نکلتے دیکھ کر رک گئیں۔

''تم کہاں چلیں......؟''

''وہ ابو سے ملنا تھا' دوا کھالی یا نہیں؟'' وہ ڈر کر آہستگی سے بولی۔

''بی بی ہم نے اسے سڑک پر نہیں لا چھوڑا' خوب آرام سے کمرے میں پنکھے کے نیچے لیٹے رہتے ہیں' اب تم بھی ہر دو منٹ بعد ان سے ملنا چھوڑ دو' اپنے کام پر توجہ دو اور ہاں کھانا تیار کر لو جلدی' بچے آنے والے ہوں

"ویسے اکبر یار سوچتا ہوں تم نے راتوں رات کیسے اتنا مال بنالیا کہ بسوں کے تین اڈوں کے مالک بن گئے بڑے بڑے لوگوں سے ملتے ہو تو وہ تمہیں سلام کرتے ہیں اور اکبر بھائی' اکبر بھائی کہتے نہیں تھکتے' ہمیں بھی یہ شارٹ کٹ دکھا دے"۔ جاوید نے ہمت کرکے کب سے دل میں مچلتے سوال کو لبوں تک پہنچایا تھا۔ وہ اکبر کے جواب سے مطمئن ہوتا یا نہیں مگر اس کی گھوری پر خائف ضرور رہ گیا تھا۔

"بچپن میں ساتھ کھیلے ہیں تو یہ مطلب نہیں کہ مجھ سے فری ہو جاؤ' محلے داری کا لحاظ کرکے ادھر آبیٹھتا ہوں' میرے سر پر مت چڑھا کرو' ایک منٹ میں سیدھا کردوں گا"۔ وہ سرد لہجے میں اسے گھورتا بولا اور پھر اس سے نظریں ہٹا کر نقل اتاری۔

"ہمیں بھی یہ شارٹ کٹ دکھا دے"۔ محسن اور ماجد کو جاوید کی رونی صورت دیکھ کر ہنسی بہت زور کی آئی تھی مگر خود پر قابو پائے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے' اکبر کا دماغ الٹتے دیر کہاں لگتی تھی۔ وہ جو سامنے دیکھ رہا تھا' سیاہ چادر اوڑھے فائل پکڑ کر سینے سے لگائے سر جھکا کر چلتی حسین لڑکی کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

"اے...... یہ تو وہی پری ہے' جو کل ٹکرائی تھی"۔ وہ خوشگوار حیرت سے بڑبڑایا۔

"تو کیا ہمارے محلے میں رہتی ہے؟ مجھے تو محلے کی ایک ایک چیونٹی تک کا شجرہ نسب معلوم ہے پھر یہ اسے کیوں نہیں جانتا؟ اگر نئی آئی ہے تو مجھے خبر کیوں نہ ہوئی"۔ وہ دور ہوتی پری پر نظریں جمائے بے خود تھا۔

"اکبر بھائی! کہاں گم ہو گئے؟" ماجد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"وہ...... اس لڑکی کو جانتے ہو؟" اس نے سامنے دور ہوتی سیاہ چادر والی کی سمت اشارہ کیا تھا۔

"نہیں...... لگتا ہے نئی آئی ہے پہلے کبھی نہیں دیکھا"۔ اس نے معدوم ہوتے نقوش والی' سفید سی لڑکی کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"پتہ کرواؤ' اور مجھے خبر کردینا' مجھے اس کے بارے میں ایک ایک بات معلوم ہونی چاہیے"۔ وہ انگلی اٹھا کر وارننگ کرتا اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

"لگتا ہے اکبر بھائی کا دل آ گیا اس لڑکی پر' ورنہ وہ کہاں کسی کو گھاس ڈالتے ہیں"۔ محسن نے اکبر پر نظریں جمائے مسکرا کر کہا۔

اکبر بہت تیزی سے پیچھے گیا تھا مگر وہ گلی کے موڑ پر مڑ کر غائب ہو چکی تھی۔

"کیا مصیبت ہے' پھر غائب ہو گئی' کون ہے یہ آخر؟" وہ سر پر ہاتھ پھیرتا الجھن سے سوچ رہا تھا۔

☆☆☆☆

"تین دن بعد گھر آیا ہوں پھر بھی سلام کا جواب دینا گوارا نہ کیا' کیسے والدین ہیں آپ لوگ؟" وہ تاسف سے کہتا بیسن پر ہاتھ دھونے لگا۔

"ہونہہ......" باپ نے ہونہہ کہہ کر رخ موڑ لیا' بیسن کے اوپر دیوار پر لگے شیشے میں اس نے سلطان صاحب کا یہ انداز مسکرا کر دیکھا تھا۔

"میری پیدائش پر سب سے زیادہ دعائیں آپ نے مانگی تھیں کہ چار بیٹیوں کے بعد اب کی بار بیٹا ہو' تو پھر آپ اب کیوں مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں"۔ پلٹ کر باپ کو محظوظ ہوتی مسکراہٹ سے دیکھتے اس نے گیلے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے پتا نہیں تھا کہ جس بیٹے کے لئے میں اللہ سے دعا مانگ رہا ہوں' جو میری نسل بڑھائے گا وہ بڑا

اس کا دھیان بٹھانے کی غرض سے بولا۔
''فرمائش تو کوئی نہیں' وہ موبائل ٹوٹ گیا تھا' کالج میں کام آتا ہے آج کل کے حالات تو آپ کو پتہ ہیں' موبائل لیجیے گا مگر ٹچ اسکرین والا''۔ وہ خوشی سے چہکی۔
''ضرور میری گڑیا! اداس مت ہونا' اماں کو فون دو''۔
''اماں یہ لیں''۔ بھائی کی ہدایت پر اس نے فون ماں کو پکڑایا۔
''اماں' علی کیسا ہے' پڑھائی تو ٹھیک کرتا ہے ناں؟ اسے کہنا کھیل کود سے زیادہ پڑھنے پر توجہ دے''۔ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا علی گھر بھر کی آنکھ کا تارا تھا۔ اس کے لہجے میں بہن بھائیوں کے لیے بہت محبت اور اپنائیت ہوتی' زبیدہ نہال ہوگئی تھیں۔
''میرے شہزادے..... میرے بیٹے تم فکر مت کرو' میں نے اسے ٹیوشن میں داخل کروادیا ہے پڑھائی اب پہلے سے بھی اچھی ہے''۔ وہ خوشی سے بولیں۔
''اماں! میں نے عام سی تعلیم حاصل کی مگر اپنے چھوٹے بھائی کو بہت بڑا آدمی بنانا چاہتا ہوں' ابا کی جو خواہش میں پوری نہ کرسکا وہ علی ضرور پوری کرے گا''۔ اس کے لہجے میں حسرت تھی' بہن بھائیوں کی کامیابی بھی تو اس کی کامیابی تھی۔
''انشاء اللہ بیٹا!'' زبیدہ کی آنکھیں بھیگ گئیں وہ پاس ہوتا تو ضرور اس کا ماتھا چوم لیتیں۔
''اماں! وہ حرم کیسی ہے؟'' وہ جھجک کر بالآخر پوچھ بیٹھا۔ زبیدہ کو تو گویا کسی نے کڑوا کریلا دے دیا ہو' منہ بن گیا اور ماتھے پر تیوری چڑھ گئی۔
''اسے کیا ہونا ہے' بیٹی کی بیٹی ہے ہر وقت باپ کے کمرے میں گھسی رہتی ہے' گویا ہم تو اس کے کچھ لگتے ہی نہیں اللہ نے کمبخت کو حسن کیا دے دیا' اس کے تو مزاج ہی نہیں ملتے''۔ وہ آگ بگولہ ہوئیں۔ ہمیشہ کی طرح فرحان چپ ہوگیا' اس کے جذبات اتنے بھی بے لگام نہ تھے کہ ماں کو اتنی ساری باتوں کے بعد بھی حرم سے بات کروانے کو کہتا' کچن کی کھلی کھڑکی سے صفائی کرتی حرم نے ان سب کی اور چچی کی جلی کٹی بھی سن لیں تھی۔ اتنی غلط بیانی پر بھی وہ ہمیشہ کی طرح لب بھینچے کام میں جت گئی' اس کا تھا ہی کون جو دل میں چھپے زخم کی دوا کرتا' باپ کا واحد سہارا بھی اس کا محتاج تھا' وہ بیمار باپ کو کیوں پریشان کرتی' چپ رہنے اور صبر کرنے میں ہی نجات تھی۔

☆☆☆☆

''اکبر! تو تو اپنے یار دوست بھلا بیٹھا' نظر ہی نہیں آتا' پہلے ہم کتنا ٹائم ساتھ گزارتے تھے''۔ جاوید جیسے اس وقت میں کھو گیا تھا۔
''بیٹا' اتنا نام ایسے ہی نہیں بنایا جاتا' جان مارنی پڑتی ہے' دن رات کام کرنا پڑتا ہے پیارے''۔ وہ لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھتے بولا تھا۔
''ہاں یار! جاوید تو ٹھیک کہتا ہے' پہلے ہم کیسے محلے کی اس گلی میں رونق لگائے رکھتے' آنے جانے والوں پر جملے کستے' انہیں تنگ کرتے''۔ اب کے محسن نے بھی جاوید کی تائید کی تھی۔
''اکبر بھی ٹھیک کہتا ہے آج مائیں اس کے نام پر بچوں کو ڈراتی ہیں' محلے کے بڑے بڑے بدمعاش اسے ہانپتے کانپتے سلام کرتے ہیں تو ایسے ہی نہیں کرتے' اس کی محنت سے آج یہ مقام ملا ہے' لوگ اکبر کا نام لے کر کانپتے ہیں''۔ ماجد تو تھا ہی اکبر کا چمچہ مگر جھوٹ بھی نہیں بول رہا تھا' حقیقت یہی تھی۔

"بہنوں کی فکر چھوڑو اب اپنی فکر کرو تم تو گھر پہ نکلتے نہیں کم از کم بہو کے ساتھ مگن تو رہوں گی۔" وہ ہمیشہ کا گلہ دہرا رہی تھیں۔ اس کی نظروں کے سامنے وہ پری چہرہ لہرا گیا۔

"تیری یہ خواہش بھی جلد پوری کر دوں گا اماں"۔ وہ سر جھکائے نوالہ توڑتے، سوچ کر خواہ مخواہ مسکرایا تھا۔ روبینہ اس کی چپ کو ہمیشہ کی طرح ناں سمجھ کر سرد آہ بھرتی رہ گئی تھیں۔

☆☆☆☆

دن بھر کی تھکی ہاری وہ اپنے اور باپ کے مشترکہ کمرے میں آ گئی' گھر کا سب سے کونے والا اور حبس زدہ چھوٹا کمرہ اسے دیا گیا تھا جس میں لکڑی کی سال خوردہ الماری' اور دو سنگل بیڈ رکھے گئے تھے' سعید صاحب کو دوا دے کر وہ ان کی ٹانگیں دبانے لگی' بوڑھا معذور باپ اکلوتی لاڈوں پلی بیٹی کو اداسی سے دیکھتا رہا' وقت بھی کیا کیا ستم ڈھاتا ہے' جو بیٹی شہزادیوں کی طرح نازک و نرم ماحول میں پلی تھی' آج وہ چچا کے گھر میں مفت رہنے کا خراج نوکروں کی طرح دن رات کام کر کے پورا کر رہی تھی۔

"پلیز ابو! کچھ مت سوچیں' میں جس حال میں بھی ہوں' خوش ہوں' شاید مقدر میں ہی یہی لکھا تھا' آپ اپنی صحت کا خیال رکھیں' امی کے بعد میں آپ کو کھونے کا غم نہیں سہہ سکتی' آپ کی موجودگی میرے لیے بہت بڑی تسلی ہے" وہ باپ کا غم بغیر کہے محسوس کر رہی تھی۔ اکثر اس کی ابتر حالت کا ذمہ دار وہ خود کو ٹھہراتے اور حرم کے لیے اس سے بڑھ کر تکلیف دہ بات اور کوئی نہ تھی۔

"پلیز ابو آپ مجھے پریشان کر رہے ہیں' مجھے کسی بات سے دکھ نہیں ہوتا سوائے آپ کو غمزدہ دیکھ کے"۔ وہ باپ کی آنکھ کے گوشوں کو نم دیکھ کر تڑپتے ہوئے بولی اور ان کی آنکھوں پر محبت سے ہاتھ پھیرا' خود اس کی حسین آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں۔

سعید صاحب اشفاق سے بڑے تھے' سرکاری اسکول میں پڑھاتے رہے باپ کی جائیداد میں دونوں بھائیوں کو ایک ہی محلے میں الگ الگ گھر مل گئے تھے اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا' بہت عرصے ان کی اولاد نہ ہوئی بارہا خاندان والوں نے دباؤ ڈالا کہ دوسری شادی کر لیں' ان سے چھوٹے بھائی اشفاق کے ہاں فرحان' سعدیہ اور پھر سیماب کی پیدائش ہوئی مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے' اگر اللہ نے اولاد نصیب میں لکھی ہوئی تو وہ دیر سے بھی دے دے گا' یہی امید تھی کہ سیماب کی پیدائش کے ساتھ ان کے ہاں بھی حرم آ گئی' دونوں میاں بیوی محبت سے اس کی پرورش کرتے رہے وقت گزرتا رہا حرم میٹرک میں آئی تو ماں کو بستر پر پایا' موذی مرض سے لڑتے لڑتے وہ دنیا چھوڑ گئیں' حرم نے باپ کی خاطر خود کو سنبھالا اور گھر کی ذمہ داری اپنے سر لے لی' پڑھائی کے ساتھ ساتھ وہ گھر کا کام بھی دیکھتی ایک کام وہ کرتی تو دوسرا سعید صاحب کر لیتے' وہ گریجویشن کے فائنل ایئر کے ایگزامز میں اتنی مگن ہوئی کہ باپ کی طبیعت پر توجہ نہ دے سکی' وہ ہر وقت کھانستے اور بے دم سے بستر پر پڑے رہتے' جب پتہ چلا تو دیر ہو چکی تھی ان کے گردے ناکارہ ہو چکے تھے' کوئی ذریعہ آمدنی تھی نہیں' پنشن سے گزر بسر ہوتی حرم نے باپ کے مہنگے علاج کے لیے گھر بیچنے کا ارادہ کیا اور بہت مشکلوں سے انہیں راضی کر کے علاج شروع ہوا' وہ خود سنبھل گئے مگر بیماری اتنی پھیل چکی تھی کہ باوجود بہتر علاج کے وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے' اشفاق صاحب باپ جیسے مہربان و شفیق بڑے بھائی کو اس حال میں تنہا نہیں چھوڑ سکتے تھے اولاد نرینہ بھی نہ تھی وہ انہیں گھر لے آئے' برا تو بہت لگا مگر وہ ان مردوں میں سے تھے جو اپنی منواتے ہیں اور یوں زبیدہ کو مفت کی نوکرانی مل گئی جو بغیر اف کیے دن رات ان کی بجائی ہوئی ڈگڈگی پر ناچتی تھی۔ وہ گہری سانس لیتی اٹھی لائٹ بند

ہو کر بدمعاش بنے گا' علم کھلا ہاتھوں میں پستول تھامے لوگوں کو دہشت زدہ کرے گا' ایسے وارث سے تو بے نسل ہونا ہی بہتر تھا' ساری عزت خاک میں ملا دی' محلے اور خاندان کے ہر شخص کی زبان پر تمہارا ذکر ہے' میں نے جو نیک نامی کمائی تھی تم نے ڈبو دی نا ہنجار"۔ وہ دکھ اور تاسف سے کہتے لاٹھی سنبھالتے چارپائی سے اٹھے اور کمرے میں چلے گئے۔

"بیٹا! کیوں تنگ کرتے ہو بوڑھے باپ کو وہ پہلے ہی بیمار اور چڑچڑے ہو رہے ہیں اوپر سے تم تین دن گھر سے غائب رہے' ہم سب کتنے پریشان ہوتے ہیں' جب تم بغیر بتائے غائب ہو جاتے ہو"۔ روبینہ اس کے لیے تو لیے کر آئی تو سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"اماں! اتنے دن بعد بیٹا گھر آیا ہے اور آپ نے لیکچر دینا شروع کر دیا' پیار تو کر لیں"۔ وہ خود ہی کہہ کر ان کے آگے جھکا۔

"تم بھی ناں اپنے نام کے ایک ہو"۔ وہ مسکرا کر اس کا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر مسکراتے ہوئے بولیں۔

"اچھا اماں! کھانا کھلا دیں' بہت بھوک لگی ہے اور یہ چڑیلیں کہاں ہیں؟ ابھی تک ملی نہیں"۔ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے صحن میں بچھے تخت پر گول تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔

"شرم کرو' بڑی بہنوں کو اس طرح مخاطب نہیں کرتے"۔ وہ تنبیہ کرتیں لائبہ اور فلک کو آواز دینے لگیں۔

آمیں تو وہ ماں کے بلاوے پر تھیں مگر بھائی کو دیکھ کر پاس آتے سلام کیا تھا۔

"ٹھیک ہو تم دونوں؟" وہ محبت سے بولا۔

"جی بھائی"۔ دونوں یک زبان ہو کر بولیں۔

"اور تم دونوں کے منگیتروں کا کیا حال ہے' بات ہوتی ہے یا نہیں؟" وہ بے تکلفی سے بولا یہ اس کی عادت تھی مقابل کی حالت نہیں دیکھتا تھا بس خود کی کہتا' چاہے سامنے والا شرم سے ڈوب مرے' وہ دونوں شرمانے لگیں۔

"شرمانے والی کون سی بات ہے' میں نے موبائل کس لیے دیئے ہیں' بات کرو' ایک دوسرے کو سمجھو' شادی کے بعد مسئلہ نہیں ہوگا' آج کل تو لڑکیاں منگیتروں کے ساتھ ڈیٹ پر جاتی ہیں اور تم لوگ جانے کس زمانے میں جی رہے ہو"۔ اس کی بات پر وہ دونوں خاموشی سے ماں کی سمت دیکھنے لگیں۔

"لائبہ بیٹا! تم جلدی سے بھائی کے لیے روٹیاں ڈال دو اور فلک تم سالن گرم کر کے سلاد اور رائتہ بھی بنا لینا مگر ذرا جلدی"۔ دونوں ماں کی ہدایت پر سر ہلا کر کچن کی سمت گئی تھیں۔

"اماں سویرا اور سونیا کا کیا حال ہے' دونوں خوش تو ہیں سسرال میں؟" روبینہ پاس آ کر بیٹھیں تو اس نے پوچھا تھا۔

"ہاں بہت خوش ہیں' کہہ رہی تھیں شادی کو چھ ماہ بیت گئے مگر سسرالی رشتے دار تعریفیں کرتے نہیں تھکتے کہ بھائی ہو تو اکبر جیسا دو دو بہنوں کی ایک ساتھ شادی کی وہ بھی ایسی شان سے کہ پورا شہر دیکھتا رہ گیا تھا' کسی چیز کی کمی نہ چھوڑی"۔ وہ خوشی سے بتانے لگی تھیں' لائبہ اور فلک نے اس کے سامنے دسترخوان پر کھانا رکھا تھا' وہ بڑا سا نوالہ منہ میں رکھ کر مسکرایا۔

"اب ان دونوں کی باری ہے' اتنے پیار سے میرے لیے کھانا بناتی ہیں' خیال رکھتی ہیں' قسم سے باہر کا کھانا کھاتا ہوں تو وہ مزہ نہیں آتا' جو اس تخت پر بیٹھ کر بہنوں اور ماں کے ہاتھ کا مزے دار کھانا کھا کے آتا ہے ان دونوں کی بھی ایسی شاندار رخصتی کرواؤں گا کہ پورا محلہ اور رشتے دار یاد رکھیں گے"۔ اس کی بات اور شرارتی نظروں پر شرما کر وہ دونوں اندر بھاگ گئی تھیں۔

''اور ہاں میرے بیٹے کے ارد گرد منڈلانے کی ضرورت نہیں جتنا ہو سکے اس کے سامنے نہ آنا''۔ وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولیں۔ آنسوؤں کا گولا حلق میں اٹکا تھا مگر وہ سراثبات میں ہلا کر ضبط کر گئی۔

''سب سمجھتی ہوں اندر سے پوری ہو مگر باہر سے تابعداری کا ڈھونگ رچائے جی حضوری کرتی ہو پوری ماں پر گئی ہو گھنی میسنی کہیں کی''۔ وہ پتھر مارتیں تو اتنا دکھ نہ ہوتا جتنا اس بات کا ہوا تھا اور یہ پہلی بار بھی نہ تھا ماں کا طعنہ تو اسے اکثر و بیشتر سننے کو ملتا۔

''اماں! یہ کیا آپ نے افراتفری مچا رکھی ہے فرحان بھائی آرہے ہیں کوئی لینڈ لارڈ نہیں''۔ سیماب تے حرم کو ہدایت دیتے کر جاتی زبیدہ کو اکتا کر دیکھا ہر بار یہی کچھ ہوتا آخر کو وہ اسی گھر اسی محلے میں پل کر جوان ہوا تھا پھر بھی وہ چاہتیں کہ پورے محلے اور گھر کا نقشہ بدل لیں اپنے خوبرو بیٹے کے لئے۔

''مہارانی تم سے تو کام نہیں کروا رہی اپنے ماتھے کے بل درست کرو تم کیا جانو گھر سے میلوں دور بیٹھ کر پردیس میں کمانا کیا ہوتا ہے بس گھر بیٹھے فرمائشیں کرتی جاؤ اور وہ بیچارہ پورا کرتا جائے بھائی اتنے دن بعد آرہا ہے اور بجائے خوش ہونے کے تمہیں نخرے سوجھ رہے ہیں توبہ پہلی بار ایسی خود غرض بہنیں دیکھی ہیں''۔ انہوں نے لتاڑ کر رکھ دیا۔

''ہم بھی تو آپ کی اولادیں ہیں کبھی ہمارے لئے تو اتنا اہتمام نہیں کیا سارے لاڈ فرحان بھائی کے لئے''۔ وہ منہ بنا کر بولی۔

''زیادہ باتیں بگھارنے کی ضرورت نہیں تمہارا اور فرحان کا کیا مقابلہ؟ جا سعدیہ کو اٹھاؤ جواب تک پلنگ توڑ رہی ہے جانے کب سدھریں گی تم دونوں دس بج رہے ہیں ابھی ان کی نیندیں پوری نہیں ہو رہیں''۔ وہ ناگواری سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھیں۔

''تم کیا یہاں کھڑی ہماری باتیں سن رہی ہو جاؤ''۔ وہ بدلحاظی سے صحن میں ٹانگے کو صفائی کرتی حرم کو باتیں سنا گئی وہ بیچاری جھاڑن ہاتھ میں لئے دروازے سے نکل گئی۔

☆☆☆

فرحان کے کمرے کی صفائی میں وہ ہلکان ہو گئی تھی زبیدہ نے اس کے سر پر کھڑے ہو کر ہدایات دیتے دیتے اسے گھن چکر بنا ڈالا تھا وہ جیسے ہی کمرے سے نکلیں حرم نے سکھ کا سانس لیا اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ سائیڈ ٹیبل پر فرحان کی مسکراتی تصویر رکھی تھی حرم دوپٹہ کھینچ کر تی چونک گئی گویا فرحان حقیقت میں سامنے موجود ہو اور اسے دیکھ رہا ہو۔ پورے گھر میں چچا اشفاق کے بعد فرحان ہی وہ واحد ہستی تھا جو اسے عزت دیتا وہ ہر کسی کے لئے ٹھنڈا میٹھا چشمہ تھا سب کے دل اسے دعا دیتے بعض لوگ قدرتی طور پر ہر دل عزیز ہوتے ہیں انہیں اللہ نے خاص مٹی سے تخلیق کیا ہوتا ہے ہر کوئی ان کی شخصیت کی طرف کھنچتا ہے فرحان انہی خوش نصیب لوگوں میں سے تھا اپنے پرائے اس کی سادہ طبیعت سے متاثر ہوتے تھے۔

''کاش سب آپ کی طرح ہوتے کتنے اچھے انسان ہیں آپ''۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''السلام علیکم خالہ! کیا حال ہے؟ سنا ہے فرحان آرہا ہے باہر سے''۔ ایک اجنبی مرد کی آواز سن کر وہ ڈر گئی تھی۔

''یہ کون ہے؟''

''ارے او یہ کیا بغیر دستک کے گھسے چلے آرہے ہو کتنی بار کہا ہے اطلاع دے کر آیا کرو جوان جہان لڑکیاں رہتی ہیں اس گھر میں''۔ زبیدہ ناگواری سے چٹک کر بولیں۔

کرتی اپنے بستر پر لیٹ گئی تھکن سے چور بدن کو آرام ملا تو آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں تکلیف دہ دن کے اختتام پر رات کے یہ کچھ لمحے اس کی مرضی کے ہوتے جن میں وہ خواب بنتی کسی مہرباں شہزادے کو سوچتی جو اسے ان دکھوں سے آزاد کروا کے ساتھ لے جاتا اور وہ ہنسی خوشی اس کے ساتھ محبت کے جہاں میں رہتی' خواب دیکھتی آنکھیں مہربان شہزادے کا انتظار کرتے کرتے بند ہو گئی تھیں۔

☆☆☆☆

تمہارے نام کے حرفوں سے بہتر' حرف ابجد میں نہیں ہیں
نجانے کب سے یہ موسم
ستاروں کی طرح دھرتی کے سینے پر فروزاں ہیں
مگر ان کی نگاہوں نے
تمہارے وصل کے لمحوں سے بہتر وقت دیکھا ہے نہ سوچا ہے
ہوا نے منظروں پر آج تک جو کچھ بھی لکھا ہے
تمہارے نام لکھا ہے
خط میں ٹوٹتے تارے
تمہارے نام سے گزریں تو رکنے کو مچلتے ہیں
فلک کو چھوتے جذبے
تمہاری آنکھ سے اتریں تو پاتالوں میں گرتے ہیں
تمہارے "خواب" سے روشن ستارے
وقت کے دریا پے حد میں نہیں ہیں
تمہارے نام کے حرفوں سے بہتر حرف ابجد میں نہیں ہیں!!

فرحان اشتفاق کھڑکی میں کھڑا پر رونق دبئی کے نظاروں کو دیکھ رہا تھا مگر اس کی سوچ پاکستان میں موجود اک حسین صورت تھی۔

"گھر فون کرتا ہوں' شاید وہ اٹھالے اور میں اس کی نرم میٹھی مہرباں آواز سن سکوں"۔ اس نے سیل فون میں گھر کا نمبر نکالا اور ڈائل کرنے سے پہلے ہی بند کر دیا۔

"وہاں تو سب سو رہے ہوں گے' اور پھر کون سا اگر میں فون کرتا تو وہ منتظر ہوتی اور جھٹ سے ہیلو کہہ دیتی"۔

اک زخمی سی مسکراہٹ اس کے حسین چہرے پر موجود لبوں کی تراش میں پھیل کر معدوم ہوئی۔

"صبح گھر فون کر کے سب کو خوشخبری سنا دوں گا' کاش میں اس کا چہرہ دیکھ سکتا یہ خبر سن کر اس کے کیا تاثرات ہوتے؟" وہ کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ پر آ کر لیٹا اور ہمیشہ کی طرح اس حسین چہرے کو سوچتا آنکھیں بند کر گیا تھا۔

☆☆☆☆

"گھر کا کونا کونا چپہ چپہ چمکا دو میرا شہزادہ آ رہا ہے' کسی چیز کی کسر باقی نہ رہے' اکیڈمی سے دو دن کی چھٹی لے لو آج پورا گھر صاف ہونا چاہیے' کل سارا کھانا اس کی پسند کا بنا لینا' یاد رہے مجھے کسی قسم کی شکایت نہ ہو' چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گی"۔ وہ بخوشی اسے ہدایات دیتیں آخر میں غصے سے بولیں۔

"جی چچی!" وہ تو سدا سے حکم کی غلام تھی' جھٹ سر ہلا کر آہستگی سے بولی۔

کہ دل دھک سے رہ گیا' کیونکہ اکبر کی نگاہیں کھلی سلاخوں والی کھڑکی میں نظر آتے منظر سے الجھ گئی تھیں۔

زرد اور فیروزی بڑے بڑے پھولوں والے لباس میں ملبوس اس کا نازک سراپا توجہ کھینچنے کے قابل تھا گو کہ اکبر کو صرف اس کی پیٹھ دکھائی دے رہی تھی اور جھاڑن پارتا دودھیا نازک ہاتھ جب وہ ایڑھیاں اونچی کر کے اوپر لگی تصویر پر مارتی تو دوپٹہ میں سے جھانکتی سیاہ بالوں کی گھنی چوٹی کمر پر لہرا جاتی' اکبر بے خود سا ہو گیا تھا۔

''یہ...... یہ کون ہے؟'' اس نے کھلی کھڑکی کی سمت اشارہ کرے بغیر نگاہیں ہٹائے سیماب سے کہا جو اس کے بائیں طرف کھڑی تھی' اس سے پہلے کہ سیماب جواب دیتی زبیدہ جھٹ سے بول پڑیں۔

''نوکرانی ہے' بیچاری بیوہ ہے''۔ ان کا لہجہ واضح کا بنا تھا جانے اکبر نے یقین کیا یا نہیں مگر اک گہری نگاہ سامنے ڈال کر بیرونی دروازے کی سمت لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔

''اللہ تیرا شکر...... یہ جھگڑالو فسادی چلا گیا' میرا تو سارا خون خشک ہو گیا تھا''۔ وہ دھپ سے صوفے پر گر پڑیں۔

''اماں آپ تو بس ایسے ہی اکبر بھائی کے پیچھے پڑ گئی ہیں حالانکہ وہ اتنے اچھے ہیں''۔ سیماب نے اس کی حمایت کی تھی۔

''اکبر کی کچھ لگتی' زیادہ حمایت مت کرو' ہر کسی سے باتیں بگھارنے لگ جاتی ہو تم دونوں اپنے پرائے کا بھی لحاظ کر لیا کرو' اکبر جیسا بندہ میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا میں اس سے حرم کو بچانا چاہتی ہوں پوری آفت ہے یہ لڑکی اس کے پیچھے اپنے بیٹوں کو نہیں کھو سکتی' اکبر جیسے شخص سے دشمنی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے برابر ہے۔ تمہیں کچھ عقل کے ناخن لو' جانے کب تم دونوں کو عقل آئے گی' انہوں نے ماتھا پیٹا۔ حرم یہ سب سن کر آنگن میں کھڑی کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

''اللہ مجھے اس شخص کے شر سے بچانا' سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں' مگر اپنی عزت پر حرف برداشت نہیں کر سکتی''۔

☆☆☆☆

''اماں! ہم بھائی کی شادی کب کریں گے' ہمارے ہاں بھی ایک پیاری سی بھابھی آنی چاہئے''۔ فلک نے ہاتھ سے فریم رکھ کر ماں سے اچانک فرمائش کی تھی' روبینہ اور رلائبہ نے سوئی دھاگہ چھوڑ کر تعجب سے اسے دیکھا کہ اسے اچانک بھائی کی شادی کا ارمان کیوں جاگ گیا۔

''ہاں دل تو میرا بھی کرتا ہے' ہماری بھی بھابی ہو' گھر میں چلے پھرے' کتنا اچھا لگے گا''۔ کم گو سی لائبہ نے جہیز کے لئے کڑھائی کرتے تکیے کور کو رکھ کر کہا۔

''یہ سب مجھ سے نہیں اپنے اس سر پھرے بھائی سے کہو' میرا تو خود برسوں کا ارمان ہے پیاری سی بہو لاؤں یہ مانے تب ناں''۔ روبینہ کو تو بہانہ چاہئے تھا اکبر کو سنانے کو اونچی آواز سے شکوہ کرتے بولیں۔

اکبر صحن کے اختتام پر لگے بیسن کے سامنے کھڑا شیشے میں دیکھتا شیو بنا رہا تھا بخوبی ان کی گفتگو بھی سن رہا تھا' روبینہ کی بات پر مسکرایا مگر خاموش رہا۔

''اماں! مجھے حرم بہت پسند ہے اگر وہ اکبر بھائی کی دلہن بنے تو بہت خوبصورت جوڑی ہو گی' وہ بہت خوبصورت ہے''۔ فلک نے اصل بات بتا دی جس کے لئے یہ ذکر چھیڑا تھا' اکبر کے کان حرم نام سن کر کھڑے ہو گئے وہ چونک کر مڑا۔

''وہ اشفاق صاحب کی بھتیجی؟'' روبینہ آہستگی سے بولیں۔

''جی''۔ فلک نے جلدی سے سر اثبات میں ہلایا وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"رہنے دیں خالہ! یہ ڈرانے کی کتنی بار کہا ہے مجھے ان چڑیلوں سے کوئی سروکار نہیں' میرے سامنے کھیلیں ہیں اس محلے میں' یہاں کی ایک ایک گھر کی خبر رکھتا ہوں' یہیں پیدا ہوا ہوں کوئی نیا نہیں آیا' کوئی حور پریاں نہیں جنہیں مجھ سے چھپائیں آپ' فرحان کے ساتھ پڑھا ہوں' دوستی رہی ہے اسی لیے خبر لینے آگیا آپ تو گھر آئے مہمان کی عزت بھی نہیں جانتیں"۔ وہ کون سا شرمندہ ہونے والا تھا جھٹ سے کرارہ جواب دے ڈالا۔

"توبہ ہے اکبر! اپنے نام کے ایک ہو' میں نے اک بات کہہ دی اور تم نے تقریر ہی کر ڈالی"۔ زبیدہ خجل ہو کر بغلیں جھانکنے لگیں۔

حرم جو کب سے سوچ رہی تھی یہ کون ہو سکتا ہے جو زبیدہ کو زچ کیے دے رہا تھا اکبر نام سن کر اپنی جگہ سے اچھلی تھی جتنی خبریں اس نے اکبر جنگجو کے بارے میں سن رکھی تھیں وہی دہشت زدہ کرنے کو کافی تھیں اور اب اس کی تیز دبنگ اور دوٹوک آواز سن کر رہی سہی ہمت بھی دم توڑ رہی تھی وہ یوں سانس روکے بیٹھی تھی گویا اکبر اندر ہی تو آجائے گا۔

"خالہ! یہ چڑیلیں ہیں کہاں ابھی تک چائے پانی کا پوچھنے نہیں آئیں' بہت بے مروت میزبان ہیں ویسے آپ لوگ"۔ وہ بے تکلفی سے صوفے پر بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھتے بولا۔ زبیدہ کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ کہیں وہ میسنی نہ نکل آئے یہ تو منٹوں میں اس کی بھولی صورت پر عاشق ہو جائے گا' پھر اس جنگجو سے کون نمٹے گا' اس کے تو باپ سے نہیں نمٹ سکتا ہم کہاں پلو بچاتے پھریں گے' اللہ تو میری لاج رکھ' اس جیسے جھگڑالو فسادی کے شر سے بچا میرے دوہی تو بچے ہیں' اس سے دشمنی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

"اللہ اکبر بھائی کیسے ہیں آپ؟ اتنے عرصے کہاں غائب رہے؟" سعدیہ اور سیماب اس کی آواز سن کر ایک ساتھ کمرے سے نکلی تھیں زبیدہ انہیں دوپٹہ سر پر اوڑھنے کو اشارہ کر کے گھورنے لگیں مگر وہ بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ تھیں نظریں چرا گئیں۔

"کچھ پھڈے ہو گئے تھے جیل ہو گئی تھی' وہاں سے فرار ہوا تو جعلی مقابلہ کروانا پڑا' گولیاں لگ گئی تھیں' کچھ عرصہ روپوش ہونا پڑا' میری چھوڑو تم لوگ بتاؤ کیسی ہو اور ابھی تک کہاں تھیں تم دونوں کچھ دیر مزید اگر نہ آتیں تم دونوں تو میں یہی سمجھتا کہ خالہ نے تمہیں شرعی پردہ شروع کروا رکھا ہے ہاہاہا"۔ وہ ماتھے پر بل ڈالے بیٹھی زبیدہ کو دیکھ کر مذاق اڑاتے ہوئے زور سے ہنسا۔

"اماں تو بس ویسے ہی ہم تو آپ کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں"۔ وہ دونوں شرمندہ شرمندہ سی مسکرائیں۔

"حالانکہ میں بھی تم دونوں کو اپنی بہنیں ہی سمجھتا ہوں کچھ اور سمجھنے کا ارادہ نہیں مگر یہ بات خالہ کو کون سمجھائے"۔ اس کی بات اور بے باک انداز پر زبیدہ کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا' سعدیہ' سیماب نے کچھ خاص نوٹس نہیں لیا البتہ اندر بیٹھی حرم کے کان سے دھواں نکل گیا تھا۔

"اللہ یہ کیسا شخص ہے' چچی بھی اسے کچھ نہیں کہہ رہیں کتنا بے شرم انسان ہے"۔ اس نے ٹائم دیکھا گیارہ بج رہے تھے اسے فرحان کے کمرے کی صفائی مکمل کر کے کھانا بھی بنانا تھا' جھاڑن اٹھا کر وہ دیوار پر لگی پینٹنگز اور تصویریں صاف کرنے لگی۔

"خالہ! میں چلتا ہوں' اک ضروری کام سے جانا ہے' آپ کا تو موڈ نہیں لگ رہا چائے پلانے کا' فرحان آئے تو سلام کہنا' چلتا ہوں خدا حافظ"۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں کہتا ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کرتا اٹھا اور جانے کے لیے قدم بڑھائے ہی تھے کہ ٹھٹک کر رک گیا۔ زبیدہ جو اس کے اٹھنے پر شکر کا سانس بھی پورا نہ لے پائی تھیں

ٹوپی اتار کر زبیدہ سے مخاطب ہوئے۔ ان کے تو سر پر آگ کا گولا بن گیا۔ فرحان کے تو دل کی بات کہہ دی تھی باپ نے وہ شوق سے ماں کو دیکھنے لگا۔

"مہارانی باپ کے ساتھ چپکی بیٹھی ہوگی' ہماری کیا مجال جو اسے کچھ کہہ سکیں' ذرا سا کچھ کہو تو جھٹ سے ٹسوے بہانے لگتی ہے' ہر حال میں بری میں ہی بن جاتی ہوں"۔ وہ ناگواری سے بولیں۔ فرحان کا چہرہ اور چمکتی آنکھیں بجھ سی گئیں۔ اشفاق صاحب اس کھلی غلط بیانی پر افسوس سے سر ہلاتے رہ گئے مگر بیٹے کے خیال سے چپ رہے' وہ کچھ دنوں کے لیے ہی آیا تھا' وہ کوئی بدمزگی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

حرم کی کئی گھنٹوں کی محنت سے بنائے گئے فرمائشی کھانوں کو زبیدہ نے بغیر شرم و جھجک کے بیٹیوں کے نام کر کے فرحان سے تعریفیں بٹوریں' اور وہ دونوں اتراتی رہیں کہ ہمیں بھائی کا کتنا خیال ہے اس کے لیے اتنی گرمی میں چولہے کے سامنے کھڑے ہو کر اتنی ڈشز بنائی تھیں۔ کھانے کے بعد زبیدہ نے بیٹیوں سے چائے بنانے کو کہا تو اس نے منع کر دیا۔

"امی میں ذرا چچا سے مل لوں' کیا سوچیں گے' مجھے آئے دو گھنٹے ہو چکے ہیں اور میں ان سے ابھی تک ملا نہیں" فرحان نے تخت سے پاؤں نیچے لٹکا کر بھائی کو اک ہاتھ سے بھینچ کر خود سے لگایا' وہ فرحان سے چپکا بیٹھا تھا' بڑے بھائی کی شاندار و مضبوط خوشبوؤں میں رچی شخصیت سے اسے عجب طرح کا سکون مل رہا تھا اسکول کے دوستوں کو وہ کس کس طرح فرحان بھائی کے قصیدے سنا کر متاثر کرتا تھا' اس کے مضبوط بازو' چوڑا سینہ اور محبت بھرا لہجہ' بہن بھائیوں کے لیے سائبان تھا' اک باپ کی طرح پر شفقت ان کی ہر خواہش کو پورا کرنے والا احساس کرنے والا بڑا بھائی۔

"مل لینا اتنی جلدی بھی کیا ہے ابھی تو شاید سو رہے ہوں اکثر دوا کھا کر سوئے رہتے ہیں بھائی صاحب"۔ زبیدہ نے رکاوٹ ڈالنا چاہی ان کا بس چلتا تو دونوں باپ بیٹی کو غائب کرا دیتیں' اشفاق صاحب نے چشمے کی اوٹ سے زبیدہ کو گھورا مگر پرواہ کسے تھی نظریں چرا گئیں۔

"نہیں اماں! برا لگتا ہے وہ بیمار ہیں' خاندان کے بزرگ ہیں' اصولاً پہلے مجھے ان سے ملنا چاہیے تھا کیا سوچیں گے"۔ وہ چیل پہن کر بھائی کا شانہ تھپکتے ہوئے مسکرا کر بولا اور کھڑا ہو گیا۔ زبیدہ کو اپنے فرمانبردار بیٹے کی یہ حکم عدولی بہت کھلی تھی مگر اشفاق صاحب بیٹے کی اچھی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے۔

"آخر ہے نا میرا بیٹا"۔ وہ کونے والے کمرے کی طرف آیا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سعید صاحب سوئے ہوئے تھے یا شاید ایسے ہی آنکھیں بند کیے پڑے تھے دوسرے پلنگ پر حرم بغیر دوپٹے کے ڈارک گرین کلر کے عام سے سوٹ میں ملبوس کسی فائل پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی لمبی گھنی چوٹی جھکنے کی وجہ سے دائیں ہاتھ کی طرف آ کر پلنگ پر دراز تھی اور دایاں ہی رخ مکمل فرحان کی نظروں میں تھا۔ اسے یہ تو پتہ تھا کہ وہ اس کے لیے خاص ہے مگر دل کے اتنے قریب ہو گی آج پتہ چلا تھا' وہ جیسے آبلہ پا جھلستے صحرا سے ٹھنڈے میٹھے مرغزاروں میں نکل آیا تھا' محبت کی ٹھنڈک بخشتی بارش تھی جو اسے سر تا پیر بگھو رہی تھی وہ اطمینان سے کھڑا اس بارش میں پور پور بھیگ رہا تھا۔ وہ تاعمر ہوش بھلائے محبت کی اس بارش میں بھیگتا رہتا اگر جو حرم کی بے ارادہ نگاہ دروازے کی طرف نہ پڑتی' وہ چونکی اور پھر خائف ہو کر تکیے پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر سر پر اوڑھا اور تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی۔

"السلام علیکم"۔ اس نے نگاہیں جھکائے آہستگی سے سلام کیا تھا فرحان بھی سنبھل کر جواب دیتا آہستگی سے آگے بڑھا۔

”کہہ تو ٹھیک رہی ہے بہت پیاری کم گو سی معصوم بچی ہے گویا منہ میں زبان نہیں سارا دن کولہو کے بیل کی طرح کام میں جتی رہتی ہے“۔
”حرم کون ہے؟“ اکبر اب تک اسی نام میں الجھا تھا۔ روبینہ نے چونک کر بیٹے کی دلچسپی کو دیکھا تھا۔ فلک نے لب کھولے ہی تھے کہ اکبر کا فون بجنے لگا اس نے نمبر دیکھ کر بے تابی سے موبائل کان سے لگایا تھا۔
”بول کیا ہوا؟“ آگے سے جانے کیا جواب دیا گیا تھا وہ تیزی سے بولا تھا۔
”ٹھیک ہے میں ابھی پہنچتا ہوں“۔ اس نے تولیہ سے چہرہ صاف کیا اور کمرے کی طرف بڑھا تھا۔
”الٰہی خیر“۔ روبینہ اس کے پیچھے گئیں وہ سفری بیگ نکال کر اس میں کپڑے اور دیگر اشیاء تیزی سے ڈالتا جا رہا تھا۔
”کہاں جا رہے ہو خیریت تو ہے؟“ ان کا دل دھڑک رہا تھا اسی طرح وہ آتا اور افراتفری میں چلا جاتا کئی دن کئی ہفتے کئی مہینے لگ جاتے اس کا حسین چہرہ دیکھنے کو وہ بولائی بولائی پھرتی تھیں۔
”ضروری کام سے فیصل آباد جانا پڑ رہا ہے جلد آ جاؤں گا“۔ وہ بیگ کی زپ بند کر کے قمیص پہنتا بولا۔ وہ رونے لگیں اکبر جو چپل پہن رہا تھا جھنجھلا کر ان کے پاس آیا۔
”او ہو اماں! میں پہلی بار تھوڑی جا رہا ہوں آپ رو کیوں رہی ہیں میں مرنے تو نہیں جا رہا اور نہ ہی میرا جنازہ آنے کا خدشہ ہے پھر کیوں رو رہی ہیں“۔ وہ بیڈ پر بیٹھی ماں کے سامنے جھک کر ان کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔
”اللہ نہ کرے“۔ انہوں نے دل پر ہاتھ رکھا۔
”کیسی باتیں کرتے ہو ماں کا دل تو پہلے ہی کانپ رہا ہے چھوڑ دو اکبر کوئی اچھی سی نوکری ڈھونڈ لو مگر یہ کام چھوڑ دو جس میں نہ آنے کا پتہ ہے نہ جانے کی خبر ہر وقت جان کے لالے پڑے ہوں لات مار دو ایسی نوکری پر رحم کرو مجھ پر تم میرے اکلوتے بیٹے ہو“۔ وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔
”موت کا اک وقت مقرر ہے گھر ہو یا گھر سے باہر جب آنی ہو تو بغیر دیکھے آ جاتی ہے آپ تو خواہ مخواہ فکر کرتی ہیں پھر میں کوئی انوکھا تو نہیں ہزاروں لوگ یہ کام کر رہے ہیں“۔ وہ ان کے سر کو تھپکی دے کر دلاسہ دیتا مڑا اور بیگ کندھے پر ڈال کر دروازے تک گیا۔
”تم انوکھے ہو کیونکہ تم میری واحد نرینہ اولاد ہو میرے جگر کے ٹکڑے ہو میرے اکبر“۔ وہ بے قراری سے اس کے پاس آ کر اس کا سر چومتی روتے ہوئے بولیں۔
”اکبر کی ماں ہیں تو پھر اکبر جنگجو کی ماں بن کر دکھائیں بہادر بنیں اور آنسو پونچھ لیں واپس آ کر سر پر سہرا بھی باندھنا ہے آپ کو“۔ اس نے ماں کو بہلانا چاہا تھا وہ واقعی اس کی بات پر کھل اٹھیں۔
”تم...... تم سچ کہہ رہے ہو؟ یعنی تم شادی کے لئے راضی ہو“۔
”ہاں اماں! تیاری شروع کر لو بہت جلد آپ کی بہو کو تلاش کر کے دلہن بنا کر لے آؤں گا“۔ اک خوبصورت سراپا اس کی نظروں میں لہرا کر خوش کن تاثر چھوڑ گیا۔ وقتی طور پر وہ ماں کو بہلانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆

فرحان کیا آیا گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی سب اس سے مل کر گھیرے بیٹھے تھے مگر جس کو اس کی نظریں کھوج رہی تھیں وہ حسین چہرہ کہیں نہ تھا آخر اشفاق صاحب کو خیال آ ہی گیا۔
”یہ حرم بیٹی کہاں ہے بھئی اسے کہو اپنے ہاتھ کا مزے دار کھانا کھلائے ہمیں بہت بھوک لگی ہے“۔ وہ سر سے

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم ُالحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،
جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

"کیسے کہہ دوں؟ میری خوشی حرم کی خوشیوں سے مشروط ہے۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر ان کے کمزور ہاتھ پر اپنا مضبوط بھاری ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی۔

☆☆☆☆

رات کھانے کے بعد فرحان کے گرد گھیرا ڈال دیا گیا تھا تحائف وغیرہ تو اس نے سب کو دے دیئے تھے مگر اک خاص گفٹ تھا جو وہ بہنوں کے لئے لے کر آیا تھا زبیدہ سعدیہ اور سیماب بخوبی سمجھ چکی تھیں کہ وہ خاص شے سونے کی ہی کوئی چیز ہوگی ان کے خیالات کی تصدیق فرحان کے ہاتھ میں موجود خوبصورت ڈبوں نے کردی تھی مگر زبیدہ کی سوچ اس بات پر اٹکی ہوئی تھی کہ وہ دو کے بجائے تین ڈبے تھے۔

"وہ سیماب..... گڑیا ذرا حرم کو تو لے کر آؤ۔" فرحان نے اچانک سیماب کو مخاطب کیا تھا۔ سعدیہ اور زبیدہ کو بہت کھٹکا تھا اس وقت اس کا بے محل ذکر جبکہ لاابالی سی سیماب کھی کی خوشی میں فوراً تابعداری سے سر ہلاتی کچن میں گئی تھی۔

"حرم....." وہ جو برتنوں کا ڈھیر آدھا دھو چکی تھی پیچھے مڑی۔

"ہاں سیماب! کچھ چاہیئے تھا؟" دھلے دودھیا ہاتھ دوپٹے سے پونچھتی وہ سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں..... فرحان بھائی تمہیں بلا رہے ہیں۔" وہ پیغام دے کر چلی گئی۔ حرم کا ماتھا عرق آلود ہو گیا۔

"فرحان بھائی نے مجھے سب کے سامنے بلایا ہے اللہ خیر کرے کہیں چچی نے شکایت تو نہیں لگادی" وہ دوپٹہ درست کرتی خوفزدہ سی لاؤنج میں آئی۔

"بیٹھو" فرحان کو اسی کا تو انتظار تھا۔

"نہیں..... میں ایسے ٹھیک ہوں" وہ نگاہیں جھکا کر آہستگی سے بولی۔

"ہاں بھئی بیچاری پر کام کا بوجھ ہی اتنا ڈالا ہے مجھ ظالم نے دو گھڑی بیٹھنے کی بھی فرصت نہیں غریب کو"۔ زبیدہ نے طنز کیا تھا حرم تو پہلے ہی خوفزدہ تھی مزید کسر چچی کے جلے کٹے رویئے نے پوری کردی۔

"فرحان بھائی! آپ کو کچھ کام تھا؟" وہ سر جھکا کر مجرموں کی طرح بولی فرحان کا دل ماں کے رویئے پر دکھی ہو گیا۔

"اماں! یہ سونے کی چین بہت خوبصورت تھی سوچا سعدیہ اور سیماب کے لئے لے لوں ایک حرم کے لئے بھی لے لی سعدیہ اور سیماب کے پاس بہت سی جیولری ہے مگر حرم کے پاس میں نے کبھی نہیں دیکھی چچا بھی خوش ہو جائیں گے"۔ اس نے تینوں ڈبے ماں کو پکڑاتے ہوئے وضاحت کی تھی۔ بیٹے کا آس بھرا لہجہ اور التجائیہ نظریں دیکھ کر زبیدہ کے دل کو کچھ ہوا۔

"تو کیا یہ حرم سے اتنی محبت کرتا ہے؟" انہیں جو شک تھا اس وقت یقین میں بدل گیا کیا ہوا جو بعض لوگ اظہار کے قائل نہیں ہوتے مگر ان کی آنکھیں سب کچھ کہہ دیتی ہیں اور وہ تو پھر ماں تھیں زبیدہ نے عام سے سوٹ میں چمکتی دمکتی سفید دسرخ رنگت والی حسین سی حرم کو دیکھا جو سر جھکائے مودب سی کھڑی تھی۔ فرمانبردار بیٹے سے محبت کا اثر تھا کہ وہ اس پل نرم پڑ گئیں۔

"لو..... اور ہاں سنبھالنے کے لئے نہیں دے رہی تحفے استعمال کرنے کے لئے ہوتے ہیں پہن لینا"۔

حرم نے حیرانگی سے سر اٹھا کر چچی کو اور پھر ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا۔

"لو..... ایسے کیا دیکھ رہی ہو"۔ ان کا جلال پھر عود کر آیا گھور کر بولیں۔

''کیسی ہیں حرم؟'' وہ اس سے ذرا فاصلے پہ رک کر ٹھہر گیا۔ حرم دونوں پلنگ کے درمیان کھڑی تھی وہ بھی پائنتی کی طرف راستہ روکے درمیان میں دیوار کی طرح کھڑا تھا۔

''ٹھیک ہوں' آپ کیسے ہیں؟'' وہ انگلیاں مروڑتی ذرا سا رخ موڑ کر بولی' یہ تو وہ جانتا تھا کہ وہ شرمیلی ہے مگر وہ مرد ہو کر بھی اس کی سمت دیکھنے سے گریز کر رہا تھا' اس درمیان ذرا سی اچٹتی نگاہ مقابل پر ڈال دیتا۔

''بس..... ٹھیک ہوں''۔ وہ یہ نہ کہہ سکا کہ دو ہفتوں کی مختصر چھٹی وہ وہاں بھی گزار سکتا تھا مگر حرم کو دیکھنے کی خاطر چلا آیا تھا۔

''میرا بیٹا آیا ہے' تم آ گئے بیٹے''۔ وہ خوشی سے بے قابو لہجے میں اٹھنے کی کوشش کرتے ہانپتے ہوئے بولے۔

''السلام علیکم تایا جان! کیسے ہیں؟ میں نے آپ کو بے آرام کر دیا' معاف کیجئے گا''۔ وہ آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیتے بٹھا کر بولا۔

''میرے پاس قریب آ کر بیٹھو' جی بھر کے دیکھ لوں بے آرام ہونے کی تو تم نے خوب کہی' بیٹا یہ تو دواؤں کا نشہ ہے' پل دو پل کو اونگھ آ جاتی ہے' اب نیندیں کہاں''۔ فرحان ان کے پاس بیٹھا تو انہوں نے اس کا ہاتھ محبت سے تھام لیا۔

''آپ اپنا علاج تو کروا رہے ہیں ناں تایا جان؟'' وہ فکر مندی سے بولا۔ سعید صاحب بھتیجے کی محبت اور پریشانی پر مسکرا دیئے۔

''وقت رخصت آ گیا' یہ بیماریاں تو اک بہانہ ہیں''۔ ان کی بات پر حرم تڑپ گئی جبکہ فرحان نے بھی تایا کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر لبوں سے لگا لیا۔

''پلیز تایا جان! ایسی باتیں مت کریں خدا آپ کو سلامت رکھے''۔ اس نے تسلی دی تھی۔

''جلد یا دیر' سب کا یہی راستہ ہے' چاہے کوئی لاکھ انکار کرے' ایڑیاں رگڑے۔ بس اب تو یہی آرزو ہے حرم عزت سے اپنے گھر کی ہو جائے' اس کے فرض سے سبکدوش ہو کر سکون سے مر سکوں گا''۔ وہ کھانستے ہوئے نقاہت سے بولے۔ ان کی تربیت جس طرح کے ماحول میں ہوئی تھی مارے لاج کے وہ دونوں جواب میں کچھ نہ کہہ سکے۔

''کاش..... میں ان کو کہہ سکتا کہ حرم کو میرے حوالے کر دیں' دنیا جہاں کی خوشیاں اس کے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا' صرف اک بار کہہ دیں حرم میری ہوئی' اس کی اداس آنکھوں کو محبت کی بے لوث چمک سے بھر دوں گا' کاش کہ میں کہہ سکتا''۔ فرحان نے سوچتے ہوئے کچھ پل کو نگاہیں اٹھا کر سامنے بیٹھی گم سم شرمیلی سی حسین سوگوار حسن کی مالک حرم کو دیکھا تھا۔

''فرحان میرے بیٹے تم بھی کیا سوچ رہے ہو گے کہ اتنے عرصے بعد کچھ دنوں کے لئے گھر آیا ہوں اور تایا نے ایسی باتیں کر کے اداس کر دیا' معاف کرنا بیٹے یہ عمر ہی ایسی ہے' کچھ پتہ نہیں چلتا کب منہ سے کیا نکل گیا''۔ وہ کچھ پشیماں ہوئے۔

''نہیں تایا! آپ میرے لئے بالکل باپ کی طرح قابل محترم ہیں جب جو کچھ کہنا ہو شیئر کر سکتے ہیں' بھتیجا سمجھ کر نہیں اپنا بیٹا سمجھ کر' میں ہر وقت حاضر ہوں''۔ وہ تابعداری سے بولا۔

''یہ تو تمہاری سعادت مندی ہے وگرنہ آج کل کے بچوں کی ایسی سوچیں نہیں ہوتیں' خدا تمہیں خوش رکھے کامیاب رہو''۔ وہ خوش ہو کر اس کے چوڑے شانے پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دعائیں دینے لگے۔

''آؤ فرحان بیٹے! وہاں کیوں کھڑے ہو''۔ زبیدہ نے فرحان کو آواز دے کر پاس بلایا تو وہ ماں کے پاس آ بیٹھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' زبیدہ نے سر جھکائے چپ سے بیٹھے فرحان کو مخاطب کیا۔

''کتنا اچھا وقت ہے' اپنا ملک' اپنا گھر اور اپنوں میں بیٹھ کر اتنا خوبصورت وقت گزارنا''۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر سیڑھیاں اترتی حرم کو دیکھا جو ڈھیر سارے دھلے کپڑے دونوں ہاتھوں میں سمیٹے بارش میں بھیگ چکی تھی۔

''ہاں میرے بیٹے' جتنی چھٹی ملی ہے مزے کرو''۔ زبیدہ اپنی ہی دھن میں مگن بولیں۔

''ایک ہفتہ تو پلک جھپکتے گزر گیا' دوسرا بھی یونہی گزر جائے گا''۔ جانے آج اسے کیا ہو گیا تھا ورنہ وہ یوں دل کی باتیں کہنے والوں میں سے نہیں تھا۔ شاید محبت یونہی انسان کو بدل دیتی ہے' بہنوں نے حیرت سے مڑ کر بھائی کی اداسی محسوس کی تھی وہ اسے پیسے بنانے کی مشین سمجھتے تھے' جس کے سینے میں دل نہیں تھا۔

''ماں صدقے''۔ انہوں نے آبدیدہ ہو کر فرحان کے سر پر بوسہ دیا۔

''میں تو کب سے کہہ رہی ہوں بیٹا! چھوڑ دو پردیس کا رہنا' یہاں کوئی اچھی سی نوکری کر کے ہمارے پاس رہو' کم میں بھی گزارا کر لوں گی''۔

''نہیں امی! میں اپنے بہن بھائی اور آپ لوگوں کے لئے بہت سا کمانا چاہتا ہوں' کبھی آپ لوگوں کو کسی شے کی کمی نہ ہو' ہر آسائش اور سہولت آپ لوگوں کو دینا چاہتا ہوں' بہنوں کی شادی علی کی اعلیٰ تعلیم یہاں بیٹھ کر کمانے سے میرے یہ خواب پورے نہیں ہوں گے''۔ اس نے ماں کے ہاتھ تھام کر چومے۔

''مگر تم نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ اب مجھے چین نہیں آئے گا' رہ رہ کر تمہارا حسرت بھرا لہجہ مجھے بے قرار کیے رکھے گا''۔ زبیدہ نے اس کا گال سہلاتے ہوئے شفقت سے کہا۔ حرم کپڑے برآمدے میں بچھا آئی تھی اور خود بھی کپڑے بدل لیے تھے۔

''اماں! میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا' آپ ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہیں' اچھا چھوڑیں اس بات کو' کوئی اچھی سی چائے اور پکوڑے تو کھلا دیں' یہ بارش یادگار ہو جائے گی''۔ وہ خوشگوار موڈ میں فرمائش کر کے ماں کا موڈ بدلنے کو بولا۔

''میں قربان میرے بیٹے' کیوں نہیں' میرا گھبرو جوان بیٹا فرمائش کرے اور میں پوری نہ کروں' ایسا بھلا ہو سکتا ہے''۔ وہ صدقے واری جاتیں محبت سے پیر لٹکا کر چپل اڑستے ہوئے بولیں۔

''سعدیہ بیٹے پکوڑے تو بنا لو' ہم تو ہر وقت شوق پورے کر لیتے ہیں' فرحان بیچارے کو جانے پھر کب فرصت ملے''۔ انہوں نے سعدیہ کو مخاطب کیا۔

''امی میرے کیوٹکس خراب ہو جائیں گے' سوری کسی اور سے کہہ لیں''۔ اس نے جتنی لاپروائی سے کندھے اچکا کر کہا تھا زبیدہ سمجھ کر کلس کر رہ گئیں کہ صاحبزادی کے کسی اور کہنے سے کون مراد تھی۔

''سیماب بیٹے تم بنا دو بھائی کے لئے پکوڑے''۔ وہ خوشامدی لہجے میں مٹھاس سے بولیں۔

''اماں میں نے آج اتنی محنت سے بیسن وغیرہ لگا کر چہرے کو چمکایا ہے' اب پھر سے چولہے کے آگے کھڑے ہو کر اسکن خراب کر لوں ناں بابا حرم سے کہہ دیں' ویسے بھی وہ ہر کام کر لیتی ہے یہ بھی کر دے گی''۔ سیماب ماں کا پڑھایا سبق بھلائے' بے مروتی سے بولی' زبیدہ نے اس کھلی بے عزتی پر خجل ہو کر فرحان کو بیچارگی سے دیکھا' مگر غنیمت ہو موبائل کا جس پر وہ میسج دیکھنے میں مگن تھا۔ وہ کچن میں چلی آئیں اور حرم کو حکم دیا ہمیشہ کی طرح اس نے تعمیل کی تھی۔ کچھ ہی منٹ میں پھرتی سے اس نے پکوڑے بنائے اور چائے کپوں میں ڈالتی

''شکریہ حرم کی آنکھیں بھیگ گئیں اس نے جیولری بکس تھام کر کہا' زبیدہ تو وہ عورت تھی جو اس کے ہاتھ سے چیزیں چھین کر بیٹیوں کو دے دیتی تھیں۔ فرحان کو بہت خوشی محسوس ہوئی تھی' مگر ماں بہنوں کی موجودگی نے سنجیدہ رہنے پر مجبور کر دیا تھا' وگرنہ حرم کی خیر نہ ہوتی' چاہے اس کے سامنے زبیدہ کتنا بھی خود کو حرم سے لاپرواہ ثابت کرتیں وہ عقل مند انسان تھا حرم کا ان کے سامنے دب کر رہنا اور مرعوب سا رہنا وہ ملاحظہ کر چکا تھا یہاں تک کہ وہ سعدیہ اور سیماب سے بھی دور دور رہتی حالانکہ لڑکیاں تو آپس میں بہت جلدی گھل مل جاتی ہیں اور پھر حرم کوئی غیر بھی نہ تھی' وہ بکس تھامے کچن کی سمت چلی گئی' فرحان سے اس کی بھیگی آنکھیں مخفی نہ رہ سکی تھیں اس نے بہنوں کو دیکھا جو خوبصورت ہیرے کے چھوٹے سے نگ والی چین دیکھ رہی تھیں الٹ پلٹ کر خوب دیکھ لینے کے بعد انہوں نے پہن کر ماں اور بھائی کو دکھایا تھا۔

''اپنے بھائی کو دعا دو' جو تم لوگوں کی ہر خواہش پوری کر دیتا ہے' میرے شہزادے جیسے فرمانبردار بیٹے بھی بھلا ہوں گے کسی کے''۔ وہ اترائی تھیں۔

''شکریہ فرحان بھائی''۔ دونوں گلے میں پہنے لاکٹ اور سنہری چین پر انگلیاں پھیرتی مسکرا کر بولیں اور اک ساتھ بولنے پر اک دوسرے کو دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ وہ اور زبیدہ اک ساتھ ان کے بچپنے پر مسکرائے تھے۔

''اماں! میں کافی تھک گیا ہوں' اب سونے جاؤں گا''۔ فرحان نے زبیدہ کو دیکھا جو بیٹیوں کو خوش ہوتا دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

''کیوں نہیں میرے بیٹے' خوب مزے سے سونا' اتنے عرصے بعد گھر کا آرام وہ بستر میسر آیا ہے میرے شہزادے کو''۔ وہ نہال ہو کر اٹھیں اور محبت سے اس کی فراخ پیشانی چوم لی تھی۔ اپنے کمرے کی سمت جاتے ہوئے اس نے کچن کی کھڑکی میں دیکھا' حرم ڈھیر سارے برتن دھو کر ٹھکانے لگا رہی تھی' نہایت مہارت اور تیز رفتاری سے مگن ہو کر وہ کام کر رہی تھی دوپٹہ بھی سلیقے سے سر پر جما تھا پاس ہی چولہے کے سلیب پر وہ بکس رکھا تھا جو اس نے بہت محبت سے خریدا تھا۔ خریدتے وقت کی طرح اب بھی اس کا دل شدت سے چاہا کہ اس کی دودھیا گردن پر وہ نازک سنہری رنگت والا چین پہنا دیکھ سکے' اس کی گردن پر سج کر کیسا لگے گا' مگر افسوس یہ اس کی سوچ تھی وہ ٹھنڈی سی آہ کھینچتا سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔ زبیدہ کی تیز نظریں اتنی دور سے بھی فرحان کی یہ بے ساختہ حرکت دیکھ چکی تھیں وہ سلگ کر رہ گئیں۔



آج موسم بہت اچھا تھا آسمان کو بادلوں نے مکمل طور پر ڈھانپ رکھا تھا' دوپہر کی بارش اسے بہت اچھی لگتی تھی' دل ہی دل میں بادلوں کے برسنے کی خواہش کرتا وہ سیڑھیاں اترتا نیچے آیا تو لاؤنج میں خاصی گہما گہمی تھی' سعدیہ اور سیماب صوفے پر بیٹھیں فیشن میگزین دیکھتی تبصرے کر رہی تھیں' تخت پر تکیے سے ٹیک لگائے زبیدہ کی نظریں حرم پر جمی تھیں جو پاس ہی بیٹھی فریم ہاتھ میں پکڑے کچھ کڑھائی کرنے میں مگن تھی' گھر کا یہی خوبصورت سا ماحول اسے پردیس میں بہت یاد آتا تھا وہ مسکرا دیا حرم کی موجودگی نے یہ منظر مزید حسین بنا دیا تھا' بادل گرجے اور ہر طرف جل تھل ہو گئی گلی سے بچوں کا شور بلند ہوا تھا۔

''حرم! جلدی سے کپڑے سمیٹ لو سارے بھیگ گئے ہوں گے جانے تم لوگوں کا دھیان کہاں رہتا ہے جلدی بھاگو''۔ زبیدہ اور چلانے لگیں حرم کے ہاتھ سے بوکھلاہٹ میں فریم چھوٹ گیا اور وہ تخت سے چھلانگ لگا کر اتری اور حیران سے کھڑے فرحان کے پاس سے گزر کر سیڑھیاں پھلانگتی اوپر چڑھ گئی۔

''بارش کو انجوائے کر رہی ہیں''۔ وہ آہستگی سے مسکرایا۔

''جی''۔ وہ بھی ہلکا سا مسکرا کر بارش کو دیکھتے بولی۔ فرحان نے اس کے دودھیا گلے میں وہی سنہری چین دیکھی تو بہت خوش ہوا کانی چج رہی تھی۔ دونوں کے درمیان خاموشی گہری ہوگئی۔ حرم کے پاس کچھ بھی نہ تھا کہنے کو فرحان کے پاس بہت کچھ تھا کہنے کو مگر اک جھجک اور حیا سی تھی جو اظہار کرنے سے مانع تھی۔

''ٹھیک ہے آپ بارش انجوائے کریں میں ذرا گلی کا چکر لگا آؤں''۔ وہ برآمدے کی سیڑھیاں اترنے لگا' حرم کی نظریں اس کی چوڑی پشت پر پڑی تھیں اس کے اس مہربان سے کزن کا ظاہر جتنا اچھا تھا اس سے کئی گنا اچھا اس کا باطن تھا۔ اس نے گلے میں پڑی چین پر ہاتھ پھیرتے بھیگی آنکھوں سے برستی بارش میں بھیگتے پل پل دور ہوتے اس مہربان شخص کو دیکھا تھا۔

☆☆☆☆

''آپ تھکنے لگے ہیں ابو؟ پھر سے بھول گئے کہ اللہ صبر اور شکر کرنے والوں سے کتنی محبت کرتے ہیں''۔ حرم رات کو کام ختم کر کے کمرے میں آئی تو باپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بولی' کیونکہ اکثر وہ اپنی معذوری اور لاچارگی پر آبدیدہ و اداس ہو جاتے تھے حرم ان کی بیٹی ہی نہیں بہترین دوست بھی تھی ان کے ہر انداز کو سمجھنے والی تسلی دیتے ہوئے ان کی اداسی و افسردگی کم کرنا چاہتی تھی۔

''نہیں..... وہ تمہاری ماں کی یاد آ گئی تھی' تم ان کے بعد کتنی تنہا ہوگئی ہو''۔ وہ آنسو پونچھتے خود پر قابو پا کر زبردستی مسکرائے۔

''میری بات کو ٹالیں مت' اچھی طرح سے جانتی ہوں آپ چارپائی پر پڑے پڑے تھکنے لگے ہیں' میری نصیحتیں بھی آپ کو بھول گئیں''۔ وہ شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

''حرم بیٹی! اپنے بوڑھے باپ سے ناراض ہوگئی ہو؟'' انہوں نے حرم کو دیکھا جو منہ پھیرے بیٹھی تھی۔

''ہاں''۔ وہ بغیر دیکھے ناراضی سے بولی۔

''میری بیٹی کیسے مانے گی؟'' وہ حرم کی اداسی و ناراضی ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

''ایک شرط پر' اگر پوری کر دی تو''۔ اس نے بے چینی سے سعید صاحب کو دیکھا۔

''کیسی شرط؟''

''وعدہ کریں پوری کریں گے''۔ حرم کی بات پر انہوں نے کچھ پل سوچنے کے بعد اثبات میں ہلا دیا۔

''جو سوالات اکثر آپ مجھ سے کرتے ہیں اور میں جواب دیتی ہوں آج اس کے برعکس ہوگا' یعنی میں آپ سے سوالات پوچھوں گی اور آپ جواب دیں گے''۔

''ٹھیک ہے''۔ وہ جھٹ سے مان گئے۔

''مگر غلطی کی گنجائش نہیں ہوگی' ایک بھی غلطی نہیں ہونی چاہئے''۔ اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

''ٹھیک ہے''۔ اس نے باپ کو ہامی بھرتے دیکھ کر معارف القرآن کی چھٹی جلد اٹھا کر کھولی' تفسیر اسے زبانی یاد تھی مگر پھر بھی وہ کتاب میں سے دیکھتے ہوئے بولتی رہی۔ پہلے سوال سے پہلے یہ بتایئے کونسی آیت ہے؟ کون سی سورت؟ سورۃ حج' آیت نمبر 5''۔ وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''ہوں''۔ جب بندہ حالت اسلام میں چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تین قسم کی بیماریوں سے محفوظ کر لیتے ہیں کون سی بیماریاں ہیں؟'' اس نے پہلا سوال کیا۔

(باقی آئندہ)

لاؤنج میں چلی آئی' فرحان اور زبیدہ کے سامنے اس نے ٹرے رکھی۔

''حرم بھئی جلدی سے چائے اور پکوڑے لے کر آؤ' مزید صبر نہیں ہو رہا''۔ سعدیہ نے بھی ہانک لگائی۔ حرم نے سر اثبات میں ہلا کر کچن کی سمت قدم بڑھائے۔

''اماں! میں دیکھ رہا ہوں' گھر کے سارے افراد حرم پر انحصار کرتے ہیں میں جانتا ہوں کہ حرم ہمارے گھر کو اپنا گھر سمجھ کر سب کی خدمت کرتی ہے' مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم سارا بوجھ اس پر ڈال دیں' وہ ہماری مہمان ہے' چچا جان کیا سوچیں گے''۔ فرحان نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہمدردی سے کہا تھا۔

''سب سمجھتی ہوں میاں فرحان' جوانی ہم پر بھی آئی ہے' حرم کے لئے ہمدردی کے یہ مروڑ ایسے ہی نہیں ہیں''۔ زبیدہ نے فرحان کو دیکھا جو چائے کا کپ تھامے حرم کی پشت پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔

''پہلی بات تو یہ کہ وہ یہاں مہمان نہیں اور دوسری یہ کہ ہم زبردستی نہیں کرواتے اپنی خوشی سے کام کرتی ہے' چچا بھی باپ ہی ہوتا ہے' جب یہاں رہتی بستی کھاتی پیتی ہے تو دو کام کر کے کون سا کارنامہ کرلیتی ہے' جوان لڑکیاں چارپائی توڑتی اچھی لگتیں نہیں کام کرتے اچھی لگتی ہیں''۔ حرم نے فرحان اور زبیدہ دونوں کی باتیں سن لی تھیں اس نے پلیٹ میں پکوڑے ڈالے اور دو کپ چائے تیار کر کے ٹرے میں رکھتی لاؤنج میں آئی تھی' سعدیہ نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لے لی اور شکریہ تک نہ کہا حرم چپ چاپ واپس پلٹی تھی۔

فرحان منہ پھٹ نہیں تھا اس کی تربیت جس طرح ہوئی تھی اپنے والد اور تایا کو دیکھ کر وہ جوان ہوا تھا آج کل کے نوجوانوں کی طرح ہوتا تو ضرور ماں سے کہتا کہ۔

''ہاں لڑکیاں ہر وقت بیٹھی اچھی نہیں لگتی سعدیہ اور سیماب سے بھی کام کروایا کریں' تایا جان حرم کے ساتھ ایسا سلوک دیکھتے تو کیا گزرے گی ان کے مجبور دل پر اکلوتی بیٹی جو شہزادیوں کی طرح رہتی تھی اب کیا بن گئی سستے سے سستا اور گھٹیا ترین کپڑے اس کے تن پر سجے ہوتے ہیں کیوں وہ سیماب اور سعدیہ کی طرح سج سنور کر کھاتی پیتی کیوں نہیں' ہر وقت کام میں کیوں لگی رہتی ہے' جب بھی کچھ غلط ہو جاتا ہے تو بیٹیوں کو کیوں کوستی ہیں کہ تم لوگ بھی گھر کے کام کو ہاتھ لگا لیا کرو' اگر حرم کا اپنا گھر ہوتا تو وہ خیال رکھتی تم لوگوں کا تو اپنا گھر ہے کوئی رہنے کا وقتی ٹھکانہ نہیں' یہ سب سن کر حرم کے دل پر کیا گزرتی ہوگی جب آپ کا دل چاہے گا اسے ذلیل کر کے رکھ دیں گی' کیوں؟ کیونکہ وہ اف تک نہیں کرتی اس کے منہ میں زبان نہیں' اتنی آسانی سے حرم کا کیا گیا ہر کام آپ سعدیہ اور سیماب کے نام کر کے ان کی تعریفوں کے پل باندھتی ہیں کیا میری آنکھیں نہیں یا کان نہیں' سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہوں' محسوس کرتا ہوں' مگر مجبور ہوں' اگر میں نے حرم کے لئے ہمدردی کے بول بولے تو اس کی زندگی مشکل ہو جائے گی اور میں اسے مشکل میں نہیں ڈال سکتا''۔ زبیدہ کی آواز اسے سوچوں کے بھنور سے کھینچ لائی۔

''اور لو ناں فرحان بیٹے! تمہاری فرمائش پر بنوائے ہیں اور تم نے ہاتھ کھینچ لیا''۔

''بس امی! اور نہیں کھا سکتا''۔ وہ کپ خالی کر کے ٹرے میں رکھتا اٹھا تھا۔

''میں ذرا باہر گلی کا چکر لگا آؤں' بارش میں تو گلی کی رونق ہی دوبالا ہو جاتی ہے' وہ مسکرا کر کہتا بیرونی دروازے کی سمت بڑھا وہ باہر آیا تو حرم کو برآمدے کے ستون کے پاس کھڑا بارش کا نظارہ کرتے پایا' وہ کچھ فاصلے پر ٹھہر گیا۔

''حرم!'' اس کی بوجھل بھاری آواز پر حرم نے چونک کر پیچھے دیکھا اسے دیکھ کر وہ اس کی سمت پلٹی تھی۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ تو ہر وقت چپ ہی رہتی تھی مگر فرحان کو کچھ اداس سی لگی تھی۔

''ٹھیک ہوں''۔ وہ نگاہیں جھکائے اتنی آہستگی سے بولی اگر فرحان مکمل متوجہ نہ ہوتا تو ہر گز سمجھ نہ پاتا۔

حنا اشرف کی ڈائری سے

ایک خوبصورت نظم

جب یاد کا آنگن کھولوں تو
کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں
میں گزرے دنوں کو سوچوں تو
کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں
اب جانے کس نگری میں
کھوئے پڑے ہیں مدت سے
میں رات گئے تک جاگوں تو
کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں
کچھ باتیں تھیں پھولوں جیسی
کچھ خوشبو جیسے لہجے تھے
میں شہر چمن میں ٹہلوں تو
کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں
وہ پل بھر کی ناراضیاں اور
مان بھی جانا پل بھر میں
میں خود سے جب بھی روٹھوں تو
کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں

شہلا گل سحر کی ڈائری سے

خوبصورت نظم

بالی عمر میں
تتلیاں پکڑنا' کتابوں میں پھول پکڑنا
بے معنی باتیں سوچنا' چھوٹی خواہش رکھنا
کبھی بے اختیار مسکرانا' کبھی پہروں اداس رہنا
زیر لب گنگنانا' آنکھوں میں ان گنت
سپنے سجانا اچھا لگتا ہے
مگر گزرے ہوئے بے رحم لمحوں کے بعد اکثر
تتلیاں ہاتھ نہیں آتیں
کتابوں میں پھول سوکھ جاتے ہیں
سوچنے کو کچھ نہیں ہوتا
خواہشیں حسرتیں بن جاتی ہیں
گنگناتے لب خاموش ہو جاتے ہیں
اداسیاں مقدر بن جاتی ہیں
اور آنکھوں میں سجے
کچی عمر کے ان گنت سپنے
اذیت ناک یادوں کا
روپ ڈھال لیتے ہیں

ثناء کنول اللہ دتہ کی ڈائری سے

خوبصورت نظم

افسانۂ چمن کا عنوان ہی بدل دو
پھولوں کا سر کچل دو کلیوں کا دل مسل دو
آکاش کی جوانی بادل میں منہ چھپائے
مہتاب ڈوب جائے تاروں کو نیند آئے
زہرہ جبیں پری رخ ماہ ہوا انجم
آنکھیں شراب آئے جذبات میں تلاطم
کھلتی ہوئی لبوں پر ہنستا ہوا ترانہ اے دل
نکھری ہوئی ہے لالی یہ ہلکی ہلکی سرخی
تصویر ہے شفقی آوارہ شوخ زلفیں
رخسار چومتی ہیں بے خود ہیں جھومتی ہیں
ہو زیست کا سہارا تم موج میں کنارا
لیکن سنو خدارا اک بار مسکرا دو

☆

ردا کی ڈائری

ثریا نواز کی ڈائری سے

ایک خوبصورت غزل

یار بھی ریت کی دیوار سمجھتے ہیں مجھے
میں سمجھتا تھا یار سمجھتے ہیں مجھے
میں تو یوں چپ ہوں کہ اندر سے بہت خالی ہوں
اور سب لوگ پر اسرار سمجھتے ہیں مجھے
میں بدلتے ہوئے حالات میں ڈھل جاتا ہوں
دیکھنے والے اداکار سمجھتے ہیں مجھے
وہ جو اس پار ہیں ان کے لئے اس پار ہوں میں
وہ جو اس پار ہیں اس پار سمجھتے ہیں مجھے
نیک لوگوں میں مجھے نیک گن جاتا ہے
اور گناہ گار گناہ گار سمجھتے ہیں مجھے

سحر مبین کی ڈائری سے

نظم

پریم ایک دن دیکھا سحر ..
آزاد پنچھیوں کو
اپنے حصار میں باندھ لے
اور پریم پنچھی بنا دے
سر توڑ کوششوں کے باوجود بھی
کوئی پنچھی اس سحر کو توڑ نہ پائے
کیا ممکن ہے؟؟؟
اس سحر سے نکل آنا......

ساجدہ جمشید کی ڈائری سے

سحر محسن کا کلام

کبھی الفت بھرا لہجہ کبھی اترا ہوا چہرہ
سمجھ میں کچھ نہیں آتا بتا میرا گناہ کیا ہے
میری الجھن مٹا تو دے مجھے اتنا بتا تو دے
میں مجرم ہوں یا محرم ہوں سزا کیا ہے جزا کیا ہے
میری سانسیں تو چلتی ہیں تیری یادوں سے اے ہمدم
نہیں فرصت کہ یہ سوچوں فنا کیا ہے بقا کیا ہے
میرا یہ دل میری دھڑکن میری سانسیں یہ جاں محسن
یہ سب کچھ نام تیرے ہے بتا پیچھے بچا کیا ہے

ریما نور رضوان کی ڈائری سے

فاصلے

تمہاری زندگی سے میں
بہت سے فاصلے لے کر
تمہیں بس اتنا کہتا ہوں
کسی کو زندگی سے
اس طرح رخصت نہیں کرتے
کہ مجھ کو زندگی سے
جس طرح
تم نے نکالا ہے

مریم نواز .... فیصل آباد

تجھ کو رخصت کروں کیسے کہ میرا دکھ ہے یہی
پھر نہیں ملتا جو اک بار جدا ہوتا ہے
کون کرتا ہے تعاقب کہ جہاں بھی جاؤں
مڑ کے دیکھوں تو کوئی پھول پڑا ہوتا ہے

اریشہ .... کمالیہ

سجالیں گے تیری تصویر ہم بھی خانۂ دل میں
تیرے روئے منور کا نظارا ہم بھی کرلیں گے
ابھی انجم سہارے ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے
بنے گا آسماں دشمن تو چارہ ہم بھی کرلیں گے

انعم انجم .... کراچی

کون اس راہ سے گزرتا ہے
دل یونہی انتظار کرتا ہے
دیکھ کر بھی نہ دیکھنے والے
دل تجھے دیکھ دیکھ ڈرتا ہے

سحر .... پشاور

راز کی باتیں لکھیں اور خط کھلا رہنے دیا
جانے کیوں رسوائیوں کا سلسلہ رہنے دیا
عمر بھر ساتھ رہ کر وہ نہ سمجھا دل کی بات
دو دلوں کے درمیان اک فاصلہ رہنے دیا

ریما نور .... کراچی

آنکھوں میں رہنے والوں کو یاد نہیں کرتے
دل میں رہنے والوں کی بات نہیں کرتے
میری روح میں بس گئے ہو اب
تبھی تو ہم ملنے کی فریاد نہیں کرتے

صبا سحر .... ہارون آباد

زمانے میں الجھ کر حال دل کو بھول جاتا ہوں
جو کہنا چاہیے اس کو وہ کہنا بھول جاتا ہوں
کسی صحرا سے ایسا ربط اپنا ہے کہ میں خاور
ان آنکھوں کے سمندر میں اترنا بھول جاتا ہوں

عانیہ نیازی .... ربوہ

تجھ کو خط لکھنے کے تیور بھول گئے
آڑی ترچھی سطریں لکھتا رہتا ہوں
تیرے ہجر میں اور مجھے کیا کرنا ہے
تیرے نام کتابیں لکھتا رہتا ہوں

دھنک ناز .... کراچی

خوشبو سے ہواؤں سے نہیں ملتے کچھ لوگ
موسم کی اداؤں سے نہیں ملتے کچھ لوگ
مل جائیں تو جیون کو سجا دیتے ہیں لیکن
بچھڑیں تو دعاؤں سے بھی نہیں ملتے کچھ لوگ

نگہت توقیر .... چیچہ وطنی

جھوٹ بولا تو عمر بھر بولا
تم نے اس میں بھی ضابطہ رکھا

نوشین مدثر .... لاہور

تجھ کو یقین تو نہیں مگر سچ یہی ہے
میں تیرے واسطے عمریں گزار سکتا ہوں
یہ نہیں کہ تجھے پالینے کی خواہش ہے
میں تیرے واسطے خود کو بھی ہار سکتا ہوں

شمائلہ قیصر .... کراچی

خوشبو کے تعاقب میں نکل آیا ہوں گھر سے
اب دیکھیے کس وقت پلٹتا ہوں سفر سے
ہر روز وہ کرتا ہے نئے گل پہ بسیرا
سیکھے ہیں یہ انداز بھی بھنورے کے ہنر سے

حسن علی .... ملتان

خیال ترک تمنا نہ کر سکے تو بھی
اداسیوں کا مداوا نہ کر سکے تو بھی

☆☆☆☆

اشعار

سحر مبین........فیصل آباد

دعا اب بھی یہی ہے
قبول دعا ہو جائے

حربجہ فرید........پاکپتن شریف

ملے گا غیر بھی ان کے گلے یہ شوق اے دل
حلال کرنے مجھے عید کا ہلال آیا

ماریہ یاسر........کراچی

عید اب ملن کو آئی ہے
ساتھ میں خوشیاں لائی ہے
پہلے تھے جو خواب ادھورے
اُن کو پورا کرنے آئی ہے

مصباح مسکان رؤف اور ایمن رؤف........جہلم

شب تنہائی میں اکثر میں یہ سوچتی ہوں مسکان
جن کو بچھڑنا ہوتا ہے خدا ان سے ملواتا ہی کیوں ہے
میری ماں کا چہرہ بھی اتنا حسین ہے تسبیح کے دانوں کی طرح اقبال
میں پیار سے دیکھتا گیا اور عبادت ہوتی گئی

روتہذیب حسین تہذیب........رحیم یار خان

کیا حسین موسم تھا چاہتوں کے جھرمٹ میں
دیکھتا کوئی اس کا مجھ پہ تب فدا ہونا
اس قدر سلیقے سے اس نے راہ لی اپنی
مجھ پہ کھل نہیں پایا اس کا بے وفا ہونا

مہوش شاہ........ٹوبہ ٹیک

وہ اس کمال سے کھیلا تھا عشق کی بازی
میں اپنی فتح سمجھتا تھا مات ہونے تک
میں اس کو بھولنا چاہوں تو کیا کروں عادل
جو مجھ میں زندہ ہے خود میری ذات ہونے تک

رابعہ منیر........سرگودھا

زندگی تیری آنکھوں کے کنارے میں بسر ہو
تجھے ایسا میری دعاؤں میں اثر ہو
تیری بانہوں کے سہارے آخری سانس لیں
یوں ختم اپنی محبت میں وفاؤں کا سفر ہو

عاصمہ رشید........فیصل آباد

کتنی اچھی لگتی ہیں یہ چوڑیاں اور لڑکیاں
ہر کسی کے من کو بھاتی ہیں چوڑیاں اور لڑکیاں
اک ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ کر بکھر تی ہیں یہ
کتنی نازک ہوتی ہیں یہ چوڑیاں اور لڑکیاں

فرزانہ چوہدری........لاہور

یہ بھی انداز ہمارے ہیں تمہیں کیا معلوم
ہم تمہیں جیت کے ہارے ہیں تمہیں کیا معلوم
ایک تم ہو کہ ہمیں اپنا سمجھتے ہی نہیں
ایک ہم ہیں کہ تمہارے ہیں تمہیں کیا معلوم

حفصہ مشتاق........راولپنڈی

ہم وفا کرتے رہے وہ جفا کرتے رہے
اپنا اپنا فرض تھا دونوں ادا کرتے رہے

کہ وہ عام ادویات اور سپلیمنٹس کی نسبت ذہنی تناؤ میں مبتلا افراد کو ورزش کی جانب راغب کریں کیونکہ یہ تناؤ سے نکلنے میں ایک انتہائی مفید ہتھیار ثابت ہو سکتی ہے۔

ریما نور رضوان۔ کراچی

اس ماہ کی نظم

کچھ پنچھی جھنڈ میں اڑتے ہوں
اور راستہ بھی کچھ مشکل ہو
کچھ دور افق پر منزل ہو
اک پنچھی گھائل ہو جائے
اور بے دم ہو کر گر جائے
تو رشتے ناتے پیارے سب
کب اس کی خاطر رکتے ہیں
اس دنیا کی ہے ریت یہی
جو ساتھ چلو تو ساتھ بہت
جو رک جاؤ تو تنہا ہو

درخشاں ضیاء۔ کراچی

اس ماہ کی کرنیں

☆ خوشی ذہنی سکون عطا کرتی ہے اور غم اک نئی دنیا سے روشناس کراتا ہے جسے ڈوب کر ابھرنا بھی کہا جاتا ہے

☆ جو لوگ آپ سے زیادہ ذہین ہیں' ان سے جلنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ آپ ان سے زیادہ محنتی بن سکتے ہیں۔

☆ اس دوست کی دوستی کا کیا فائدہ جو ڈھلتے سورج کے ساتھ غروب ہو جائے۔

☆ وفا کے موتی پروتے رہو گے تو نفرت کے کانٹوں سے دور رہو گے۔

☆ اپنے آپ کو چٹان کی طرح مضبوط اور دل کو پھول کی طرح نرم رکھو۔

☆ اپنے آپ کو اتنا کڑوا نہ بناؤ کہ کوئی تھوک دے اور نہ ہی اتنا میٹھا بنو کہ کوئی نگل لے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

اس ماہ کچھ خاص

دنیا میں مختلف ذات' صفات' مذاہب' رنگ' نسل اور قومیت کے لوگ آباد ہیں' ان سب کو درج ذیل قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

ہنس مکھ..... لوگوں کی ایک قسم بہت ہنس مکھ ہوتی ہے' چاہے غم کی بات ہو یا خوشی کی' ان لوگوں کے دانت ہمیشہ باہر نکلتے دکھائی دیں گے یہ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا ہر وقت ہنستی مسکراتی رہے' ان لوگوں کا ظاہر اور باطن ایک ہوتا ہے کیونکہ جب ان کے چہرے پر مسکراہٹ رقصاں ہوتی ہے تو ان کا دل بھی ساتھ ساتھ مسکراتا ہے' آج کل ان لوگوں کی بہت کمی پائی جاتی ہے۔

موڈی لوگ..... جیسا کہ نام سے ظاہر ہے' یہ لوگ بہت موڈی ہوتے ہیں' موڈ پر ہنستے اور موڈ ہی کے ساتھ روتے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا ہمارے مزاج کے مطابق چلے' یہ لوگ بہت نازک مزاج ہوتے ہیں' معمولی معمولی باتوں پر ناراض ہوتے اور پھر معمولی ہی باتوں پر راضی ہو جاتے ہیں۔ جب موڈ اچھا ہوتا ہے تو انہیں سارا جہاں خوشگوار اور جب خراب ہو تو سارا ماحول قبرستان لگتا ہے۔

شکی مزاج لوگ...... یہ بہت شکی مزاج ہوتے ہیں۔ ماں' بہن' بیوی' بیٹی سب کو یہ شک کی عینک سے دیکھتے ہیں' ان سے لوگ بہت تنگ آ جاتے ہیں' اس گھر کا ستیاناس ہو جاتا ہے' جس گھر میں ان جیسے لوگ جنم لیتے ہیں۔

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

تکیہ کلام

تکیہ کلام بھی عجیب چیز ہے اور عجیب عجیب شکلیں اختیار کرتا ہے مثلاً بعض لوگوں کی گفتگو میں ان کی بیوی کے بھائی کا ذکر بڑی فراخدلی سے ہوتا ہے ایک مرتبہ ایک صاحب جنہوں نے میرے علم کے مطابق ابھی ازدواجی زندگی کی ابتداء بھی نہیں کی تھی اپنے جوش گفتار میں ایک شخص کو اپنا سالا بنا دیا۔ میں نے ان کے یہ الفاظ سن کر نہایت سنجیدگی سے انہیں مبارکباد دی انہوں نے حیرت سے پوچھا "کس چیز کی مبارک باد" میں نے عرض کیا "کہ مجھے معلوم تھا کہ آپ نے اس شخص کی ہمشیرہ محترمہ کو اپنے عقد میں لے لیا ہے اگرچہ اس مبارک تقریب میں خاکسار کو یاد نہیں فرمایا مگر بھلا یہ خوشخبری سن کر آپ کو مبارکباد نہ دیتا"۔ میری یہ بات سن کر نہ معلوم کیوں وہ ذرا چپ سے ہو گئے شاید میں نے جو خیال ان کے دل میں ڈالا تھا اس کو حقیقت بنانے کے امکانات پر غور کر رہے ہوں گے۔

مشتاق احمد یوسفی کی تحریر سے اقتباس

عانیہ نیازی۔ ربوہ

کامیابی کا راز

گداگری ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بھیک دینے والوں کو ختم کر دیا جائے ایسے ہی اگر پولیس توجہ نہ دے تو چوری چکاری بھی ختم ہو سکتی ہے یوں اگر آپ بڑھاپا ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس کا یہی طریقہ ہے کہ سب کو بوڑھا کر دیا جائے۔ یوں بھی ہمارے ہاں کون ہے جو بوڑھا ہونا نہ چاہتا ہو ہمارے ہاں تو سب سے بڑی دعا ہی یہ ہے کہ اللہ تمہاری عمر دراز کرے ہزاروں سال جیو جو سیدھی سادھی بڑھاپے کی تمنا ہے ویسے اگر آپ پھر بھی بوڑھا ہونا نہیں چاہتے تو ایک کام کریں آپ بھی بوڑھے نہیں ہوں گے اور وہ یہ کہ کبھی آئینہ نہ دیکھیں۔

ڈاکٹر یونس کی "شیطانیاں" سے اقتباس

صبا سحر۔ ہارون آباد

اس ماہ کی معلومات

آدھے گھنٹے کی ورزش ذہنی تناؤ کے لئے مفید قرار دی گئی ہے امریکا کے شہر ڈیلاس کی University methodist south کے سائیکلوجی کے ماہرین نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ کم از کم آدھے گھنٹے کی ورزش بھی ذہنی تناؤ کے علاج میں فائدے مند ثابت ہو سکتی ہے ماہرین کے مطابق ورزش کرنے سے ذہنی دباؤ اور غصے میں کمی واقع ہوتی ہے جو انسان کے دماغ میں جسمانی طور پر مضبوط ہونے کا شعور پیدا کرتی ہے ماہرین کا کہنا ہے کہ ڈاکٹروں کو چاہئے



القرآن

☆ جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی رستہ پیدا کر دے گا اور ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو جو اللہ پر بھروسہ کرے وہ اس کے لیے کافی ہے (سورۃ الطلاق)

☆ لہٰذا جب تم فارغ ہو تو عبادت کی مشقت میں لگ جاؤ اور اپنے رب کی طرف ہی راغب رہو۔

(سورۃ البقرہ)

☆ جو لوگ اپنا مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا مقام نہیں مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔

(سورۃ البقرہ)

☆ جو کوئی عزت چاہتا ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے۔

(سورہ فاطر)

سیدہ نورین۔ کراچی

جواہر حکمت

تین باتیں نجات دینے والی ہیں۔

1۔ خلوت و جلوت میں اللہ کا خوف۔

2۔ خوشی و ناراضی کی حالت میں انصاف

3۔ تنگدستی اور خوشحالی کے زمانے میں میانہ روی

صاسحر۔ ہارون آباد

بہترین دن

ایک شخص بچے سے مخاطب ہوتے ہوئے
"تمہارا بہترین دن کونسا ہوتا ہے"
بچہ "جب ٹیچر بیمار ہوتی ہیں"

دھنک ناز۔ کراچی

آپ بھی پوچھیے

☆ آپ کے گاؤں میں کتنے ڈاکٹرز ہیں؟

❀ صرف ایک، جو خود بیمار پڑ جائے تو اسے شہر جانا پڑتا ہے۔

☆ گویے اور شاعر میں فرق بتائیے؟

❀ گویا گاؤں میں اور شاعر شہر میں رہتا ہے۔

☆ مرد کو گناہوں کی سزا کیسے ملتی ہے؟

❀ فیشن ایبل ماڈرن بیوی کی صورت میں۔

☆ وہ کون سی ہستی ہے جسے حکومت بھی بناتی ہے عوام بھی اور بیگم بھی؟

❀ بیچارہ شوہر۔

☆ عورت اور سیاستدان میں کیا فرق ہے؟

❀ کوئی نہیں دونوں دعوے کرتے ہیں عمل کچھ نہیں۔

عاصمہ رشید۔ فیصل آباد

باتونی لوگ...... ہمہ وقت فضول بات کرنا اور فضول کاموں میں مصروف رہنا ان کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے، یہ لوگ اکثر ہوٹل میں ایک کپ چائے پر گھنٹوں بیٹھ کر رائی کا پہاڑ بناتے ہیں، آج کل ایک اسٹیکر ''فضول گفتگو سے خاموشی بہتر ہے''۔ ان کے لئے بنایا گیا ہے لیکن افسوس کہ یہ اس پر عمل نہیں کرتے۔

حسن پرست لوگ...... اس قسم کے مرد کبھی بھی خوبصورت اور حسین لڑکی کو دیکھ کر فوراً اس کو دل دے دیتے ہیں، یہ لوگ ہزاروں حسیناؤں کے عاشق ہوتے ہیں کیونکہ دنیا خوبصورت لوگوں سے بھری پڑی ہے۔

فیشن ایبل لوگ...... نت نئے فیشن اپنانا ان لوگوں کا بہترین مشغلہ ہے۔ اخبارات اور ٹی وی کے اشتہاروں میں جب بھی نیا فیشن نکلتا ہے تو یہ دوسرے تیسرے دن اسی فیشن کو اپنائے ہوتے ہیں یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم جہاں بھی جائیں لوگ ہماری تعریف کریں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ہیرو اور ہیروئن سمجھتے ہیں۔

منافق لوگ...... لوگوں کی اس قسم کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ انتہائی چاپلوسی اور ڈپلومیسی سے کام لیتے ہیں۔ بات گھما پھرا کر کرنا ان کو خوب آتا ہے۔ انتہائی دھوکے باز اور فریبی ہوتے ہیں۔ اکثر اوروں کو لڑاتے ہیں۔ ''ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور''۔ یہ محاورہ ان لوگوں کے لئے ہی بنایا گیا ہے۔

محنتی لوگ...... لوگوں کی یہ قسم بہت محنتی ہوتی ہے۔ تعلیم کھیل، کاروبار غرض کہ ہر فیلڈ میں یہ لوگ محنت کے بل بوتے پر کامیابی حاصل کرتے ہیں، یہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوتے، پڑھائی کے میدان میں پوزیشن لیتے ہیں تو پھر اپنی صلاحیتوں سے ملازمت یا کاروبار کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔

احسان فراموش لوگ...... یہ لوگ انتہائی خود غرض ہوتے ہیں۔ ان کا کسی سے کام نکلتا ہے تو روتے ہیں اور منت سماجت کرتے ہیں لیکن جیسے ہی کام یا مطلب نکل جاتا ہے تو پھر کہتے ہیں ہم آپ کے ہیں کون؟ یہ نہ دوست بناتے ہیں اور نہ ہی کسی سے مخلص ہوتے ہیں۔ ان کا ہر کسی سے مطلب کا رشتہ ہوتا ہے، عملی زندگی میں بھی یہ لوگ کامیاب نہیں ہوتے۔ ان کی آنکھوں کو طوطا چشم بھی کہا جاتا ہے۔

تنہائی پسند لوگ...... یہ لوگ لوگوں کے ہجوم میں گھبراتے ہیں، بس ہر وقت چاہتے ہیں کہ ہم تنہا رہیں، بھرے گھر میں بھی یہ الگ تھلگ رہتے ہیں، گھر والوں کو بھی پتا نہیں چلتا کہ میاں صاحب کب آئے اور کب گئے بہت کم لوگوں کو یہ لوگ پسند کرتے ہیں اور یہ بہت کم لوگوں کو دوست بناتے ہیں ان سے دوستی یا دشمنی رکھنا بیکار ہے کیونکہ نہ ہی دوستی میں فائدہ ہے اور نہ ہی دشمنی میں۔

کنجوس لوگ...... اس قسم کے لوگوں سے روپیہ خرچ کرانا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل کام ہے جیب سے روپیہ ایسے نکلتا ہے جیسے ان کی روح نکل رہی ہو۔ پیسے پیسے کا حساب کرتے ہیں۔ گھر والے ان کی کنجوسی سے تنگ آجاتے ہیں۔ یہ لوگ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے پیسہ کا نوکر اور ورد کرتے رہتے ہیں۔

مخلص لوگ...... یہ لوگ اپنے دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ پرخلوص ہوتے ہیں ان کی دوستی لاجواب ہوتی ہے، یہ لوگ بے حد فراخ دل اور اچھے دوست بننے کے لائق ہوتے ہیں یہ اکثر اوقات سماجی اور رفاہی کاموں میں مصروف نظر آتے ہیں۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

سکتا ہو دوست وہی ہوتا ہے جو آپ کی ذات کو خوبی اور خامیوں سمیت قبول کرے۔

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

سردار جی

"سردار یار جہاز جب اڑتا ہے تو اس کا گیٹ کیوں بند ہوتا ہے؟"

دوست کافی دیر سوچنے کے بعد بولا۔

"یار! کوئی جوس، قلفی والا نہ چڑھ جائے اسی لئے"۔

ریما نور رضوان۔ کراچی

عوام

ایک بچہ جس کی عمر تقریباً 67 سال ہے کچھ عرصے سے لاپتہ ہے اس کا رنگ نہ تو کالا اور نہ ہی گورا ہے بلکہ گندمی ہے اس کی تاریخ پیدائش 14 اگست 1947ء ہے اپنا نام بھی بتاتا ہے توتلی زبان میں گفتگو کرتا ہے۔ ایک وقت سندھی، پشتو، بلوچی، پنجابی، سرائیکی پانچ زبانیں بولتا ہے۔ بچے کی شہہ رگ پر مسلسل تشدد کا نشان ہے۔

ماہرین نفسیات کے مطابق اس کا ذہنی توازن کچھ ٹھیک نہیں لگتا اور اکثر اوقات زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگاتا رہتا ہے جو کوئی اس کے ساتھ جوشیلی اور جذباتی باتیں کرتا ہے بچہ اس کے پیچھے چلتا اور اسی کو زندہ باد کے نعروں کی زینت بنالیتا ہے جب وہ آدمی اس بچے کو ہاتھ دکھاتا ہے تو پھر بچہ اس کو مردہ باد اور کسی اور کو زندہ باد کہتا ہے۔

یہ جلسے جلوسوں کا شائق ہو گیا ہے اور انہی جلسے جلوسوں میں کہیں گم ہو گیا ہے اسے روٹی، کپڑا اور مکان کے ہجوم میں گھرا دیکھا گیا ہے پھر اسلام آباد کے بازار میں بھٹکتا پھر رہا ہے اسے جمہوریت کے سبز باغوں میں گھومتے پھرتے دیکھا گیا ہے ایک شخص نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کو اس نے مہنگائی، رشوت، بے انصافی اور کرپشن کے دائرے میں بری طرح پھنسے ہوئے دیکھا ہے۔

سردیوں میں لنڈے کے کپڑے پہنتا ہے لیکن اب وہ شلوار قمیض، پینٹ شرٹ میں ملبوس دکھائی دیا ہے پولیس کو رپورٹ دی گئی ہے کہ اسے تلاش کیا جائے مگر پولیس والے فارغ نہیں وہ کہتے ہیں انہیں حکمرانوں کی حفاظت کا حکم ہے فرصت ملی تو تمہارے بچے کی طرف توجہ دیں گے اعلیٰ عہدیداروں کو بھی درخواست لکھ کر دی درخواست میں بھی اس کے متعلق لکھا اور بتایا گیا ہے کہ یہ یتیم ہے ابھی شیر خوار ہی تھا کہ اس کا باپ وفات پا گیا اس کی ماں نے ہمت کی کہ اسے پال سکے مگر اس کی ماں کو موقع نہ مل سکا وہ بھی جلد فوت ہو گئی۔

یہ بھی شک ہے کہ اس کو اپنوں نے ہی غائب کروایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت ہونہار لائق ہے اس میں اور بھی بہت سے اوصاف ہیں اس کے نام زمین اور جائیداد ہے اس کی بے شمار دولت ہے کئی معدنیات کی کانیں اس کی اپنی ہیں اس لئے کوئی بدمعاش شخص اسے اپنی ملکیت میں لینے کی کوشش کر رہا ہے ہماری التجا ہے کہ اس گمشدہ عوام کی تلاش میں ہماری مدد کریں جس کا نام پاکستانی عوام ہے۔

نوٹ۔ جو شخص بھی اس کو ڈھونڈ لے اس سے گزارش ہے کہ اس کو کچھ نہ کہے پیار کے ساتھ اسلامی قلعے میں جمع کروادے۔

ملک جواد نواز قریشی۔ ڈیرہ اسماعیل خان

☆☆☆☆

سوچیں، سمجھیں

☆ اگر کچھ سیکھنا ہے تو آپ کی ہر غلطی آپ کو سبق دے سکتی ہے۔
☆ کسی کو پانے کی تمنا نہ کرو۔ بلکہ خود کو اس قابل بناؤ کہ لوگ تمہیں پانے کی تمنا کریں۔
☆ بغیر محبت کے انسان اس غار کی مانند ہے جس کے اندر جانور بھی داخل ہونے سے ڈرتے ہیں۔
☆ خاموشی دانا کا زیور اور احمق کا بھرم ہے۔
☆ مقصد کے بغیر زندگی ایسی ڈولتی کشتی ہے جسے اپنے ساحل کا پتہ نہ ہو۔
☆ جس دل میں برداشت کی ہمت ہو وہ کبھی شکست نہیں کھاتا۔
☆ کسی کو اتنا مت چاہو کہ زندگی کے کسی موڑ پر تمہاری کمزوری بن جائے۔
☆ لہجے میں نرمی پیدا کرو کیونکہ یہ خوش اخلاقی کی پہلی سیڑھی ہے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

اصول

زندگی دو دن کی ہے اسے دو اصولوں سے گزارو
1- رہو تو پھولوں کی طرح
2- بکھرو تو خوشبو کی طرح
زندگی میں دو چیزیں ٹوٹنے کے لیے ہوتی ہیں۔
سانس اور ساتھ۔
سانس ٹوٹنے سے انسان ایک بار مرتا ہے اور ساتھ ٹوٹنے سے انسان بار بار مرتا ہے۔
وقت اور پیار دونوں زندگی میں اہم ہیں۔
وقت کسی کا نہیں ہوتا اور پیار ہر کسی سے نہیں ہوتا۔
نیند اور موت۔
نیند آدھی موت ہے اور موت مکمل نیند۔
وقت اور پیار ایک ساتھ خوش قسمت لوگوں کو ملتی ہیں۔
وقت پر اکثر سمجھ نہیں ہوتی
اور سمجھ آنے تک وقت نہیں رہتا

سحر محسن۔ ڈی آئی خان

کتنا ادھورا لگتا ہے

کتنا ادھورا لگتا ہے ناں

جب
بادل ہوں اور بارش نہ ہو

جب
زندگی ہو اور پیار نہ ہو

جب
آنکھیں ہوں اور خواب نہ ہوں

جب
کوئی اپنا ہو اور پاس نہ ہو

فریدہ فرید۔ پاکپتن شریف

نجانے کیوں......؟

کچھ چھوٹے چھوٹے الفاظ اتنے کڑوے کیوں ہوتے ہیں؟ کیوں لوگ یہ احساس دلاتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی زندگی میں تمہاری کوئی اہمیت نہیں مگر سب کچھ سہنا پڑتا ہے نہ جانے کیوں خود کو کھو دینے کا دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔
کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ آپ کی زندگی میں بے پناہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں مگر زندگی میں کچھ موڑ ایسے بھی آتے ہیں کہ کتنے ہی بڑے فیصلے آپ ان کے بغیر ہی کر لیتے ہیں۔
انسان کو زندگی کے ہر موڑ پر ایک اچھے دوست کی ضرورت ہوتی ہے، جس کو آپ اپنا دکھ درد بتا سکیں، جو آپ کی ذات اور احساسات کو سمجھ

ایک ہاتھ میرا ہو
دونوں کے دل میں
نہ بچھڑنے کی دعا ہو
ہو کبھی نہ پھر کوئی غلطی
نہ سرزد ہم سے گناہ ہو
ملیں ہم جنت میں بھی
دل کی یہ التجا ہو
آنکھ ہو اشکوں سے تر
اور نور میں ڈوبی فضا ہو
اٹھے جب نگاہ تو
سامنے بس کعبہ ہو

درخشاں ضیاء

غزل

وہ مہربان ہو کے پریشان کر گئے
ہم اتنے سر چڑھے کہ نظر سے اتر گئے
یہ اپنے اپنے ذوق و تجسس کی بات ہے
موسیٰ فرازِ طور پہ ہم دار پر گئے!
کعبے میں بتکدے میں کلیسا میں دیر میں!
دل نے جدھر کی راہ دکھائی اِدھر گئے
وہ حسن کے عکس و نور سے روشن تھے بام و در
وہ آئینے وہ چاند و سورج کدھر گئے
تاریکی حیات مٹانے کے واسطے!
ذرے تلاشِ نور میں سوئے قمر گئے
آغوش آرزو میں رہا خار کا جمال!
موسم بہار کے دن بھی گزر گئے
امتیاز بہار ساقی فطرت کی دین ہے
پھولوں کے جام بادۂ شبنم سے بھر گئے

ایس امتیاز احمد

سانحہ اقبال پارک

یہ بھی اک اتوار کا دن تھا
ساتھ میں ایسٹر کا فنکشن تھا
دور افق میں آج کا سورج ڈوب گیا تھا
پارک میں ننھے منے بچے
کھیل رہے تھے بھاگ رہے تھے
خوش خوش جھولے جھول رہے تھے
اور بڑی کے لب پہ ہنسی تھی
سب مسرور تھے سب ہی خوش تھے
پھر اک لمحہ ایسا آیا
کتنے ہی زوروں کا دھماکا
ایک قیامت لے کر آیا
سارا منظر بدل گیا تھا
ہر سو انسانوں کی چیخیں
کتنے ہی معصوم سے بچے
جان کی بازی ہار گئے تھے
ہر جانب بکھرے اعضاء تھے
ہر سو خون ہی خون کا رنگ تھا
کتنی گودیں اجڑ گئی تھیں
کتنے ہی بچوں کے سر سے
چھن گیا تھا ماں باپ کا سایہ
سارا ملک تھا سوگ میں ڈوبا
ساری قوم بھی سکتے میں تھی
دور کہیں کچھ وحشی کتے
دیکھ کے ٹی وی پر یہ منظر
خوش تھے کتنے ہنس رہے تھے
خونِ شہیداں رنگ لائے گا
اک دن وہ سب وحشی کتے
اپنی اپنی موت مریں گے

ذرا پھر سے کہنا

یہ بارش کتنا اداس کرتی ہے

ننھی بوندیں پیاسی دھرتی پہ
یوں برستی ہیں جیسے
بھیگی شاموں میں تمہاری باتیں
میرے من کی سونی دھرتی کو
سیراب کرتی تھیں
بادلوں سے قطرے یوں ٹوٹ کے
برستے ہیں جیسے
تیرا نام میری پلکوں سے
ستارے ٹوٹ ٹوٹ کے گرتے ہیں
یہ بارش پل بھر کو آکر
برستی ہے مگر
بیتی کومل گھڑیوں کی یاد دلائے
میرے کئی لمحے تیرے نام
منسوب کرتی ہے پل پل تجھے
سوچنے پر مجبور کرتی
ہے
دو دلوں کے دکھوں سے نکال کے
تمہیں میرے دل کے پاس رکھتی ہے
یہ بارش کتنا اداس کرتی ہے

شہلا سحر صالح

ریشم ریشم نرم و ملائم
جانے کیوں دل کو
چھو جائے
ہاتھ میں لو تو
بےخودی میں
ہاتھ گالوں کو چھو جائے
یہ احساس کیسا ہے
چاہت کا یہ ناطہ کیسا ہے

زرروہ وصمان

غزل

لب پہ مسکان لاتے کیوں ہو؟
ہم کو روز ستاتے کیوں ہو؟
ہنس ہنس کے غیروں سے مل کر
دل پہ تیر چلاتے کیوں ہو؟
ہم سے کرتے بات ہو کم کم
پھر بھی ہم کو بھاتے کیوں ہو؟
کہہ دو صاف نہیں آؤں گا
وعدوں سے بہلاتے کیوں ہو؟
کر دو نا اظہار محبت
شاہین سے کتراتے کیوں ہو؟

سدرہ شاہین

نظم

برف سفید
جیسے روئی کے گالے

دعا

ایک ہاتھ تیرا ہو

اک چلتی جاگتی لڑکی کو
کیسے مارا ہے اس نے
کیسے چھینا ہے مان اس کا
اور کیسے خود کو دفنایا ہے
اس ہنستی کھیلتی لڑکی کو
زندگی نے اب گزارا ہے

ردا فاطمہ

غزل

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
دل اس نے توڑ دیا کسی اور کی الفت میں
خواب کی دہلیز پہ بجھے ہوئے دیپ
آہ و فغاں ہیں اپنی سیاہ قسمت پہ
خد و خال کی رعناء قصہ پارینہ بن گئیں
اب ملبوس ہیں ہم ماتم بہار اجڑن میں
کشکول محبت کی بھیک یوں دیتے ہیں مجھے
اب سکون نہیں کسی شخص کی قربت میں
مسمار ذات کا المیہ کیا سناؤں تمہیں
اک یہ غم ہے ہم سے کیا ہو سکا محبت میں

سارہ خان

نظم

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
اس ہی کو چھوڑ دیا میں نے
کہ جس کو دیکھ کر مجھ کو
بڑی راحت سی ملتی تھی
اسی کے دل کو توڑ دیا میں نے
اتنی زندہ دل لڑکی کو
ٹکڑوں میں توڑ دیا میں نے
جب سے اس کو چھوڑا ہے
مسکرانا چھوڑ دیا میں نے

وہ کہتی تھی سنو جاناں
میں تم کو یاد آؤں گی
اس بات کو بھی
ہنسی میں اڑا دیا میں نے
محبت کو بڑی بے رحمی سے
چھوڑ دیا میں نے

سیدہ عروج فاطمہ

میری زندگی

میری جان میری زندگی
سوچتی ہوں کہ
ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
چاہا بہت مگر کہہ نہ سکے تم سے
تمہاری محبت کے
رنگوں سے مزین ہے زیست
دل کی اتھاہ گہرائیوں سے
محبت ہے تم سے
ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
ہم تو سر عام اقرار بھی نہ کر سکے
شرم و حیا نے لب
وا نہ ہونے دیے محبت میں
محبت تو چاہتی ہے اپنی قدر
جو ہم کرتے ہیں بے حد صنم
ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
خود کو قربان کر دیں تم پہ
دل یہ چاہتا ہے
دل کی ہر چاہت پوری کر دیں محبت میں

ریما نور رضوان

تیری الفت

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
آ یہ سوچتے ہیں فرصت میں

ریاض حسین قمر

غزل

سب سے قسمت کی بات کیا کرتی
تپتے صحرا میں رات کیا کرتی
وہ تو خود اک چمکتا جگنو ہے
روشنی اس کے ساتھ کیا کرتی
جب تیرا نام لکھ لیا دل پر
پھر فیصلہ و ذات کیا کرتی
سب کو معلوم مدعا میرا
اس کے بارے میں بات کیا کرتی
ہار ہو گی تو نظر آئے گی
خود سے تسلیم مات کیا کرتی
جب بصارت ہی نہ رہے ساجد
پھر یہ دن اور رات کیا کرتی

سید ساجد

نظم

ہم سے کیا ہو سکا
محبت میں
کچھ کمی تھی
ضرور چاہت میں
تو جو یوں ہم
سے روٹھ گیا
خوشیوں کا ساتھ
بھی چھوٹ گیا
تیرے ہجر میں
سچ کہوں جاناں
میں نے محبت کی
شدت کو پہچانا
بن تیرے سانس
لینا مشکل ہے
لوٹ آ کہ جینے کا
یہی حل ہے

فرح بھٹو

غزل

پھول مہکے بہاروں کے زمانے آئے
یار بھی آخر پھر دل جلانے آئے
جن سے تھی امید وفا پھر سے ہمیں
نقش یادوں کے وہ بھی مٹانے آئے
ہم وہی ہیں یوں بدل گیا زمانہ
زخم دل کے پھر سے تجھے دکھانے آئے
جل اٹھے ہیں تیری وفاؤں کے چراغ
گزرے دنوں کے بعد پھر موسم سہانے آئے
پاس رہتے تھے جو میرے دل کے قریب
پھولوں میں آج وہ بھی کانٹے سجانے آئے
کسی کی زلفوں سے رہائی نہ پائی جاوید
روٹھے ہوئے دوست ہمیں یوں منانے آئے

محمد اسلم جاوید

کچھ خواب

کچھ خواب میں نے ہی سجائے تھے
کچھ خط میں نے جلائے تھے
جب دامن اس نے چھڑایا تھا
جب آس کا دیپ بجھایا تھا
یونہی صدیوں بعد مجھے دیکھ کر
مجھ سے نظروں کو چرایا تھا
پھر بھی
مجھ سے نہ ہو سکا محبت میں
کہ اس کو سزا کا حقدار ٹھہراؤں
اور اس کو سب بتلاؤں

جہاں بچھڑے تھے ہم آخری بار
تجھ کو بے چین کر کے ہم خود بھی کب
جی پائے خوشی سے ہم
تیرے ٹوٹے ہوئے دل کی آہ
زندگی بھر جلاتی رہی دل میرا
ناگ ڈستے رہے پچھتاوؤں کے
کاش جو ہوا وہ نہ ہوتا
وقت کے چلتے ہوئے پہیے کو
الٹا گھماتا ایک بار
اور اپنی طرف بڑھتے ہوئے تیرے ہاتھ
تھام لوں پیار سے اپنے ہاتھوں میں
ہم سے نہ ہو سکا محبت میں
ہم سے نہ ہو سکا محبت میں

رضوانہ صدیقی

قصہ ہجر

خواہش وصل بھی نہیں اب تو
قصہ ہجر کیوں سنائیں اسے
بستی کے جو اندھیرے ہیں
خواب کے ریشمی سے ڈورے تھے
کیوں کسی شام تم سے ملنے پر
داغ دل ٹھہر کے دکھائیں اب
اب اپنے اس تار تار دامن کو
یوں تیرے پاس یار لائیں اب
اس انا کے دیار میں پہلے
ہم نے جو زندگی گزاری ہے
تجھ سے ملنے کی لاکھ خواہش کو
اپنے سینے میں دفن کر ڈالا
آسمان سے جو شب غم اتری
اپنے ہاتھوں کی ہی کمائی ہے
تیرے قدموں تلے میں دل رکھ دوں
اپنی ہستی کو رول ڈالوں وہیں
تیرے جلنے بھی ہوں ستم جاناں
ہنس کے سب کو سمیٹ لوں اب کے
لاکھ خواہش ہو ساتھ جینے کی
اس انا کے دیار میں پہلے
آئے کچھ رائیگاں سا ہوتا ہے
لاکھ سوچوں کہ اس محبت میں
اپنی ہستی کو فنا کر ڈالوں
رول ڈالوں میں
اپنی آنکھوں کو ہجر کا تیرے غم مناؤں میں
آئے لاچار ہو سی جاتی ہوں
اس انا کے دیار میں پہلے
اپنی خواہش کو مار جاتی ہوں
کیا کہوں کس لیے یہ جینا
جب تیرا وصل کی نہیں خواہش
جب تیرے خواب اب نہیں بننے
غزل اتنا ہو سکا اب
ہم سے کیا ہو سکا محبت میں

نائمہ غزل

غزل

وہ اپنہ چال بدلتا نہیں کبھی
پھول سائے کے ساتھ چلتا نہیں کبھی
دے کے داغ جدائیوں کے ہمیں
میرے غم میں تیرا پیار ڈھلتا نہیں کبھی
تیری سوچوں کے گہرے سمندر میں
یہ دل میرا پھر سے ڈوبتا نہیں کبھی
فضا صاف ہے تیرے پیار کی طرح
کوئی کسی کے غم میں جلتا نہیں کبھی
ہم کیوں نہ بدل لیں راہیں اپنی جاوید
یہ دل کسی کی یاد میں دھڑکتا نہیں کبھی

محمد اسلم جاوید

☆

تہی داماں سمجھ کے چھوڑ دیا؟
جان تو دے ہی دیتے حسرت میں
تیری الفت میں بام و در چھوڑے
تم نے کیوں چھوڑ دیا وحشت میں
شاید، اک بار لوٹ ہی آ
ہم تو زندہ ہیں اسی حسرت میں
شاعری، عاشقی، کوزہ گری
ہنر سیکھے ہیں تیری الفت میں

شہباز اکبر الفت

نظم

آؤ بتلائیں تجھے جاناں
ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
دشت کی یاد کے صحرا میں
زرد پتوں کی جو کسک ہم نے چنی
وہ فقط تیرے لیے
لاحاصل خواہشوں کی بے اماں مسافتیں
رتجگے کے بوجھ سے چور
خزاں رسیدہ آنکھیں میری
نوحہ کناں وجود مرا
ہر بہتا اشک لہو رنگ لیے
فقط تیرے لیے
جدائیوں کی چلتی آندھیوں میں
مرے شہر کی بادِ سموم میں
گئی رتوں کا جو ملال ہے
سوئے ان در و بام میں
کچھ خواب
جاگتے ہیں کچھ خواب مرے
فقط تیرے لیے
تیرا فریب دینا بھی مشغلہ ٹھہرا
فقط میرے لیے
میرا فریب کھانا بھی مشغلہ ٹھہرا
فقط میرے لیے
ساحل کی تمنا بھول کر
بھنور میں ڈوبتی کشتی کا سفر کو چنا
فقط تیرے لیے
میرے تمام بکھرے لفظ
ان لفظوں میں دبی چاہت کی لو
فقط تیرے لیے
اب بھی کیا پوچھنا باقی ہے جاناں؟
ہم سے کیا ہو سکا محبت میں؟

قرۃ العین سکندر

محبت میں
ہم سے کیا ہو سکا محبت میں

اے میری جاں تمہاری چاہت میں
گھر میں رہتے ہوئے بھی در بدری
عمر گزری ہے ایسی ہجرت میں
زندگی کو بسر کیا میں نے
دو پل کی جیسی رفاقت میں
وہ جہاں تو نے مجھ کو چھوڑا تھا
میں وہیں کھڑی ہوں حیرت میں
ہم سفر چاہیے شجر جیسا
اک کڑی دھوپ کی مسافت میں
آپ مجھ کو نہ بھول پائیں گے
فیصلہ کیجیے نہ عجلت میں

ناہید اختر بلوچ

نظم

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
ہم تو تکتے رہے اس ڈگر کو بس

اگلے ماہ پوری کوشش کروں گی کہ شامل ہو سکوں

فریدہ فرید ـــــــــ پاکپتن

رفقائے ردا کو سلام خلوص اور عید قرباں مبارک۔ اگست کا جشنِ آزادی نمبر بروقت ہاتھ آگیا اور ہم سندیسہ لکھنے بیٹھ گئے۔ لاسٹ چند ماہ سے ہم اختیاری چھٹیوں پر تھے کیونکہ خط لکھنے کے چکر میں ہم میگزین ایک ہی دن میں چاٹ لیتے ہیں اور پھر باقی تمام ماہ حشرات الارض کو دنیا سے رفع کرتے گزر جاتا ہے لیکن اس ماہ ہمیں خط لکھنا ہی تھا کیونکہ پیاری آپی جان سے بتوسط نورین ملک ایک خوب صورت ملاقات ہوئی جس نے سالگرہ نمبر کو یادگار بنا دیا۔ آپی کی تصویر دیکھ کر یادداشت تازہ ہوگئی۔ آپی میرے کالج کے فنکشن میں ایز اے گیسٹ آئی تھیں۔ آپی کی شفقت ان کے انٹرویو کے ایک ایک لفظ سے ظاہر تھی وہ نئے لکھنے والوں کا تذکرہ کرنا کہیں بھی نہیں بھولیں۔ عیدالاضحیٰ اسپیشل میں نورین ملک کے انٹرویو کی ہم پرزور اپیل کرتے ہیں۔ ملاقات میں من مائل کی مایا علی کو پایا اچھا کیا۔ ''جینا'' کو نہیں لائے ورنہ ہم کوس کوس کے اسے اس کے ماں باپ کے پاس ہی پہنچا دیتے۔ آسیہ مظہر نے ردا کی ابتداء حب الوطنی کی اسٹوری کی مختصر مگر جامع اسٹوری تھی۔ آگے چلے تو آج کے ناول کی جھلک پا کے بلیوں اچھل پڑے اس نے بہت انتظار سہا ہے اپنی پیاری سکھیوں سے پہلی بار کہوں گی کہ اس ناول کو کرید کر مجھے نقائص سے ضرور آگاہ کریں مجھے تنقید کی بھوک ہے۔ ہر رائے میرے سر آنکھوں پر ہوگی۔ آپی جی کے افسانے کے رنگوں کی بارش میں ہم خوب بھیگتے ہوئے آگے بڑھے تو ایقان علی کی ''زہرہ'' سے ٹکرا گئے۔ آؤٹ اسٹینڈنگ تحریر ایک ایک لفظ شہد و آگہی میں ڈوبا ہوا (خوبانی کے پیڑوں پہ کھلے گلابی پھول) اس افسانے کی جان تھا اور زہرہ کی خاموش محبت یادگار رہ جانے والی تھی۔ عید کے رنگ میں بلا گل، آہم گل جی کے سنگ بہت مزے کے تھے۔ ریحانہ آفتاب ''ٹکڑے سے دل'' نے لطف سالگرہ نمبر دوبالا کر دیا۔ اشنا کی بدگمانی اور آئیجان کی شوخیاں دل کھینچنے والی تھیں۔ امبر افگن، ثناء اللہ دتہ کی میچور تحریروں سے گزر کر سحر مبین کا ''سالگرہ'' پڑھا۔ تازگی کا احساس ہوا۔ تہمینہ الیاس کے مکمل ناول نے مکمل ہونے تک اپنی جگہ سے ہلنے نہ دیا کہانی کی ابتداء میں بے اسٹیج اور ہیروئن ایمان میں کمال کی مماثلت تھی۔ پیاری سعدیہ عابد نے نازک سے مسئلے اور معمولی سمجھ کر کہے جانے والے جھوٹ پر افسانوی انداز میں خوب اچھی تنبیہ کی، ویل ڈن۔ شازیہ مصطفیٰ سے خالی ردا کو پہلی بار دیکھ کر کرنٹ لگا۔ فوراً نورین کے پاس دوڑ لگائی اور شازیہ جی کی ناسازی طبیعت کا جان کر انتہائی ملال ہوا۔ اللہ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے۔ اپنے اپنے انداز میں افسانے کو چار چاند لگاتی نائمہ غزل، آسیہ مظہر، جویریہ بانو، حنا کنول، سعدیہ اقبال اور رابعہ ولی کو میری نیک تمنائیں اور ڈھیروں پیار۔ رابعہ افضال نے ردا کی ڈائری میں کیا حکم نافذ کر دیا۔ مجھے تم کبھی یاد مت کرنا۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ اشعار میں نورین بانو کا انتخاب اچھا تھا۔ نورین ملک کے ''اس ماہ میں'' میں نائلہ ملک کا انتخاب ''ماں'' عمدہ اقتباس تھا۔ ''سندیسے'' کی بات کروں تو خط کی طوالت کا اندیشہ لازم آتا ہے کیا کریں افشاں علی کی بات نہ کریں ممکن نہیں گل رنگ ہستی ناول کی شدت سے خواہش ہے۔ رابعہ افضال ہوں اور سندیسے میں بہار نہ ہو۔ عانیہ نیازی کی مختصر انٹری بھی رونق لگا دیتی ہے وہ سندیسے کا منجھا ہوا رکن ہیں۔ کیتی آرا جی تو سندیسہ اسٹار ہیں فائیو اسٹار۔ درخشاں ضیاء کی ضیاء پاشی پہ ہم قربان، وہ ہستی جو آئی اور چھا گئی۔ دھنک ناز نے چار لفظوں میں چار کلو کی بات کہہ دی

سنڈیلیس

تمروش شہک ــــــ کراچی

میرا پیار بھرا صالحہ آپی اور نورین کو سلام۔ اس ماہ ردا گیارہ تاریخ کو بہت انتظار کے بعد ملا اور سب سے پہلے جو صالحہ آپی کا انٹرویو پڑھا تو موڈ جیسے فریش ہو گیا ہو۔ میں زیادہ تو نہیں جانتی تھی صالحہ آپی کو مگر انٹرویو میں آپ کی زندگی کے بارے میں جان کر نہ صرف خوشی ہوئی بلکہ میں تو کہتی ہوں آپ جیسی بہادر، حوصلہ مند، ہمت والی خاتون سے ہمیں بہت کچھ سیکھنا چاہیے۔ آپ کے لیے میرے دل میں مزید عزت و احترام، پیار و محبت بڑھ گئی ہے۔ آپ نہایت ہی نائس خاتون ہیں۔ ہمارے لیے مثال۔ میرے پاس تو وہ لفظ نہیں جن سے میں آپ کے لیے مزید تعریفی کلمات لکھوں بس یہی کہوں گی کہ آپ نے مجھے اپنے اس انٹرویو سے بہت کچھ سکھلا دیا۔ آپ میری بیٹیوں انا یا اور تابعہ کے لیے دعا ضرور کیجیے گا کہ ہمارے ان مردوں کے معاشرے میں لڑکیوں کا ایک خاص مقام و نام ہو اپنی پہچان ہو۔ بے شک میں اس بات سے منکر نہیں کہ عورت کو اس کی سب سے بڑی سپورٹ اس کے باپ، بھائی، شوہر کی ہوتی ہے مگر عورت کا ایک الگ مقام الگ کامیابی الگ پہچان ہونا بہت بڑی بات ہے جو صرف پڑھائی، محنت، ہمت و لگن سے آتی ہے۔ صالحہ آپی آپ میں یہ سب گٹس ہیں جو آج آپ اس مقام پر ہیں۔ میری دعا ہے رب العزت آپ کو ہر خوشی سے نوازے (آمین ثمہ آمین)۔ اب آئیں ردا ڈائجسٹ پر تو سب سے پہلے تو میں ان لوگوں کا بے حد بے حد شکر ادا کروں گی جو میری لکھی ہوئی کاوشوں کو پسند کرتے ہیں اور ان لوگوں کا بھی جو مجھ پر تنقید کرتے ہیں تنقید کرنا بہت آسان بھی ہے اور تنقید اچھی بھی لگتی ہے مگر پلیز، خدارا اس بات کو ذہن میں ضرور رکھیے کہ آپ کے سخت الفاظ کسی کا دل نہ دکھا دیں۔ فرح ناز رفیق آپ کا تو میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی میرے لیے بہت بڑی بات ہے کہ آپ نے مجھے فیس رائٹر رفعت سراج سے ملایا ورنہ یقین کریں میں ابھی بھی کہتی ہوں مجھے ابھی بھی اتنا اچھا لکھنا نہیں آتا مگر جو لوگ مجھے پسند کرتے ہیں ان کا بہت بہت شکریہ آپ لوگوں کی تعریف اور تنقید ہی میرے لیے حوصلے کا کام کرتی ہے کہ میں مزید اچھا لکھنے کی کوشش کروں۔ مایا علی کو پڑھنا اچھی ایکٹریس ہیں۔ افسانے میں تو سب ایک سے بڑھ ایک ہیں کسی ایک کی تعریف دوسری رائٹر کے ساتھ زیادتی ہے۔ تہمینہ الیاس زبردست۔ کہاں غائب ہو جاتی ہیں آپ لکھتی رہا کریں۔ ریحانہ آفتاب، فریدہ فرید نے بھی بہت اعلیٰ لکھا۔ ریحانہ آفتاب کا "جھلی رہے" پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ بہت بہترین لکھا ہے۔ امبر افلن شائل، ایسے بہت سے کردار بہت سے گھرانے آج بھی ہمارے ارد گرد ہیں آپ نے معاشرے میں پنپنے والے کرداروں کی بالکل ٹھیک عکاسی کی ہے ویلڈن۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اجازت دیجیے ان انشاء اللہ

شہلا گل سحر ــــ کوہاٹ کینٹ

ڈیئر آپی مسکراتی رہو، السلام علیکم! اس دعا کے ساتھ آغاز کہ ردا کے قارئین ہمیشہ مسکراتے اور غموں سے دور رہیں، آمین۔ ردا مہکتا خوشبوؤں کو بکھیرتا ملا۔ فریدہ فرید کا سلسلے وار ناول دیکھ کے دل خوش ہوا۔ وہاں عائشہ کے ناول اور حائقہ کے اختتام پر دل خفا ہوگیا۔ عائشہ یار ویلڈن ہر قسط پر گرفت مضبوط رہی۔ بہت اچھا لکھا زبردست۔ باقی کے ناول اور ناولٹ بھی اچھے رہے۔ افسانے سارے تو نہیں مگر کچھ پڑھے ہیں۔ ثناء کنول ویلڈن یار۔ ہر ماہ لکھا کرو۔ پیارا لکھتی ہو۔ سارے غموں کو لفظوں میں اتار لو۔ عائشہ الیاس نے بھی اچھا لکھا۔ سحر مبین کا افسانہ بھی اچھا لگا۔ پیاری رائٹرز اچھا لکھتی ہیں۔ سندیسے میں انشاں علی، گیتی آراء اور رابعہ افضال اور دھنک ناز نے بھی اچھا لکھا۔ گیتی آراء آپ کا عید کے حوالے سے افسانہ بہت پیارا تھا اور رابعہ افضال سویٹ تعریف کا شکریہ۔ صبا کدھر ہو مس یو۔ اور فریدہ میرے افسانوں پر آپ کا تبصرہ مجھے بہت اچھا لگے گا۔ ڈیئر افشاں! آپ کی تحریر کا انتظار ہے۔ آج کل بہت غائب رہتی ہو۔ ماریہ یاسر بھی غائب تھیں۔ درخشاں کے تبصرے اور شاعری پیاری ہوتی ہے۔ سب کے لیے دلی دعائیں اور پیار۔

درخشاں ضیاء ــــ کراچی

پیاری صالحہ آپی! امید کرتی ہوں آپ اور تمام ردا اسٹاف بخیریت و عافیت سے ہوں گے۔ جشن آزادی سالگرہ نمبر بلاشبہ بہت بہترین رہا۔ ایک سے بڑھ کر ایک کہانی پڑھنے کو ملی اور سونے پر سہاگہ آپ کا انٹرویو رہا جو ہماری بہت ہی پیاری نورین آپی نے زبردست طریقے سے لیا۔ سچ بتاؤں صالحہ آپی! آپ کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا۔ آپ کی سب سے بہترین بات یہ کہ آپ ہم میں اپنے آپ کو دیکھتی ہیں، آپ ہمیں آگے بڑھتا دیکھنا چاہتی ہیں، نئے رائٹرز کے لیے ردا کامیابی کا زینہ ہے اور اس کا سارا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے۔ اس ماہ سب نے ہی بہت زبردست لکھا پھر چاہے وہ ایقان علی ہوں یا ریحانہ آفتاب اور آپ کی تحریر کی تو خیر کیا ہی بات ہے۔ زبردست۔ ''کانچ کی مسافت'' عائشہ الیاس کی تحریر بہت اعلیٰ تھی ایسے شیطان صفت لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ اللہ سب کو ہدایت دے۔ ''عید کے رنگ ردا کے سنگ'' شہلا آپی آپ تو چھا گئیں۔ کیا کمال لکھا آپ نے۔ ریحانہ آپی آپ کا ناول ''جھلی رے'' بہت کمال رہا۔ ''تیرے سنگ کی میں ٹھہر سکوں'' امبر افگن کا ناولٹ بہت اچھا رہا۔ ''ہجر محبت کی یاد میں'' سعدیہ اقبال کی ہلکی پھلکی رومانوی تحریر تھی۔ سحر مبین کی سالگرہ بھی اچھی لگی۔ ''تن کی دنیا'' جویریہ بانو بہت کمال لکھا۔ ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت کو قلمبند کیا آپ نے۔ تہمینہ الیاس ''تم دل میں دھڑکن'' واہ بہت اچھا لکھا۔ حاشر اور ایمان کی کیوٹ سی لو اسٹوری مزہ دے گئی۔ حورینہ سعد نے بھی اچھا لکھا۔ رابعہ ولی کا افسانہ بھی اچھا رہا۔ ''زندگی روٹھ جائے تو'' سعدیہ عابد کا افسانہ کافی افسانوی تھا۔ نادیہ غزل کا افسانہ ''دوہرے معیار'' حقیقت سے انتہائی قریب تھا۔ نادیہ آپ کے لکھنے کا انداز لاجواب ہے۔ نورین آپی نے اشعار کی محفل زبردست سجائی۔ اس ماہ اشعار آف دی منتھ جاتا ہے نورینہ کے شعر کو۔ ''اس ماہ میں بہترین تحریر بلاشبہ شمائلہ ملک کی ''ماں'' تھی۔ ''خوشبو'' میں بھی تمام دوستوں نے خوب رونق لگائی۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں بھی تمام دوستوں نے اچھا لکھا۔ ذرا پھر سے کہنا آف دی منتھ جاتا ہے۔ شہلا آپی کی نظم اور سید ساجد کی غزل کو۔ ''سندیسے'' میں افشاں، رابعہ، گیتی آراء آپی، عانیہ، دھنک ناز

اور حنا علی کو تو ہم دارم ولی کم کم کرتے ہیں۔ عجب سرزمین ہے ردا کی اپنے ہی گھر میں اپنوں کو اپنے ہی خوش آمدید کرتے ہیں۔ صبا عبدالغنی ڈھونڈ ڈھونڈ آنکھیں تھک گئیں اور نہ پا کر بالآخر برس گئیں۔ دوستوں کے نام پیغام میں رابعہ افضال بازی لے گئیں آپی کو بروقت وش کر دیا ہم سوچتے رہ گئے۔

گیتی آراء ــــ کراچی

پیاری آپی اور ڈیئر نورین السلام علیکم! سب سے پہلے تو پیاری آپی کو سالگرہ کی دلی مبارک باد۔ اللہ آپ کو ایسی ہزاروں خوشیاں اور گھڑیاں دیکھنا نصیب کرے، آمین۔ اور یوم آزادی کی بھی دلی مبارک باد۔ اب بات ہو جائے ماہ اگست کے سالگرہ نمبر کی جو کہ اپنے اندر دو بڑے بڑے سرپرائز لیے ہوئے تھا سب سے پہلا اور سب سے بڑا سرپرائز تو ہماری جان عزیز آپی کا انٹرویو جو کسی سرپرائز سے کم نہ تھا جسے پڑھ کر ہم آپی کی پروقار اور خوب صورت پرسنالٹی سے بے حد متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے۔ بہرحال آپ کی منفرد سی شخصیت کے بارے میں پڑھ کر مزہ آگیا اور اب بات ہو جائے دوسرے سرپرائز کی جو کہ جناب آپ کا عید نمبر سالگرہ نمبر کے لیے دوسرا افسانہ ''بس ایک جھلک کی عید'' تھا جس کی خوب صورت منظر کشی اور خوب صورت ڈائیلاگ خاص کر یہ جملہ کہ ''بھیگی برسات کی یہ پہلی ٹھوکر تھی جب وہ بالکنی پر سرد ہواؤں کے جھونکوں سے سہم کر بالکنی پر کھڑی رہ گئی۔'' واہ کیا حسین لفظوں جملوں کی جادوگری ہے۔ مزہ آ گیا۔ ''ردائے جنت'' ہمیشہ کی طرح دل میں ایمان کی شمع جلا گیا۔ ملاقات میں اپنی فیورٹ مایا علی کو پڑھ کر جان کر خوشی ہوئی۔ ایقان علی کی ''زہرہ'' کا طرز تحریر متاثر کر گیا۔ شاہ کنول کی ''دل دنگاہ میں کسی طور کے عذاب اترے۔ کشمیری جیالوں پر لکھی ایک منفرد سی متاثر کن تحریر تھی۔ بس اللہ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔ شہلا گل سحر تمہاری تو عید کے رنگ ردا کے سنگ'' میں ہم تو کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ حالانکہ ردا سے ہماری سنگت تو تم کئی سال پرانی ہے۔ خیر یہ تو ایک مذاق کی بات تھی۔ بہرحال تمہارا افسانہ پڑھ کر مزہ آیا۔ جویریہ بانو بھی تن کی دنیا خوب صورت لفظوں جملوں کی جادوگری پڑھنے والے کے دل میں اپنی جگہ بنائے بنا نہ رہ سکی افسانے کے ابتدائی ڈائیلاگ اور جملے خاصے متاثر کن تھے۔ واہ! سعدیہ اقبال ''ہجر محبت کی یاد میں'' اور آسیہ مظہر ''یہ دھرتی ہمارا مان ہے'' بھی سبق آموز تحریر تھی۔ ''ردا کی ڈائری'' میں انتصار ساجد اور پروین شاکر کا کلام زبردست تھے۔ خوشبو اس ماہ میں ہمیشہ کی طرح متاثر کن رہا۔ اب باری ''سندیسے'' کی جو کہ بقول عانیہ کے دراصل یہ ہمارے لیے آئینے کا کام دیتا ہے۔ سب سے پہلے تو افشاں علی، عانیہ نیازی اور دھنک تارا آپ تینوں کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہماری تحریر کو پسند کیا۔ بس آپ ہی تو ہم ہیں ''دوستوں کے نام پیغام'' میں پیاری شاہ کنول اتنے پیارے سے اتنے پیارے پیارے لفظوں میں اتنے پیارے پیارے شعر میں ہمیں یاد رکھنے کا بے حد شکریہ۔ سدا خوش رہو ہنستی رہو، آمین۔ ''دنگھار'' میں جلد سے متعلق باتیں بہت اہم اور مفید رہیں۔ باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ ''سندیسے'' میں شامل ہونے کو اب تک جتنا پڑھا اس پر تبصرہ حاصل ہے۔ ارے لو اب تک جتنا رسالہ اور افسانے پڑھے ان سب میں سب سے بیسٹ اور اچھی تحریر کے بارے میں لکھنا تو بھول ہی گئی۔ سحر مبین کی ''سالگرہ'' جو اپنے اندر ڈھیر دل چسپی اور خوب صورت طرز تحریر لیے دل میں اتر گئی۔ واہ سحر! تم ایک چھوٹے سے ٹاپک اور موضوع کو خوب صورت انداز اور دلچسپ انداز میں تحریر کیا کہ پڑھ کر مزہ آ گیا۔''

ہے تمہارا تبصرہ اور تم بھی۔ ڈھنک، ناز اور حنا علی تمہارے بھی چنے سے تبصرے پسند آئے۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' بھی سب کو پہنچ گئے۔ ''کچن'' میں جھانک لیتی ہوں پر بناتی اپنی مرضی کا ہوں۔ آخر میں ''سنگھار'' پر پہنچے تو سب سمجھ گئے ہوں گے کہ لڑکیاں ''سنگھار'' کے بغیر ادھوری ہیں۔ امید ہے تبصرہ پسند آئے گا۔ اب اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ ردا کو دن دگنی اور رات چگنی ترقی دے اور یہ دنیا کے افق پر جھلملاتا رہے، آمین۔

شبینہ قیصر ــــــ راولپنڈی

محترمہ صالحہ محمود السلام علیکم! آپ کو شبینہ یاد تو ہوگی کہ کافی عرصہ آپ کے آفس میں کام کیا ہے۔ میم! میں وہی شبینہ ہوں آج بہت سالوں کے بعد آپ سے ہم کلام ہو رہی ہوں۔ میم! شادی کے بعد سسرال اور بچوں میں ایسی الجھی کہ شعر و شاعری اور کہانیاں پڑھنا خواب ہوا۔ پھر ہر شہر پوسٹنگز، بچوں کی پڑھائیاں اجازت ہی نہیں دیتی تھیں کہ کوئی ایکسٹرا کام کروں۔ آج کل راولپنڈی میں ہوں اور دوبارہ سے تحریک ہو رہی ہوں۔ بہت ڈھونڈا لیکن ''ردا'' نہیں ملے۔ نئے نہ پرانے۔ یہاں بک شاپ نزدیک نہیں ہے۔ کراچی میں ایک دوبار ردا ڈائجسٹ پڑھنے کا موقع ملا۔ کافی نئی رائٹرز آ گئی ہیں اور بہت بہت لکھ رہی ہیں۔ یقیناً میری تحریروں کو بھی جگہ ملے گی۔ آپ کے گھر میں بھی انشاء اللہ سب اچھے ہوں گے۔ عائشہ ڈاکٹر بن گئی ہوگی اور آپ کے بیٹے، بہو اور بچے بھی ٹھیک ہوں گے۔ اللہ آپ کو اور آپ کے پیاروں کو ہمیشہ خوش رکھے، اپنی تحریر کے ساتھ جلد دوبارہ حاضری دوں گی۔''

☆ سویٹ شبینہ! ہمیشہ تم میرے خیالوں میں آباد رہتی ہو۔ تمہاری مینجمنٹ، ابتدائی دنوں کی مصروفیات میں تمہارا تعاون ردا کا ایک حصہ ہے۔ تمہیں اتنے زیادہ تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ شبینہ ملک کہہ دینا ہی کافی تھا۔ سندیسہ کھولنے سے پہلے ہی میں جان گئی کہ یہ میری شبینہ ہے۔ میری جان! تمہیں ردا حاصل کرنے کے لیے اتنی دشواری ہوتی ہے۔ سو ردا آپ کے نام کرتے ہیں۔ اللہ آپ کو خوش اور آباد رکھے۔ قیصر کیسا ہے؟ اس کا خیال رکھیے گا۔ تم دونوں مجھے بہت یاد آتے ہو۔ ویسے اشرف نیوز ایجنسی راولپنڈی سے ردا مل سکتا ہے کیونکہ وہ ہمارے نیوز ایجنٹ ہیں۔

ریحانہ آفتاب ــــــ کراچی

ڈیئرسٹ صالحہ محمود جی السلام علیکم! خیریت کی طالب، بہ خیریت موجود ہوں۔ سب سے پہلے بہت شکریہ کہ ''جھجی رہے'' کو آپ نے ردا کے صفحات میں جگہ دی۔ نورین ملک آپ کے خلوص کا بھی شکریہ جس اپنائیت سے آپ نے بات کی۔ صالحہ جی! ردا کے دروازے ہم پر کھولنے کے لیے شکریہ۔ آپ کی محبت نے ہمت دی۔ آپ کا تعاون جاری رہا تو میں بھی ردا سے رشتہ بنائے رکھوں گی۔

☆ سویٹ ریحانہ! آپ کو ہم ویلکم کرتے ہیں ردا میں۔ ردا آپ کا اپنا ہے لکھئے اور ڈھیر سارا لکھئے۔

اسویرہ علی ــــــ کراچی

ڈھیروں سلام اور دعاؤں کے بعد آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ جون کے ردا میں میری کہانی کو شامل اشاعت فرما کر عزت بخشی۔ اب اگست کے ماہنامے کے ساتھ حاضر ہوں۔ عید پر ہنستی مسکراتی ماڈلز کے ساتھ ردا دل کو بھا گیا۔ شمارے میں شامل تمام ناول، ناولٹ اور افسانے عید کا رنگ لیے دل گھر کر گئے اور ماشاء اللہ سے سبھی رائٹرز نے بہت بہت اچھا لکھا۔ صرف کسی ایک کی تعریف کرنا دوسرے کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ ردا کامیابی سے یونہی اپنا سفر جاری رکھے۔ ☆☆☆

اور حنا علی! اسے آدھی ملاقات مزا دے گی یا اب آتے
ہیں ناول آف دی منتھ کی طرف میرے حساب سے
ناول آف دی منتھ ''تم دل میں دھڑکن'' تہمینہ
الیاس کا رہا۔ افسانہ آف دی منتھ چننا بہت مشکل تھا
سب نے ہی بہت زبردست لکھا۔ صالحہ آپی کا افسانہ
پڑھ کر رائے دینا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ اس لیے
ان کا افسانہ ہٹا کر افسانہ آف دی منتھ جاتا ہے نائمہ
غزل کے افسانے ''دوہرے معیار'' کو۔ ''کچن'' اور
''دسنگھار'' ہمیشہ کی طرح کارآمد تھے۔ شکریہ شہلا آپی
اور ثریا آپی۔ صالحہ آپی 14 اگست کو آپ کی سالگرہ
ہے۔ بہت بہت مبارک باد! اللہ پاک آپ کو صحت و
تندرستی کے ساتھ لمبی عمر عطا کرے، آمین۔ انشاء اللہ
پھر ملاقات ہو گی ایک شعر اپنی تمام دوستوں رابعہ
افضال، کیتی آراء، افشاں، ریما نور، نائمہ غزل،
فریدہ فرید، ریحانہ آفتاب نورین آپی، شہلا آپی اور
صالحہ آپی کے نام۔

خدا کرے سلامت رہے کسی دعا کی طرح
اک تو اور دوسرا مسکرانا تیرا

نیک تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ اجازت
دے دیں۔

ثوبیہ ملک ———— کراچی

تمام قارئین اینڈ ردا اسٹاف، صالحہ آپی اور
نورین آپی کو پیار بھرا اسلام۔ ردا ہاتھ میں آتے ہی
خوشگوار سا احساس ہونے لگتا ہے۔ جیسے پیاسے کو
پانی میسر آجائے، تو جی ایک بار پھر ہم تبصرے کے
لیے حاضر ہیں۔ سب سے پہلے ٹائیٹل کی بات کریں
تو اچھا تھا۔ ٹائیٹل پر نظر دوڑانے کے بعد ہم نے
فہرست پر نگاہ ڈالی۔ پھر جلدی سے ''گوشہ آگہی''
سے مستفید ہوئے اور ''ردائے جنت'' کو دل میں
بسایا۔ اس کے بعد سب چھوڑ چھاڑ کر صالحہ آپی کا
انٹرویو پڑھا۔ پھر ایک بار نہیں تقریباً چار بار پڑھ ڈالا
لیکن ہر بار یوں لگتا جیسے پہلی بار پڑھ رہی ہوں۔
بے شک آپی یہ آپ کی محنت کا ثمر ہے جو ردا آج اس
مقام پر ہے۔ دل چاہ رہا ہے کہ آپ کے ہاتھ چوم
لوں اگر ہو سکے تو آپی نورین کا انٹرویو شائع کیا
جائے۔ عائشہ جی کی کہانی کا اینڈ زبردست تھا بہت
اچھا لگا۔ اس کے علاوہ مکمل ناول میں ریحانہ آفتاب
ٹاپ پر رہیں کیا زبردست لکھا ہے۔ فریدہ فرید کا بھی
اچھا تھا ثانی الحال جاری ہے تو مکمل ہونے پر اس پر
تفصیلی تبصرہ ہو گا۔ اس کے بعد ''تم دل میں
دھڑکن'' کو پڑھا جو کہ اچھا تھا۔ اس کے بعد دوبارہ
واپس پلٹے اور مایا علی کے بارے میں جانا اور پھر
باری آئی ناولٹ کی۔ عائشہ الیاس ہمیشہ ہی منفرد
ٹاپک کے ساتھ آتی ہیں اور ثابت کرتی ہیں ان سا
ہو تو کوئی سامنے آئے۔ اس کے بعد ''کسی بے بسرے
لمحے میں ٹھہر سکوں'' امبر نے بھی اچھا لکھا۔ افسانوں
پر نظر ڈالی تو سب سے پہلے صالحہ آپی کا افسانہ موجود
تھا زبردست ''عمر لوٹ'' ہی آیا اور رمشا کو مایوس
نہیں کیا۔ ''عید کے رنگ ردا کے سنگ'' ہلکی پھلکی
تحریر تھی۔ پڑھ کر دل میں سکون سا اتر گیا۔ ایقان علی
تو ہمیشہ ہی اچھا لکھتی ہیں۔ سحر مبین، حنا کنول، سعدیہ
عابد نے بھی اچھا لکھا۔ سعدیہ اقبال، جویریہ بانو،
رابعہ ولی، نائمہ غزل اور آسیہ مظہر آپ کی تحریریں بھی
لاجواب تھیں ''ردا کی ڈائری'' میں سب کا انتخاب
ہی پسند آیا۔ خاص کر ریما ناصر اور کرن ناز۔ اشعار پر
نظر دوڑائی تو سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔
''اس ماہ میں'' نورین آپی نے بہت اچھی محفل
سجائی۔ پھر جو صفحہ پلٹا تو ایک دم خوشبو نے اپنے
حصار میں جکڑ لیا ابھی اس حصار سے نکلے بھی نہ تھے
کہ ''ذرا پھر سے کہنا'' نے اپنی جانب کھینچ لیا۔ واہ
جی سندیسے میں اتنی ساری پریاں موجود ہیں۔
درخشاں ضیاء کا مکمل تبصرہ پسند آیا، افشاں علی تم تو
سندیسے میں چار چاند لگا دیتی ہو، رابعہ افضال اور
کیتی آراء کا نام ہی کافی ہے۔ عانیہ نیازی کی لاجواب

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



صالحہ آپی کے نام

آپ کی سالگرہ کے موقع پر دلی دعائیں اور نیک تمنائیں۔

اپنی سوچ کے گلشن میں کھلتا ہوا ہر گلاب
اپنی آنکھوں میں تیرتا ہر کنول
اپنی حیات کا گزرتا ہر پل
تیرے نام کرتی ہوں
لبوں پر مچلتی ہوئی پرخلوص دعائیں
دل سے نکلتی ہوئی نیک تمنائیں
اور سب سے بڑھ کے
اپنی ذات کی ہر
خوشی
بھی آپ کے نام کرتی ہوں

سالگرہ بہت بہت مبارک۔ ایسی ہزاروں سالگرہ آپ منائیں اور آپ کا ہر دن عید اور آپ کی ہر رات شب برات ہو۔ آمین۔

شہلا گل سحر صالح۔ کوہاٹ

بہت اپنی سی صالحہ آپی کے نام

السلام علیکم! دل کی گہرائیوں سے آپ کے لیے پیار۔ بہت دفعہ دل چاہا کہ آپ کا شکریہ ادا کرسکوں مگر میری نالائقی ہی کہیے کہ ہر دفعہ ہی جلدی جلدی میں سندیسہ لکھ کر پوسٹ کردیتی مگر آج آپ کی محبت نے یوں جکڑا کہ کوئی عذر بھی کام نہ آسکا۔ پیاری آپی میں آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کیونکہ آپ ہی وہ شخصیت ہیں۔ جس نے میرے ہاتھ میں قلم کو پکڑنا سکھایا۔ ورنہ میں تو لفظوں کے مفہوم سے ہی ناآشنا تھی مگر آپ نے تو میرے ٹوٹے پھوٹے لفظوں کو ردا میں جگہ دے کر گویا مجھے خرید ہی لیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں نے پڑھا کہ آپ نئے لکھنے والوں کو جگہ دیتی ہیں میں نے بھی کوشش کر ڈالی اور سچ کہوں تو مجھے ہرگز یقین نہیں تھا کہ آپ جواب بھی دیں گی اور میری تحریر کو ردا کی زینت بنائیں گی لیکن آپ نے میرے خدشات کو غلط ثابت کیا اور جیسا ردا میں کہا ویسے ہی سچ کر دکھایا اگر آج میں کچھ لکھ رہی ہوں تو وہ صرف آپ کی وجہ سے ہے۔ آپ واقعی ہی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ شاید میں شکریہ کے لیے آپ کا حق ادا نہ کرسکوں لیکن ایک چیز ہے جو میں آپ کے لیے کروں گی اور وہ ہے دعا کہ آپ کو اللہ دنیا کی تمام خوشیاں دے کہ آپ کا دامن تنگ پڑ جائے، آمین۔ ہمیشہ خوش رہیں اور ردا کو مزید بہتر سے بہتر بناتی چلی جائیں۔ آخر میں تمام ردا رائٹرز اور قارئین کو سلام۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ آپ سب کی اپنی۔

ثوبیہ ملک۔ کراچی

سمیع اللہ کے نام

لال چوڑیاں
جاناں
تمہیں یاد ہے
اک دن تم نے وعدہ کیا تھا
کہ عید پر
میرے لیے لال چوڑیاں لاؤ گے
سنو جاناں
عید تو آگئی ہے
کیا تم چوڑیاں لاؤ گے
یا پھر ہر وعدے کی طرح
بھول جاؤ گے

کلام: عائشہ نور
اسماء جمشید۔ ڈی آئی خان

دوستوں کے نام پیغام

عید سروے کے نام

عید سروے ردا کا منفرد اور سب سے دلچسپ سلسلہ ہے۔ جتنے مزے کے سوال تھے سکھیوں کے جوابات بھی اتنے ہی دلچسپی لیے ہوئے تھے۔
شازیہ مصطفیٰ نے خوب کہی "شادی سے پہلے چاند وہی ہوتے ہیں تو کیا شادی کے بعد نہیں......!"
نظیر فاطمہ کی چاندرات کے تلخ تجربے سے ہم نے گھر بیٹھے ہی استفادہ کرلیا نہیں نکلنا چاندرات کو۔
کیکی آراء کے یادگار واقعے نے دکھ دیا۔ میں شگن، بدشگونی کو تو نہیں مانتی مگر والد کی حکم عدولی کا نقصان ضرور ہوتا ہے مگر موت برحق اور اپنے وقت پر مقرر ہے اس کا تعلق ہمارے عمل سے نہیں کیکی جی آپ کو یہ سوچ اپنے ذہن سے جھٹک دینی چاہیے اللہ آپ کے بھائی کو حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غلاموں میں شامل فرمائے۔
ماریہ یاسر! آپ کی بدمزہ عید کا پڑھ کر ہم خوب ہنسے عموماً افسانوں میں ہیروئن جس رشتے دار سے چڑتی ہیں وہ بعد میں "ان" بن جاتے ہیں شکر کیجیے آپ اس اتفاق سے بچ گئیں۔
ماریہ عمران! پیا سنگ عید یقیناً اچھی ہوتی ہے مگر ماں باپ بہن بھائیوں کے ساتھ بتائی عیدیں ہی اصل عید اور باعث خوشی تہوار ہیں۔
سحر مبین کے نٹ کھٹ جوابات اور معنی خیزیت نے پڑھنے میں لطف دیا ویسے آپ کی مما کو دیکھنے کا تجسس بڑھ گیا ہے۔
موون بخاری! اللہ آپ کو مدینہ پاک میں عید نصیب کرے، آمین۔
قرۃ العین سکندر! آپ کے ہسبنڈ کے ساتھ عید پر جو ہوا وہ واقعی تکلیف دہ تھا۔
سباس گل! عید تحریر چاہیے تھی آپ نے چند جوابات پر ٹرخا دیا۔ اسے کہتے ہیں کنجوسی۔
مادرا بشارت! آپ کی نصیحت سر آنکھوں پر اللہ ہمیں توفیق دے۔
ایقان علی! آپ رشتے داروں سے سخت نالاں ہیں ہر لفظ سے عیاں تھا اللہ انہیں نیک ہدایت دے۔
شہلا گل! خدا وہ دن لائے ہم آپ کا بنا شیر خرمہ کھا کر انگلیاں چاٹ لیں۔ یہ کیا سروے ختم اور کدھر ہیں میری پیاری سکھیاں۔ نہ عائشہ نہ افشاں، رابعہ کہاں گم ہو آج کل۔
صبا عبدالغنی اچھا نہیں کیا اور مصباح رؤف غیر حاضریاں بڑھتی جارہی ہیں۔ ریما نور تو بس دوستوں کے نام پیغام تک رہ گئی ہیں۔ "سندیسے" زیادہ دور تو نہیں ریما جی سعدیہ عابد ہم آپ کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں انٹرویو ہی دے دیں۔ درخشاں ضیاء عید سروے سے رخصت قبول نہیں۔ سب سکھی سہیلیوں کو عیدالاضحیٰ کی بہت بہت مبارک۔

فریدہ فرید۔ پاکپتن شریف



مٹن حلیم

اجزاء

مٹن ہڈی کے بغیر	ایک کلو
تیل	آدھا کلو
دال چنا	آدھا پاؤ
دال ماش	آدھا پاؤ
دال مسور	آدھا پاؤ
دال مونگ	آدھا پاؤ
حلیم مصالحہ	2 کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ	2 کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ادرک (کاٹ لیں)	2انچ کا ٹکڑا
لہسن	1 پوتھی (15-12 جوئے)
ہری مرچ	8عدد
پیاز (کاٹ لیں)	3عدد
دلیہ گندم	100 گرام
کارن فلور	2 کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

☜ مٹن کو دھو کر صاف کر لیں اور ایک بڑے پین میں ڈال دیں۔ لہسن کو گرائینڈ کر لیں اور اس کا جوس مٹن والے پین میں شامل کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی اس پین میں ڈالیں پیاز، نمک، ہلدی، سرخ مرچ اور دو کلو پانی۔ پھر پین کو چولہے پر چڑھا دیں اور درمیانی آنچ پر پکنے دیں۔

☜ اس دوران دالیں صاف کر کے (الگ الگ پیالوں میں) پانی میں دو گھنٹے کے لئے بھگو دیں تاکہ وہ نرم پڑ جائیں۔ پھر انہیں حسب ذائقہ نمک ڈال کر ابالنے رکھ دیں۔ مٹن تیار ہو جائے تو بھون کر آنچ پر سے ہٹا لیں۔ دالیں گل جائیں تو ٹھنڈا کر کے انہیں پیس لیں (یا گرائینڈ کر لیں) پھر دال کے اس آمیزے کو مٹن والے پین میں ڈال کر گھوٹا لگائیں اور پہلے کی طرح پانی ڈال کر پکنے دیں۔

☜ جب تک پانی خشک ہو بار بار پین میں گھوٹا لگاتی رہیں۔ جتنی گھوٹیں گی اتنی لذیذ حلیم تیار ہو گی۔ اس پین میں گندم کا دلیہ اور گرم مصالحہ اور ہری مرچیں ڈال کر خوب گھوٹیں اور پکنے دیں تاکہ پانی صرف ایک چوتھائی رہ جائے اور حلیم خوب گاڑھا ہو جائے۔ اب اس میں کارن فلور (پانی میں گھول کر) چمچ چلاتے ہوئے مکس کر دیں۔

☜ تھوڑی دیر دھیمی آنچ پر پکنے دیں تیل اوپر آجائے۔ پھر لہسن اور پیاز کو ایک الگ پین میں براؤن کر کے اس کا تڑکہ حلیم میں لگائیں اور اوپر سے ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال کر گارنش کریں ادرک باریک کتر کر بھی ڈال سکتی ہیں۔ لیموں چھڑکنے سے بھی حلیم مزید ذائقے دار ہو جائے گی۔

نوٹ۔ آپ حلیم کو جس طرح چاہیں مزید مصالحوں سے گارنش کے سرو کر سکتی ہیں۔

دوستوں کے نام

پیاری اور سویٹ سی فریدہ فرید، ثناء کنول، شہلا گل سحر، گیتی آراء آپی اور قمر وش جی آپ سب لوگوں کو عید کی بہت بہت مبارک باد۔ میری دعاؤں میں ہمیشہ آپ لوگ شامل رہتی ہیں اور آپ سب لوگوں کی وجہ سے سندیسے اور دوستوں کے نام پیغام کی محفل خوب سجی رہتی ہے۔ خوش رہیے سدا۔

صبا سحر۔ ہارون آباد

میرب کے نام

میری لولی سی گرین آنکھوں والی ڈول کی 6 ستمبر کو سیکنڈ برتھ ڈے ہے۔ خالہ جانی کی طرف سے بہت سا پیار اور ڈھیروں ڈھیر دعائیں۔ جہاں میری گڑیا پیر دھرے وہاں پھول کھلیں۔ خدا بلند نصیب کرے اور سارے جہاں کی خوشیاں میری گڑیا کا نصیب ہوں، آمین۔

دھنک ناز۔ کراچی

احمد کے نام

آپ سے مل کر ہم نے یہ جانا
محبت کیا ہے
یہ چاہت کا احساس کیا ہے
آنکھوں میں خمار
ہونٹوں پر مسکان
یہ سب آپ کے پیار کا اعجاز ہے

احمد! آپ کے سنگ یہ زندگی حسین ہے اور آپ کا ساتھ میرے لیے بہت خاص ہے۔ آپ کے پیار اور مان نے مجھے سنوار اور نکھار دیا ہے۔ میری دعا ہے ہمارا ساتھ یونہی محبتوں اور چاہتوں کے سنگ سدا قائم رہے، آمین۔

نور احمد۔ کراچی

رضوان جی کے نام

تمہیں ضد ہے کہ میں کہہ دوں
مجھے ضد ہے کہ تم کہہ دو
مجھے تم سے محبت ہے
کہو مجھ سے محبت ہے
نہیں یہ جانتے دونوں
محبت کب محتاج ہے
لفظوں کی، باتوں کی
محبت تو ہماری دھڑکنوں کے ساز میں شامل
سریلے گیت کے مانند
محبت یاد کی دیوی، جو تمہاری رات کو اکثر
آتی ہے آنکھوں میں
محبت مسکراہٹ ہے
حسین نازک سے ہونٹوں میں
محبت صندلی ہاتھوں کی
نازک لرزشوں میں ہے
محبت سوچ کی گہرائیوں
سے پھوٹتی خوشبو ہمیشہ ساتھ رہتی ہے
محبت آنکھ میں بیتاب اسرار جذبہ
جسے اب تک کوئی نہ سمجھ پایا
نہ اس کی کوئی صورت ہے نہ کوئی پیمانہ
ڈھکے الفاظ میں اس کا بہت اظہار ہوتا ہے
کچھ ایسے ہی کہ جیسے اب
''تہہ دل'' سے ہم دونوں اقرار کرتے ہیں
مگر پھر بھی نہ جانے کیوں
تمہیں ضد ہے میں کہہ دوں
مجھے ضد ہے تم کہہ دو
مجھے تم سے محبت ہے
تمہیں مجھ سے محبت ہے

ریما نور رضوان۔ کراچی

ہری مرچ	6-5 عدد
ہلدی	تھوڑی سی

ترکیب:۔

☸ دل اور گردوں کے قیمے کی طرح موٹے موٹے ٹکڑے کرلیں۔ اب ان کو تیل گرم کرکے اس میں ڈال دیں ساتھ ہی لہسن، ادرک، مرچ، ہلدی، نمک اور اتنا پانی ڈالیں کہ گوشت گل جائے۔ پھر اس کو اچھی طرح بھون کر ٹماٹر، پیاز اور ہری مرچ کاٹ کر ڈالیں۔

☸ جب یہ چیزیں بھن جائیں تو مغز ابال کر ڈالیں اور ساتھ ہی دہی بھی پھینٹ کر ڈال دیں جب دہی کا پانی اچھی طرح خشک ہوجائے تو سوکھی میتھی اور گرم مصالحہ ڈال کر ایک منٹ تک پکائیں پھر چولہا بند کردیں رائتے اور نان کے ساتھ گرم گرم نوش کریں۔

لبنانی کباب

اجزاء:۔

قیمہ	آدھا کلو
میکرونیز (ابلی ہوئی)	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	1 چائے کا چمچ
ادرک/لہسن (پیسٹ)	1 کھانے کا چمچ
پیاز (موٹے کٹی ہوئے)	3 عدد
آلو (ابلے ہوئے)	3 عدد
ہری مرچ (کٹی ہوئی)	2-3 عدد
ٹماٹر (موٹے کٹے ہوئے)	2 عدد
مٹر (ابلے ہوئے)	1 کپ
انڈے	2 عدد
پودینہ	چند پتے
آئل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

☸ پین میں قیمہ، نمک، مرچ، ادرک اور پیاز ڈال کر مکس کرلیں۔ ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں پانی خشک ہونے پر بھون لیں۔ آلو کاٹ کر مٹر، ٹماٹر، میکرونیز، ہری مرچیں اور قیمہ ڈال کر گرائینڈ کرلیں۔ اس کے کباب بنالیں۔ انڈے پھینٹ لیں۔ کبابوں کو انڈے میں ڈپ کرکے تیل میں گولڈن فرائی کرلیں۔ لبنانی ڈش تیار ہے۔

افغانی بریانی

اجزاء:۔

مٹن/بیف (ہڈیوں کے ساتھ	1 کلو
پیاز	4 عدد
لونگیں	8 عدد
ٹماٹر (پیسٹ)	5 عدد ٹماٹر
کالی الائچی	4 عدد
چھوٹی الائچی	4 عدد
گاجر	آدھا کلو
بادام	6,7 عدد
چاول	آدھا کلو (پانی میں بھگو کر رکھیں)
پستہ	5,6 عدد
کشمش	6,7 عدد
زیتون کا تیل	2 کپ
زعفران	1 چٹکی

ترکیب:۔ ایک پین میں پیاز سنہری کرلیں پھر اس میں گوشت مع گرم مصالحہ اور ٹماٹو (پیسٹ کے ڈال دیں اور پین کو پکنے کو رکھ دیں تاکہ گوشت گل جائے مصالحے کو چند منٹ بھونیں پھر آدھا کپ پانی ڈال کر پانچ سے دس منٹ پکائیں گاجر کو باریک کاٹ کر فرائی کریں پھر

اسپیشل ران روسٹ

اجزاء

مٹن ران	1 عدد
دہی	1 کپ
لال مرچ	2 کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر	1 کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
سرکہ	آدھا کپ
لہسن، ادرک (پیسٹ)	3 کھانے کے چمچ
اجوائن (پسی ہوئی)	آدھا کھانے کا چمچ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ران کو اچھی طرح صاف کرلیں پھر اس پر گہرے کٹ لگالیں دہی میں تمام اجزاء سوائے تیل کے مکس کرلیں اور اچھی طرح ران پر لگادیں دو گھنٹے میرینیٹ ہونے دیں۔ اب برتن میں حسب ضرورت تیل ڈال کر ران اس میں ڈال دیں درمیانی آنچ پر 20 سے 25 منٹ تک پکنے دیں۔ پھر پلٹ کر دوبارہ 20 منٹ تک پکائیں۔ گولڈن ہوجائے تو ٹشو پیپر پر نکال لیں۔ چلی ساس کے ساتھ سرو کریں۔

تکہ کباب

اجزاء:۔

گوشت	آدھا کلو
لہسن، ادرک (پیسٹ)	1 کھانے کا چمچ
پیاز (درمیانی پیس لیں)	1 عدد
دہی	آدھا کپ
سرکہ	2 کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر	آدھا کھانے کا چمچ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	1 کھانے کا چمچ

نمک	حسب ذائقہ
تیل	ڈیڑھ کپ
کوئلہ	1 ٹکڑا

ترکیب:۔

گوشت کو پسندوں کی شکل میں پتلے پتلے پارچے بنالیں اور اس پر لیموں اور نمک مل دیں آدھا گھنٹہ لگا رہنے دیں اب دہی میں سوائے تیل اور کوئلے کے باقی تمام اجزاء اچھی طرح ملالیں اور اس آمیزہ میں گوشت کو ڈال دیں اور دو گھنٹے میرینیٹ ہونے دیں۔

پتیلی میں حسب ضرورت تیل ڈال دیں اور اس میں گوشت والا آمیزہ ڈال کر 25 سے 30 منٹ تک ہلکی آنچ پر پکنے دیں پانی خشک ہوجائے تو ہلکی آنچ پر ہی بھونیں۔ کوئلہ دہکالیں اور پھر اس کا دم لگادیں۔

باربی کیو جیسا مزہ اٹھائیں۔ لیمن سلاد اور چلی ساس کے ساتھ سرو کریں۔

کٹاکٹ

اجزاء:۔

بکرے کے گردے	4 عدد
بکرے کا دل	2 عدد
بکرے کا مغز	2 عدد
پیاز (درمیانی سائز کی)	2 عدد
ٹماٹر (باریک کاٹ لیں)	1 پاؤ
دہی	آدھا پاؤ
تیل	1 کپ
مرچ پاؤڈر	2 چائے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لہسن/ادرک (پیسٹ)	2 کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ	1 چائے کا چمچ
سوکھی میتھی (پسی ہوئی)	2 چائے کے چمچ

شہلا مشتاق

سنگھار

جلد کی ساخت کے اعتبار سے میک اپ

میک اپ ہمیشہ جلد کی ساخت اور چہرے کی رنگت کو مدِنظر رکھ کر کرنا چاہیے۔ آپ جلد کی ساخت کے اعتبار سے میک اپ کریں گی تو میک اَپ درست ہو سکے گا۔ جلد کی ساخت کئی طرح کی ہوتی ہے۔ مثلاً چکنی جلد، خشک جلد، نارمل جلد، حساس جلد اور اسی طرح چہرے کی رنگت بھی کئی طرح کی ہوتی ہے۔ گندمی رنگت، سرخی مائل رنگت، سیاہ رنگت، زرد رنگت، زیتونی رنگت۔ ان میں سے خشک، چکنی اور نارمل جلد پر ایک ہی طرح کا میک اپ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح چہرے کی رنگت کے اعتبار سے اشیاء استعمال کرنی چاہئیں۔ چاہے آپ کی رنگت سفید ہو یا گندمی اگر آپ سفید رنگت کی مالک ہیں تو آپ کو ہلکا میک اپ بھی کرنا چاہیے اور تیز میک اپ بھی۔ دونوں طرح کا میک اَپ آپ کی سفید رنگت پر نکھار پیدا کرے گا اور اگر گندمی رنگت کی مالک ہیں تو آپ کو نیچرل کلر کا میک اَپ کرنا چاہیے اور ہلکے رنگ کے لباس پہننے چاہئیں۔ مثلاً اورنج، ہلکا پیلا، گلابی، ہلکا نیلا، ہلکا گلابی وغیرہ۔ میک اَپ کرتے وقت اپنی گردن کو بھی خاص طور پر مدِنظر رکھیں۔ میک اَپ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ چہرے اور گردن دونوں کی رنگت ایک جیسی ہو۔ میک اَپ زیادہ گہرا نہیں کرنا چاہیے۔ ورنہ مصنوعی معلوم ہوگا اور آپ بالکل ماڈل نظر آنے لگیں گی۔ ذیل میں، ہم مختلف جلدوں پر میک اَپ کرنے کے طریقے درج کر رہے ہیں۔

1۔ خشک جلد: اگر آپ کی جلد خشک ہے تو سب سے پہلے آپ بغیر چکنائی والی فاؤنڈیشن یا کریم چہرے پر لگائیں۔ خشک جلد کے لیے موئسچرائزر یا موئسچرائزنگ لوشن استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لوشن جلد کو نمی اور روغن فراہم کرتا ہے۔

2۔ چکنی جلد: چکنی جلد کے لیے جو فاؤنڈیشن استعمال کیا جائے اس میں بنیادی عنصر پانی ہونا چاہیے۔ ایسی جلد والی خواتین کو ویلو اسٹھ لوشن استعمال کرنا چاہیے۔ یہ چہرے کے لیے بہترین اسٹرینجنٹ ہے۔ روغنی جلد والی خواتین کو اسکن ٹانک کا استعمال ہرگز نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے بجائے ہلکی ہلکی سکھوینڈ کلینزر سے جلد صاف کر کے ویلو اسمتھ لوشن لگانا بہتر ہوتا ہے۔

3۔ نارمل جلد: یہ جلد کی سب سے بہترین ساخت ہے۔ جن خواتین کی جلد نارمل ہو انہیں چکنی اور پانی کی آمیزش والی فاؤنڈیشن لگانی چاہیے کیوں کہ یہ اس جلد کے لیے بہت مفید ہوتی ہے۔

4 حساس جلد: حساس جلد سے مراد ایسی جلد ہے جو بہت ہی نازک ہوتی ہے ایسی جلد کو پریشان کن جلد بھی کہا جاتا ہے۔ جن خواتین کی جلد حساس ہو انہیں چاہیے کہ وہ بغیر چکنائی والی فاؤنڈیشن استعمال کریں کیوں کہ ان کی جلد کے مسامات ویسے ہی زیادہ چکناہٹ خارج کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ ادویات پر مشتمل فاؤنڈیشن استعمال کریں جو ان کے لیے مفید ہے۔

اس میں پستہ، بادام، کشمش، گاجر اور زعفران ڈال کر مکس کر لیں اوپر سے سبز الائچیاں چھڑک کر بریانی کو بیس منٹ کے لیے دم دیں اور سرو کریں۔

نوٹ ☆ دہی کے رائتے کے ساتھ بہت مزہ دیتی ہے۔

تندوری تکے

اشیاء:

گوشت	ایک کلو (پتلے پارچے)
پیاز	ایک پاؤ
دہی	ایک پاؤ
آئل	آدھ پاؤ
کچا پپیتا	آدھا پاؤ
زیرہ، تل، خشخاش	ایک ایک چھٹانک
بھنے ہوئے چنے	ایک پاؤ
لہسن	ایک پوتھی

ترکیب:

پیاز کے باریک لچھے کاٹیں اور انہیں تھوڑے آئل میں تل کر لال کر کے نکال لیں۔ دیگر تمام مصالحے بھی اسی طرح گھی میں تل کر نکال لیں۔ اب انہیں پیاز کے ساتھ باریک پیس لیں پھر گوشت میں پہلے پپیتا پیس کر ملائیں پھر پیاز ملاتے ہوئے مصالحے بھی شامل کر دیں۔ اب گوشت کی بوٹیوں کو اچھی طرح مکس کر لیں تاکہ اس کے تمام اجزاء خوب اچھی طرح مل جائیں۔ اس میں پسی ہوئی ادرک، پسا ہوا لہسن، نمک اور دہی بھی ملا دیں اور کم از کم تین گھنٹے تک اسی حالت میں پڑا رہنے دیں۔ (اس طرح گوشت کے ریشے مصالحہ جذب کر کے جلد گلنے کے قابل ہو جاتے ہیں) پھر انہیں کسی تھال میں پھیلا کر اوون یا بھٹی یا تنور میں اس طرح دم پر لگائیں کہ تھالی پر ڈھکنے یا سرپوش کی قسم کا کوئی برتن ضرور ہو۔ کچھ دیر بعد اس برتن کو اٹھا کر تکوں کی حالت کا اندازہ لگائیں۔ اگر سرخی پر آگئے ہیں تو تھالی تنور سے نکال لیں اور پراٹھوں کے ساتھ گرم گرم کھائیں۔

ان کے ہمراہ گاجر یا شلجم کا اچار یا مولی کے قتلے یا سلاد ضرور کھانا چاہیے اس طرح ایک تو ان کی لذت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے دوسرے یہ جلدی ہضم ہو کر جزو بدن بن جاتے ہیں۔

ہانڈی گولا کباب

اجزاء:

قیمہ	آدھا کلو
خشخاش	ایک چائے کا چمچہ
سونف	ایک کھانے کا چمچہ
سوکھا دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
کھوپرا	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت لال مرچیں	دس تا پندرہ عدد
پپیتا	ایک کھانے کا چمچہ
بھنا چنا	ایک چوتھائی کپ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ
دہی	ڈیڑھ کپ
پیاز (بھی پسی ہوئی)	ایک عدد
ادرک، لہسن	دو چائے کے چمچے

ترکیب: ایک برتن میں خشخاش، سونف، سوکھا دھنیا، کھوپرا اور لال مرچ کو بھونیں اور چنے کے ساتھ اچھی طرح پیس لیں۔ قیمے میں پپیتا، نمک، ادرک، لہسن اور تمام بھونا ہوا مرکب ملا کر ایک یا دو گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں پھر دہی میں ملائیں اور ان کو گول شکل میں بنالیں۔ تیل گرم کر کے تھوڑے تیل میں فرائی کریں۔ فرائی ہونے کے بعد انہیں پون کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ آخر میں ہری مرچیں، ہرا دھنیا ڈالیں

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماء راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

5۔سیاہ رنگت: جن خواتین کی رنگت سیاہ ہوتی ہے انہیں ہلکے نارنجی یا گلابی شیڈ کی فاؤنڈیشن استعمال کرنی چاہیے۔ اس سے ان کے چہرے پر صحت مند تازگی کا تاثر نظر آنے لگتا ہے۔ بعض خواتین جن کی رنگت سیاہ ہوتی ہے وہ اپنی سیاہ رنگت کو چھپانے کے لیے بہت ہی بھاری قسم کا میک اپ کر لیتی ہیں جو مناسب نہیں ہوتا ہمیشہ ہلکے پھلکے میک اَپ سے ہی چہرے پر وقار اور دلکشی پیدا ہوتی ہے۔

6۔گندمی رنگت: سفید رنگت پر چاہے ہلکا میک اپ کیا جائے چاہے بھاری اور تیز میک اَپ سفید رنگت پر دونوں طرح کا میک اَپ جچتا ہے۔ لیکن گندمی رنگت کے سلسلے میں ایسا نہیں ہے۔ گندمی رنگت رکھنے والی خواتین کو بہت سی احتیاط اور سلیقہ سے کام لینا چاہیے۔ ورنہ ان کا چہرہ بدنما اور رنگ سیاہ نظر آنے لگے گا۔ گندمی رنگت والی خواتین کو ایلو براؤن کی فیئر لائٹ فاؤنڈیشن کا روز ایشل شیڈ استعمال کرنا چاہیے۔ میک اَپ کے ماہرین نے اس فاؤنڈیشن کو بہت مفید قرار دیا ہے اور اس سے چہرے پر نکھار پیدا ہوتا ہے۔

7۔زرد رنگت: زرد رنگت یا پیلاہٹ مائل رنگت رکھنے والی خواتین کو گلابی اور ہلکے اورنج شیڈ کے امتزاج والی فاؤنڈیشن استعمال کرنی چاہیے۔ کیوں کہ اس شیڈ کے فاؤنڈیشن لگانے کے بعد ان کے جسم کی جلد کا رنگ چہرے کے رنگ سے زیادہ متضاد نہیں لگے گا۔ اس کے علاوہ دوسرا شیڈ پیلاہٹ مائل براؤن اور گلابی کا بھی لیا جاسکتا ہے۔ ان دونوں رنگوں کی فاؤنڈیشن کے استعمال سے چہرے پر قدرتی تازگی اور گلابی پن کا احساس پیدا ہوگا اور یوں چہرے کی دلکشی میں بہت زیادہ اضافہ پیدا ہو جائے گا۔

8۔سرخی مائل: رنگت رکھنے والی خواتین کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے سرخ دھبے بھی نظر آتے ہیں۔ خصوصاً ناک کی نوک، ٹھوڑی، پیشانی اور رخساروں پر سرخ نشانات قدرے واضح ہوتے ہیں۔ سرخی مائل رنگت رکھنے والی خواتین کو چاہیے کہ وہ پیلاہٹ مائل رنگ کی فاؤنڈیشن استعمال کریں۔ کیوں کہ اس شیڈ کی فاؤنڈیشن چہرے کی سرخی کو بھی چھپائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ چہرہ قدرتی سرخی سے بھی محروم نہیں رہے گا لیکن فاؤنڈیشن سے پہلے پرائمر ضرور لگا لینا چاہیے۔

میک اپ کرنے کا طریقہ

میک اَپ کرنے کے لیے، سب سے پہلے چہرے کی تھریڈنگ کریں گے۔ تھریڈنگ کرنے کے بعد چہرے کا مساج کریں۔ اس کے بغیر آپ خوب صورت نہیں لگیں گے۔

3۔Neck پر فاؤنڈیشن ایک ہی لیول میں لگایا جاتا ہے۔ ورنہ زیادہ بام ہونے کی وجہ سے دھبے نظر آئیں گے گردن پر سامنے کی طرف لگانے کے بعد فاؤنڈیشن گردن کے پیچھے اور کندھوں پر بھی اچھی طرح لگائیں۔ Neck سے اوپر کان پر بھی فاؤنڈیشن لگائیں اور کان کے پیچھے بھی تاکہ تمام حصے ایک جیسے نظر آئیں۔

4۔اب فاؤنڈیشن گالوں پر لگائیں۔ گالوں پر لگاتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ ہاتھوں کو نیچے سے اوپر کی طرف لے جایا جائے۔ ایک گال پر لگانے کے بعد اسی طرح دوسرے گال پر بھی لگائیں۔

5۔Cheecks پر لگانے کے بعد Chin پر لگائیں۔

6۔اس کے بعد ناک پر لگائیں۔ ناک پر لگاتے وقت اس بات کا خیال رکھیں مساج ہمیشہ کولڈ کریم کا کرنا چاہیے۔ مساج اور ہاٹ ٹول Hot Towel کرنے کے بعد چہرے کو ٹشو پیپر سے اچھی طرح صاف کریں۔ اس کے بعد چہرے پر برف ملیں۔ دس منٹ تک برف ملنے کے بعد چہرے کو پانی سے دھولیں اور پھر تولیے سے چہرے کو پونچھ لیں۔ چہرے کو اچھی طرح صاف کریں۔

......☆......